سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) نمبر ۲۱۸

مشاہیر یونان و رُومہ

جلد سوم

ترجمہ

جناب مولوی سیّد ہاشمی صاحب فرید آبادی

شائع کردہ

انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) دہلی

ہلی بار ۱۹۴۵ء قیمت مجلد عیر بلا جلد للعہ

(ہمدرد برقی پریس دہلی)

680

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (ہند) نمبر ۲۱۸

مشاہیر یونان و روم

جلد سوم

ترجمہ

جناب مولوی سید ہاشمی فرید آبادی

شائع کردہ

انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی

پہلی بار سنہ ۱۹۴۵ء قیمت مجلد عہ بلا جلد للعہ

(حامد فرید آبادی)

شیخ غلام محمد اینڈ سنز تاجران کتب
مائسمہ بازار امیرا کدل سرینگر کشمیر

Kashmir University Library Srinagar
33553
26-5-60

S701
MB

~~۹۲۰.۵۰۲۹۵~~
۳۰.۶۲۳ ۵

Cat

920.495
ن21ح

CHECKED

Allama Iqbal Library
33553

680

فہرست مضامین مشاہیر یونان و رومہ جلد سوم

شمار	سوانح	صفحہ
۱	ارس تی دیس	۵
۲	مرقس کے تو	۵۸
۳	ارس تی دیس اور مرقس کے تو کا موازنہ	۱۱۱
۴	فیلوپی من	۱۲۱
۵	ٹی ٹس فلامی نی نس	۱۵۵
۶	فیلوپی من کا موازنہ ٹی ٹس فلامی نس کے ساتھ	۱۹۳
۷	پای روس	۱۹۷
۸	کاریوس ماریوس	۲۵۸
۹	لی سان در	۳۲۳
۱۰	سیلاہ	۳۶۵
۱۱	لی سان در اور سیلا کا موازنہ	۴۳۴

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

ارِس تی دِیس

یا

ارس طی دش

لسی ماچس کا بیٹا ارس تی دِیس تبلیم الطیاکیس سے ہے اور قصبہ الوپک میں پیدا ہوا اور وہیں کا باشندہ تھا۔ اُس کی حیثیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ عمر بھر نہایت مفلسی میں بسر اوقات کرتا رہا اور مرنے کے بعد بھی دو بیٹیاں ایسی شکستہ حال چھوڑ گیا کہ افلاس کی وجہ سے مدتوں وہ بے بیاہی رہیں۔ لیکن ڈیمٹ ری اس فلیری کا بیان اس روایت عام سے مختلف ہے اور وہ اپنی کتاب "سقراط" میں ذاتی علم کی بنا پر ارِس تی دِیس کو ایک بڑے قطعۂ زمین کا مالک بتاتا ہے جو موضع فلیوم میں اس کے نام سے موسوم تھا اور جہاں اُس کی قبر تھی۔ اس کے علاوہ ڈیمٹ ری اس نے اس کی ثروت کے ثبوت میں عہدۂ آرکنی کو بھی پیش کیا ہے کہ اس مرتبے پر صرف اُنھی لوگوں کو قرعہ اندازی

سے منتخب کیا جاتا تھا جو سب سے دولت مند اور اعلا طبقے کے ہوتے تھے اور اس طبقے کا نام ایتھنز کی سرکاری اصطلاح میں "پنٹاکوسی اومی ڈمنی تھا"؛ اور ارِس تی دیس نہ صرف آرکن منتخب ہوا بلکہ اس کی جلاوطنی بھی فتوائے عام کی رو سے عمل میں آئی، حالاں کہ یہ سزا ادنا طبقے کے اشخاص کو کبھی نہ دی جاتی تھی اور ان کا نشانہ وہی بنتے تھے جو امارت خاندانی اور سیاسی اقتدار رکھتے ہوں۔ تیسرا اور آخری ثبوت اس کی دولت مندی کا ڈمٹ رجی اس یہ دیتا ہے کہ باکوس دیوتا کے مندر میں ارِس تی دیس نے کچھ تپائیاں اس کام یابی کی یادگار میں نذر دی تھیں جو اسے ڈراموں کے مقابلے میں حاصل ہوئی تھی۔ چناں چہ وہ ہمارے زمانے تک محفوظ ہیں اور ان پر یہ کتبہ کندہ ہے: "کام یابی انطیاکیس قبیلے نے پائی۔ مصارف ارِس تی دیس نے ادا کیے، جو کھیل دکھایا گیا، وہ ارکی تراتوس کی تصنیف تھا۔"

لیکن یہ آخری ثبوت جو سب سے قوی نظر آتا ہے، سب سے کم وقیع ہے۔ اپامنن داس کو سب جانتے ہیں کہ نہایت مفلس اور نادار آدمی تھا، نیز حکیم افلاطون کا شمار بھی دولت مندوں میں نہیں ہوتا با ایں ہمہ ان دونوں نے بڑی شان دار مجالس رقص و سرود منعقد کرائی تھیں۔ حالاں کہ دراصل پہلے کے تمام مصارف پیلوپی داس نے برداشت کیے تھے اور دوسرے کے ڈیون سیراکیوزی نے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے بزرگوں کو اپنے دوستوں کے تحفے یا نذرانے قبول کرنے میں کچھ عار نہیں ہوتا اور اگرچہ روپے کو ذاتی اغراض کے لیے یا طماعی سے جمع کرنا ان کے نزدیک کمال فرومایگی ہے اور اعزا و اقارب تو تاہم لالچ کے بغیر محض نام مندی یا شانِ تجمل کا لطف اٹھائے

کے واسطے انھیں کوئی رُپی دے تو انکار نہیں کرتے۔ مزید برآں پانی تیس کے نزدیک یہ تپائیاں بھی اس ارس تی دیس کی نہ تھیں بلکہ ایرانی حملے سے پیلوپنی سس کی جنگ کے خاتمے تک دو اور شخص اسی نام کے گزرے ہیں، جنھوں نے ڈراموں کا مقابلہ جیتا اور اپنے نام کی تپائیاں چھوڑیں۔ اُن میں پہلا زینوفیلس کا بیٹا تھا اور دوسرا بہت بعد کا آدمی ہے کیوں کہ اول تو اُس کے نام کا کتبہ اس طرزِ تحریر میں کندہ ہے جو حکیم اقلیدس کے وقت سے رائج ہوئی دوسرے ارکی تراتوس ڈراما نویس کا نام جنگِ ایران کے ہم عصر مصنفوں کے ہاں کہیں نظر نہیں آتا، البتہ جنگ پیلوپنی سس کے وقت کی کتابیں اس کا ذکر کرتی ہیں اور اسے ایک ڈراما نویس شاعر بتاتی ہیں۔ تصریحاً پانی تیس کا قول ہے کہ ڈمٹ ری اس کو ناموں میں دھوکا ہوا۔ اور اگرچہ یہ بات کافی تحقیقات کیے بغیر تسلیم نہیں کی جاسکتی، مگر اس میں شبہ نہیں کہ ڈمٹ ری اس کا فتوائے جلاوطنی کو دلیلِ ثروت قرار دینا بھی صحیح نہیں، ہر شخص جسے شہرت یا فصاحت یا اقتدار، عام سطح سے بلند کردے، اس سزا کا ہدف بن سکتا تھا چناں چہ پیری کلیس کے اتالیق داموں کو محض اس بنا پر خارج کیا گیا کہ اس کی عقل و فہم عوام الناس کو غیر معمولی معلوم ہوتی تھی۔

اسی قول کو بھی (کہ ارس تی دیس بذریعۂ قرعہ آرکن تھا) ادومنیس تردید کرتا اور لکھتا ہے کہ اُسے لوگوں نے اپنی مرضی سے منتخب کیا تھا، یہ ڈمٹ ری اس کو بھی تسلیم ہے کہ جنگ پلاتیہ کے بعد ارس تی دیس کو ارکنی ملی تھی اور اس لیے بالکل قرینِ قیاس ہے کہ اس کی شہرت عظیم اور یہ مہتم بالشان کام مالی دولت مندی سے افضل سمجھی گئی ہو

اور اُسے وہ عہدہ دے دیا گیا ہو جس کے صرف اہلِ تموّل مستحق تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہو ڈیمیٹ ری اس افلاس کو ایسا باعثِ ننگ تصور کرتا ہو کہ خود سقراط کو اُس نے خوش حال ثابت کرنے کی کوشش کی ہو اور لکھا ہو کہ وہ نہ صرف ذاتی مکان رکھتا تھا بلکہ اُس نے کریتو کو ستر مینے؎ کی رقم بھی سود پر چلانے کے لیے دے رکھی تھی ۔

ارس تی دیس اُس کلیس تن کا دوست اور طرف دار تھا جس نے مطلق العنان جابروں کو نکالنے کے بعد حکومت کو منتظم کیا تھا۔ نیز اُسے اسپارٹی مقنن لکرگس کا نظامِ ملک داری بہت پسند تھا اور اُسی کی ریس میں وہ اُصولاً حکومتِ اُمرا کا سب مدبّروں سے زیادہ حامی تھا۔ اُس کے مقابلے میں جمہور کی حمایت تھِس طاکلیس نے کی تھی اور وہی اُس کا سب سے بڑا سیاسی حریف تھا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کی طبیعتوں کا فرق اوائل عمر میں ظاہر ہوگیا تھا، بچپن سے وہ ایک ہی جگہ رہے سہے اور ایک ہی مکتب میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی، مگر اس وقت بھی قول و فعل اور کھیل کود میں وہ ایک دوسرے کی ضد اور حریف تھے، طاکلیس نہایت تیز، چالاک اور ہر بات میں دخیل تھا۔ ارس تی دیس بہت متین، پختہ مزاج، راست باز اور ایسا انصاف پسند کہ کھیل کود میں بھی جھوٹ فریب یا بدتمیزی سے گوارا نہ ہوتی تھی۔

آرسٹن باشندہ خیوس کہتا ہو کہ ان دونوں میں دشمنی کی ابتدا عشق کے ایک معاملے سے ہوئی۔ دونوں مہ جبیں تیلیئوز ساکن خیوس کی محبت کا دم بھرتے تھے عشق نے دونوں کو اندھا کر دیا تھا۔ رقابت پیدا ہوئی اور

؎ ایک قدیمی یونانی سکہ ہو جو سو درہم یعنی تقریباً ہمارے ساڑھے تین پونڈ کے مساوی ہوتا تھا۔

رقابت نے عداوت کا رنگ نکالا اور پھر عداوت اتنی بڑھی کہ حد سے گزر گئی۔ قرینہ یہ چاہتا تھا کہ جب وہ حسینہ جو دشمنی کی بنا تھی، دنیا سے سدھار گئی تو دونوں خصومت کو بالائے طاق رکھ دیتے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے عداوت ان کی سرشت میں اتنی پیوست ہو چکی تھی کہ تیسی لوز کے اٹھتے ہی وہ ملکی امور کے پردے میں غیظ و غضب کی آگ برسانے اور مخالفت کے تیر چلانے لگے۔ اس جد و جہد میں ثمس طاکلیس نے اپنی قوت ایک جتھے میں مل کے بہت بڑھالی تھی اور اس فرقہ بندی میں اسے اتنا غلو تھا کہ جب کسی نے اس سے کہا کہ "اگر تم میں یہ طرف داری اور رو رعایت نہ ہوتی تو ایک اچھے حاکم ہوتے" تو اس نے جواب دیا "کاش میں کبھی ایسی عدالت میں رکن بن کر نہ بیٹھوں جہاں میرے احباب کو اجانب سے زیادہ رعایت کی امید نہ ہو!" اس کے برعکس ارس تی دیس نے کسی جماعت یا گروہ کا سہارا نہ لیا۔ اسے ہرگز پسند نہ تھا کہ اپنے دوستوں کا جا و بے جا ساتھ دے اور اپنے گروہ کے اغراض پر انصاف کو قربان کر دے۔ اس کی راہ سب سے الگ تھی اور صرف حق اور دیانت اس کی رہبر تھی۔ دوسرے وہ دیکھتا تھا کہ گروہ بندی کرنے والے بدی کرنے میں اور زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں لہذا وہ اس بارے میں اور بھی احتیاط کرتا تھا۔ اس کے نزدیک عافیت اسی میں تھی کہ اپنے ہر قول و فعل میں صرف دیانت و ایمان داری سے کام رکھیے۔

مگر جب ثمس طاکلیس نے بعض خطرناک تبدیلیاں پیدا کر دیں اور اس کی ہر تحریک و تجویز میں خلل ڈالنا شروع کیا اور ہر موقع پر اس کی مخالفت کی تو ارس تی دیس کو بھی آخرکار اپنے بچاؤ میں اور اپنے حریف

کا زور توڑنے کے لیے یہی کرنا پڑا جو ثمس طاکلیس کر رہا تھا۔ یعنی وہ بھی اپنے سیاسی حریف کی مخالفت کرنا ملکی فوائد پر مقدم سمجھنے لگا کہ مبادا ثمس طاکلیس کی کامیابیاں فائدہ پہنچانے کے باوجود اُسے زیادہ قوی اور خطرناک بنا دیں ۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب ثمس طاکلیس نے بعض ضروری تجاویز پیش کیں اور ارس تی دیس نے صرف ضد سے اُس کی مخالفت کی اور اُس کی بات نہ چلنے دی تو مجلس سے اُٹھتے وقت وہ خود یہ کہے بغیر نہ رہ سکا کہ جب تک ثمس طاکلیس کو اور مجھے یہاں سے دفع نہ کر دیا جائے ، ایتھنز کی سلامتی دشوار ہے ۔

ایک اور موقع پر وہ کوئی تحریک کر رہا تھا اور اکثر لوگوں کو اس سے سخت اختلاف تھا لیکن پھر بھی غلبہ اسی کا نظر آتا تھا اور قریب تھا کہ میر مجلس آرا طلب کرے اور تحریک منظور ہو جائے کہ خود ارس تی دیس کو مخالفین کی تقریریں سُن کر اپنی غلطی معلوم ہو گئی اور اُس نے تحریک خود ہی گر جانے دی ۔ اسی طرح وطن کی سود بہبود کے لیے جو قوانین اُسے منظور کرانے ہوتے ، اُنھیں بارہا دوسرے اشخاص کے ذریعے سے مجلس میں پیش کرا دیتا تھا تاکہ ثمس طاکلیس محض فرقہ بندی کے جوش میں سدرہ نہ ہو اور وہ مفید تجاویز منظور ہو جائیں ۔

ملکی معاملات کی تمام انقلاب انگیزیوں میں ارس تی دیس نے جس استقلال سے کام لیا وہ قابلِ تحسین ہے ۔ اس کا عقیدہ تھا کہ یہ خدمت گزاری ایک فریضۂ انسانی ہے جو بغیر کسی لالچ یا غرض کے انجام دینی چاہیے ۔ چنانچہ عمر بھر وہ اسی اصول پر کاربند رہا اور نہ غرورِ دولت و اعزاز اس راستے سے اس کو منحرف کر سکے اور نہ

کبھی تہی دستی اور ناقدری زمانہ سے اس کی قوم پرستی میں کوئی کمی آئی۔ وہ آخر تک ویسا ہی خالص محب وطن اور راست باز شہری رہا جیسا کہ ابتدا میں تھا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ جب ایک دفعہ تھیٹر میں مندرجۂ ذیل اشعار پڑھے گئے جو **اسکائے لس** نے ام فیا روس کے متعلق لکھے ہیں تو تمام تماشائیوں کی نگاہیں ارس تی دیس کی طرف پھر گئیں گویا وہ صفت جس کی شاعر نے مدح کی ہے، خاص ارس تی دیس کا حصہ تھی۔

اشعار یہ ہیں :-

"عادل فقط آتے نظر، کچھ اس کی یہ چاہت نہ تھی
تھی بلکہ یہ کوشش کہ وہ ویسا رہے فی الاصل بھی
اور اک زمینِ شیر تھی گویا کہ وہ طبعِ رسا
جس میں صلاحِ نیک کی اُگتی رہیں فصلیں سدا"

حقیقت میں ارس تی دیس جادۂ عدل پر ایسی مضبوطی سے قائم تھا کہ دوستی اور طرف داری یا ذاتی عداوت اور غصہ کوئی شے اُسے کبھی بھی صراطِ مستقیم سے نہ ہٹا سکی۔ ایک موقع پہ لکھا ہے کہ وہ چند ارکانِ عدالت کے ساتھ کسی ایسے شخص کی سماعتِ مقدمہ کر رہا تھا جو اس کا ذاتی دشمن اور بدخواہ تھا۔ استغاثے کی کارروائی ختم ہوتے ہی عدالت نے فیصلہ سنانے کا ارادہ کیا اور ملزم کی صفائی سننے سے انکار کر دیا۔ اس وقت ارس تی دیس مضطربانہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ملزم کے ہم آہنگ ہو کر درخواست کی کہ بے شک اسے اپنا قانونی حق ملنا چاہیے اور اجازت دینی چاہیے کہ جو کچھ کہنا ہے، کہے!

اسی طرح ایک مرتبہ وہ دو شخصوں کی باہمی نزاع کا فیصلہ کر رہا تھا۔ اثنائے تحقیقات میں ایک شخص نے فریقِ ثانی کے متعلق یاد دلایا کہ وہ ارس تی دیس کا دشمن ہی اور اُسے بھی بہت نقصان پہنچا چکا ہی۔ یہ سُن کر ارس تی دیس کہنے لگا "عزیزِ من، اس وقت تو تم وہ نقصان بتاؤ جو تمھیں پہنچا ہی کیوں کہ یہ میرا مقدمہ نہیں ہی بلکہ تمھارا معاملہ ہی جس کی میں سماعت کرنے بیٹھا ہوں!"

بعد میں وہ جب سرکاری خزانچی منتخب ہُوا تو اپنی دیانت اور نگرانی سے اس نے ثابت کر دیا کہ نہ صرف اس وقت کے عمال سرکاری رقم میں خیانت کرتے ہیں بلکہ اُس کے پیش رَو بھی بہت کچھ تصرف و تغلّب کر چکے ہیں، خاص کر تمس طاکلیس جس کی نسبت یہ کہا گیا ہی کہ :-

گو اپنے اوصاف میں وہ شہرۂ آفاق تھا
پر ہاتھ کی چالاکیوں میں بھی بہت مشّاق تھا

اسی بدنامی پر خار کھا کر تمس طاکلیس نے چند آدمیوں کو اپنے سے ملا لیا اور جب وہ حسابات دینے کھڑا ہُوا تو اس پر خیانت کا الزام لگایا اور ای دُومنیس کے بقول ایسا لوگوں کو مشتعل کیا کہ اُنھوں نے ارس تی دیس کو تغلّب کا مجرم قرار دے دیا! لیکن شہر کے مقتدر اشخاص اس فیصلے سے سخت ناراض ہوئے اور انھوں نے نہ صرف وہ جُرمانہ معاف کرایا جو اس پر خواہ مخواہ کیا گیا تھا بلکہ عہدۂ مذکور پر دوبارہ اسی کا تقرر کرا دیا۔ مگر اس مرتبہ اس نے تغافل اختیار کیا اور اُن لوگوں کی جانچ پڑتال بھی کرنی چھوڑ دی جو غلط حساب بنا کر لاتے تھے اور خزانے سے

بڑی بڑی رقمیں وصول کر لیا کرتے تھے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو لوگ پہلے اس کے خلاف تھے وہ اب اس کے بڑے مدّاح اور طرف دار بن گئے اور جب اس کی میعادِ عہدہ ختم ہوئی تو انھی نے اہلِ شہر سے التجا کی کہ اس کو پھر اسی خدمت پر بحال رکھا جائے۔ ارس تی دیس یہ کارروائیاں خاموشی سے دیکھتا رہا لیکن جس وقت لوگ اُسے دوبارہ منتخب کرنے لگے تو اُس نے جلسۂ عام میں اہلِ ایتھنز کی خبر لی اور کہنے لگا کہ ”جب مَیں نے اپنے فرائضِ منصبی راست بازی اور خوبی کے ساتھ انجام دیے تو ہر طرف سے مجھ پر لعنت ملامت ہوئی اور میری اہانت کی گئی، لیکن جب اس مرتبہ مَیں نے ان لٹیرے عہدے داروں کو آزادی دے دی کہ جو چاہیں کریں، تو مَیں سب سے بڑا محبِّ وطن بن گیا۔ اسی وجہ سے مَیں اپنی پہلی بے آبروئی سے اتنا شرمندہ نہیں ہوں جتنا اس تعریف اور تحسین سے۔ اور مجھے تم لوگوں کے حال پر رحم آتا ہے کہ بیت المال محفوظ رکھنے کی نسبت اُن عیاروں کا نوازنا تمھیں زیادہ پسند ہے۔“ یہ کہہ کر اُس نے وہ چوریاں کھولنی شروع کیں جو اس مرتبہ ہوئی تھیں اور اُن لوگوں کا منہ بند کر دیا جو پہلے اس کی تعریف کے پُل باندھ رہے تھے اور اس کے دوبارہ انتخاب پر بڑھ بڑھ کر بول رہے تھے؛ البتہ بہترین لوگ خوش ہوئے اور اس کو حقیقی داد ملی۔

اس کے بعد دارائے عجم نے شہر سارڈیس[1] کا جسے ایتھنزیوں نے جلا دیا تھا، بدلا لینے کے بہانے یونان پر چڑھائی کی اور سارے

---

[1] مغربی ایشیائے کوچک کی قدیم سلطنت ”لڈیہ“ (لود) کا مشہور شہر تھا سارڈس، سوڈس اور آج کل سرت بھی اس کا تلفظ کرتے ہیں۔ مترجم

ملک کو اپنے قبضے میں لانا چاہا۔ اس غرض سے اس کا سپہ سالار ڈے ٹیس فوج لیے میراتھن تک آپہنچا اور گرد و نواح کے تمام علاقے کو برباد کر دیا۔ (میراتھن ایتھنز کے شمال میں بیس پچیس میل کے فاصلے پر واقع تھا) اس کے مقابلے کے لیے اہلِ ایتھنز نے دس سپہ سالاروں کو منتخب کیا ان میں سب سے نامور مل تیادیس تھا لیکن اس کے بعد ارس تی دیس کا جتنا اثر تھا، کسی کا نہ تھا اور جب اس نے بھی مل تیادلیس کی تائید کی کہ لڑائی لڑنی چاہیے تو رائے کا پلّہ اسی طرف جھک گیا۔ پھر جب کہ ہر افسر باری باری سے ایک دن سپہ سالاری کرنا چاہتا تھا، اس نے اپنا دن بہ خوشی مل تیادیس کو دے دیا جس سے اپنے ساتھیوں کو یہ سبق دینا منظور تھا کہ آدمی کا اپنے سے زیادہ قابل اور دانش مند کی پیروی یا اطاعت کرنا بے عزتی نہیں بلکہ عالی ظرفی اور خوبی کی بات ہے۔ چناں چہ اس کے ایثار کا خاطر خواہ فائدہ ہوا۔ ان کی باہمی رقابت مٹ گئی اور ہر ایک نے اپنا سپہ سالاری کا دن مل تیادیس کو دے دیا اور اب وہی پوری مستعدی اور قوت کے ساتھ بلا شرکت سپہ سالاری کے فرائض انجام دینے لگا۔ جس وقت لڑائی شروع ہوئی تو جنگ کا سارا بوجھ قلب لشکر پر پڑا اور اسی مقام پر ایرانیوں نے جم کر دیر تک مقابلہ کیا۔ ارس تی دِیس اور تھمس طاکلیس بھی اپنے اپنے قبیلوں کے ساتھ یہاں موجود تھے اور بڑی شجاعت کے ساتھ لڑے حتیٰ کہ دشمن کو ہزیمت ہوئی اور وہ ہٹ کر جہازوں میں پناہ گزیں ہوئے اور لنگر اُٹھا کے وہاں سے بھی بھاگے۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ واپس جزائر کی طرف جانے کی بجائے ان کے جہاز سمندر کی مخالف موج اور ہوا کے زور سے

اتی کا (علاقہ اتھنز) کی جانب بہے جاتے ہیں، اتھنزی فوج کو خوف ہُوا کہ مبادا وہ خاص اتھنز میں جا اُتریں اور غیر محفوظ پاکر اس پر قبضہ کرلیں ۔ لہٰذا نو دستے فوج سمیت اُن کے سردار اتھنز روانہ ہوئے اور اسی دن وہاں جا پہنچے ۔ میراتھن میں صرف ارس تی دیس اور اُس کا قبیلہ مالِ غنیمت اور اسیرانِ جنگ کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیے گئے تھے اور جیسی کہ اُس سے توقع تھی، اُس نے یہ فرض کمال دیانت و امانت کے ساتھ انجام دیا ۔ غنیم نے بے حد و حساب زر و جواہر اور لباس پارچہ اپنے خیموں میں چھوڑا تھا ۔ ارس تی دیس نے ان کو بجنسہ رہنے دیا اور نہ خود ہاتھ لگانے کی ضرورت سمجھی نہ کسی اور کو ہاتھ لگانے دیا ۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ اُس کی بے اطلاع کسی نے کچھ لے لیا ہو جیسا کہ کے لیاس مشعل بردار نے کیا کہ ایک ایرانی نے کے لیاس کو قصابہ سر پر باندھے دیکھ کر کوئی بادشاہ یا حاکم سمجھا اور پہلے اس کے سامنے گر کر سجدہ کیا پھر ہاتھ پکڑ کر اسے ایک جگہ لایا جہاں نالی میں اس نے بہت سا سونا گاڑ دیا تھا ۔ مگر کے لیاس ایسا قسی القلب کافر تھا کہ مال پر بھی قبضہ کر لیا اور اس شخص کو بھی مار ڈالا کہ شاید کسی اور سے وہ تذکرہ کردے ۔ یہی وجہ ہے کہ مطائب نویس اس کے خاندان کو "لک کو پلوٹی" کے نام سے پکارتے ہیں جس کے معنی "نالی سے دولت یافتہ" کے ہیں ۔

جنگ میراتھن کے بعد ہی ارس تی دیس کا عہدہ آرکنی پر انتخاب ہُوا اگرچہ ڈمٹ رِی اس فلیری کا بیان ہے کہ یہ منصب اسے مرنے سے کچھ ہی مدت قبل جنگ پلاٹیا کے بعد ملا تھا ۔ لیکن جنگ پلاٹیا (جس میں ایرانی سپہ سالار مردونیوس نے شکست کھائی) زن تی خیدس کے زمانہ آرکنی میں

ہوئی تھی اور اس کے جانشینوں میں کہیں ارس تی دیس کا نام نظر نہیں آتا۔

ارس تیدس کی جس خوبی نے جمہور کو سب سے زیادہ گرویدہ کیا، وہ اس کی انصاف پسندی تھی اور یہی وصف ہے جس کی بنا پر اسے ایک نادار اور کم نسب آدمی ہونے کے باوجود "عادل" کا لقب ملا جو خدا کی اعلا ترین صفت اور بڑے سے بڑے بادشاہوں کے لیے بھی موجب فخر و ناز ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ بادشاہ یا مطلق العنان جابر یہ لقب پانے کی کبھی کوشش نہیں کرتے بلکہ انھیں زیادہ خوشی اپنے ناموں کے ساتھ ایسے ایسے القاب شامل کرنے کی ہوتی ہے جیسے کشورکشا وافتّاح یا صاعقۂ جہاں سوز۔ اور یا اس سے بھی آگے بڑھو تو عقاب و شہباز وغیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نیکی سے مشہور ہونا انھیں اتنا پسند نہیں، جتنا زور و قوت، جبر و قہر میں نام وری حاصل کرنا پسند ہے۔ حالاں کہ وہ بادشاہ علی الاطلاق جس سے یہ کسبِ فیض کرنا اور اپنے تئیں ملانا چاہتے ہیں تین صفات خاص کا مالک ہے یعنی بقائے دوام، قوتِ کاملہ اور خیرِ محض۔ ان میں بھی سب سے اعلا اور سب سے مبارک خیر کی صفت ہے کیوں کہ ہر چند عناصر اور خلا کا وجود ابدی ہے اور زلزلے اور طوفان اور برق و رعد قوت میں کسی سے کم نہیں، لیکن عدل و انصاف کا وجود صرف ربّانی عقل و علم کی بدولت ہے۔

اب اگر ان خدائی صفات کے متعلق لوگوں کے عقائد کا اندازہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کی بقائے دوام، یعنی فنا اور زوال سے اس کے منزّہ ہونے کو تو وہ اس کی قدوسیت کا موجب تصور کرتے ہیں، اس کی قوت اور قدرت سے خوف کھاتے اور

اور معزز و محبوب رکھتے ہیں ۔ لیکن انسان کی حالت یہ ہو کہ ان سب باتوں کو سوچنے سمجھنے کے باوجود سب سے پہلے تو وہ بقاے دوام کی ہوس کرتا ہو جس کی قابلیت ہی ہماری فطرت میں نہیں ۔ پھر اس قوت و اقتدار کی تلاش کرتا ہو جو بڑی حد تک اتفاقاتِ روزگار پر منحصر ہو۔ اور اس طرح خیر کی ربانی صفت کو جو سب سے زیادہ ہماری دسترس کے اندر ہو، اپنی حماقت سے سب میں آخری جگہ دیتا ہے۔ حالاں کہ (خیر کا مظہر) یعنی عدل وہ شے ہو جو ایک صاحبِ ثروت و حکومت شخص کی زندگی کو ایک دیوتا کی زندگی بنا دیتی ہو اور ناانصافی اسے انسانیت کے مرتبے سے گرا کر حیوانوں میں جا ملاتی ہو ۔

القصہ یہی وہ لقب ہو جس کی بدولت ارس تی دِیس ابتدا میں محبوبِ عام و خاص اور آخر میں محسودِ خلائق بنا ۔ خاص کر جب تمس طاکلیس نے یہ افواہ اس کے خلاف شہر میں پھیلادی کہ اس کا خانگی طور پر معاملات کو سُلجھانا اور تصفیہ کر دینا دراصل عدالت ہائے قانونی کی قوت توڑنا ہو اور اس ذریعے سے وہ اندر ہی اندر اپنی بادشاہت کا سامان کر رہا ہو ۔ اگرچہ ظاہر میں کوئی فوج یا سپاہی نہیں رکھتا ۔

اس کے علاوہ پچھلی فتح سے لوگوں کے دماغ بھی آسمان پر تھے اور وہ بالطبع اُن سب سے جلنے لگے تھے جو عام سطح سے بلند اور زیادہ نام ور نظر آتے ہوں ۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر طرف سے شہر میں اکٹھے ہوے، اپنے بغض و حسد کو خوفِ مطلق العنانی سے تعبیر کیا اور فتواے عام (یعنی آسٹراسزم) کے ذریعے ارس تی دیس کو جلاوطن کر دیا۔ درحقیقت

ایک خاص مقام پر جس کے چاروں طرف لکڑی کا کٹہرا لگا ہوا تھا، یہ ٹھیکری لے جاتا تھا اور یہاں ان تمام ٹھیکریوں کی گنتی ہوتی تھی (کیوں کہ اگر وہ کل تعداد میں چھے ہزار سے کم ہوتیں تو عمّال شہر فتوے کو کالعدم قرار دیتے)۔

اس کے بعد ہر نام کے خلاف جتنی رائیں ہوتیں، انھیں علاحدہ علاحدہ شمار کیا جاتا اور جو سب سے زیادہ رائیں پاتا، وہ دس سال کے واسطے وطن سے نکال دیا جاتا، اگرچہ اس کے شہری حقوق اور ذاتی املاک برقرار رہنے دیے جاتے تھے۔ اس قسم کا ہوتا تھا وہ فتوے عام جس کی بدولت ارس تی دِیس کو وطن سے نکلنا پڑا اور اس کے متعلق یہ واقعہ بھی مشہور ہو کہ جب لوگ ٹھیکروں پر نام لکھ رہے تھے تو ایک ان پڑھ گنوار نے اپنا ٹھیکرا خود ارس تی دِیس کو (یہ سمجھ کر وہ کوئی معمولی شہری ہو) دیا اور درخواست کی کہ اس پہ ارس تی دِیس لکھ دے! اور جب اس نے متحیر ہو کے شخص مذکور سے دریافت کیا کہ تمھیں اس سے ایسا کیا ضرر پہنچا ہو جو اسے جلاوطن کرانے کے درپے ہو تو جواب ملا کہ نہیں مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ نہ میں اس کو جانتا ہوں کہ وہ کون ہو لیکن اسے ہر جگہ عادل عادل سُن کر میرا جی اُکتا گیا ہو!۔

کہتے ہیں یہ سن کر ارس تی دیس چپ ہوگیا اور ٹھیکری پر اپنا نام لکھ کر شخص مذکور کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد جب وہ شہر سے نکلنے لگا تو اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور دعا کی (جو اگی لیس کی بد دعا سے بالکل معکوس نظر آتی ہو) کہ "اے خدا کبھی اہلِ اتھنز پر ایسا وقت نہ آئے کہ وہ مجبور ہو کر ارس تی دِیس کو یاد کریں!

یہ سزا بھی کسی مجرمانہ فعل کے لیے نہیں وضع کی گئی تھی بلکہ اس کی خاص غرض نامور اور صاحب قوت لوگوں کو گرانا اور ذلیل کرنا تھی، تاکہ حاسدوں کی بھڑاس نکل جائے اور وہ زیادہ نقصان پہنچانے کے درپے نہ ہوں بلکہ صرف دس سال کی جلاوطنی سے اپنا دل ٹھنڈا کریں۔ چناں چہ آخر میں جب یہی سزا شریر اور بد ذات اشخاص کے واسطے تجویز کی جانے لگی تو عوام الناس بہت ناخوش ہوے اور اُنھوں نے سرے سے اس سزا ہی کو اُڑا دیا اور ہیپربلس کے بعد کسی کی جلاوطنی فتوائے عام کے ذریعے عمل میں نہ آئی۔

ہیپربلس کی جلاوطنی کے اسباب یہ بیان کیے جاتے ہیں کہ الکی بیادیس اور نی کیاس جو ایتھنز میں سب سے زیادہ رسوخ واثر رکھتے تھے، باہم سیاسی حریف تھے۔ جب ان میں سے ایک کے خلاف اُن کے ہم وطنوں نے یہی فتوے عام کا حربہ استعمال کرنا چاہا اور معلوم ہوگیا کہ ان دو میں سے ایک ضرور جلاوطن کردیا جائے گا، تو ان دونوں نے باہم اتفاق کرلیا اور اپنے اپنے گروہوں کو ملاکر ہیپربلس کے خلاف اس قدر رائیں دلوائیں کہ کثرت رائے سے اسی کو جلاوطن ہونا پڑا۔ اس چالاکی نے عوام الناس کو بہت پریشان کیا اور انھوں نے اس کو اپنی اور سب کی توہین سمجھ کر غصے میں آیندہ کے لیے یہ ضابطہ توڑ دیا۔

اس موقع پر مختصر طور پر یہ لکھنا مناسب ہو کہ یہ فتوے عام کس طریق سے دیا جاتا تھا۔

سب سے اول ہر شخص ایک ایک "استڑاکان" یعنی ٹھیکری لے کر اس کا نام لکھ دیتا جسے وہ جلاوطن کرانا چاہتا۔ پھر منڈی میں

لیکن اس کی جلاوطنی کے تین سال بعد زرکسیز نے یونان پر لشکر کشی کی اور تھسالیہ (تھسلی) اور بیوشیہ کے علاقوں سے گزرتا ہوا خاص اتی کا پر حملہ آور ہوا۔ اس وقت اہل ایتھنز نے خود اس سزا کو منسوخ کر دیا اور تمام جلاوطنوں کو واپس بلایا۔ دراصل انھیں زیادہ خوف ارس تی دیس کی طرف سے تھا کہ اگر وہ ایرانیوں سے جا ملا تو اپنے سیکڑوں ہم خیال شہریوں کو بھی توڑ لے گا۔ حالاں کہ یہ اُن کا اندیشہ سراسر باطل تھا اور وہ اس کے مزاج کو بالکل نہ سمجھے تھے، کیوں کہ ان کے واپس بلانے سے قبل وہ بغیر کسی امید معافی کے ہر ممکن طریق سے یونانیوں کو اشتعال دلا رہا تھا کہ اٹھیں اور اپنی آزادی کی حفاظت کریں۔ اس کے علاوہ جب تمس طاکلیس سردار ہوا تو ارس تی دیس نے قول و فعل غرض ہر طرح اس کی امداد کی اور محض فائدۂ وطن کی خاطر اپنے سب سے بڑے دشمن کی ایک جان نثار نوکر کی طرح خدمت کرتا رہا۔ چناں چہ جس وقت ایرانیوں نے سلامیس کے قریب یونانی بیڑے کو گھیرنے کی کوشش کی اور (امیر البحر) یوری بیاد خوف زدہ ہو کے یہاں سے بھی بھاگنے پر آمادہ ہو تو ارس تی دیس راتوں رات دشمن کے جہازوں کے بیچ سے کشتی کھیتا ہوا چلا اور جان پر کھیل کر تمس طاکلیس کے پاس پہنچا کہ اسے محصور ہو جانے کی اطلاع دے۔ پھر خود آواز دے کے اسے بلایا اور کہنے لگا: "تمس طاکلیس، اگر ہمیں ذرا بھی عقل ہے تو اس وقت اپنی طفلانہ ضد بحث اور رقابت کو بالائے طاق رکھ کے ایک شریفانہ مقابلہ کریں گے کہ دیکھیں یونان کو بچانے میں کون زیادہ مستعدی دکھاتا

The J & K University Library

ہے ؟ یعنی آیا تم سپہ سالاری اور راہ بری کرنے میں افضل ہو یا میں تمھاری خدمت گزاری اور مشورہ دینے میں۔ اور چوں کہ مجھے معلوم ہے کہ تم صلاحِ نیک ماننے میں کبھی تامل نہیں کرتے لہٰذا اس وقت میں تمھیں رائے دیتا ہوں کہ اس جگہ دشمن سے مقابلہ کرنے میں ہرگز پہلوتہی نہ کرنا۔ اور اگرچہ خود ہمارے ساتھی اس رائے کے مخالف ہیں مگر غنیمت ہے کہ دشمن ہماری تائید میں ہے اور اس نے ہمیں چاروں طرف سے اس طرح محصور کر لیا ہے کہ کوئی راہِ گریز باقی نہیں اور ہم چاہیں یا نہ چاہیں، ہمیں اس مقام پہ لڑ کر اپنی یونانی شجاعت و حمیّت کا امتحان دینا پڑے گا!"

ثمس طاکلیس نے جواب دیا "ارس تی دیس مجھے یہ شریفانہ مقابلہ دل سے منظور ہے اور میں اس میں تم سے بہ آسانی مغلوب نہ ہوں گا، بلکہ کوشش کروں گا کہ اپنے آیندہ کاموں سے تم پر سبقت لے جاؤں کیوں کہ اس میں شک نہیں کہ یہ مبارک ابتدا کر کے تم مجھ سے کچھ نہ کچھ آگے بڑھ گئے ہو"۔

پھر اس نے بہ تفصیل ارس تی دیس کو بتایا کہ کس طرح اُس نے جُل دے کر ایرانیوں کو لڑائی پہ آمادہ کیا ہے اور التجا کی کہ تم یوری بیاد کو جہاں تک ہو سکے، سمجھاؤ کہ یہاں لڑنا نہایت ضروری ہے کیوں کہ غالباً تمھاری صلاح کا اس پہ زیادہ اثر پڑے گا۔

چناں چہ جب مجلسِ مشاورت میں کلوکری ٹس نے ثمس طاکلیس سے کہا کہ ارس تی دیس کے خاموش رہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی تمھاری رائے کو پسند نہیں کرتا تو ارس تی دیس نے جواب دیا

"اگر طاکلیس کی رائے اچھی نہ ہوتی تو میں کبھی چپ نہ رہتا میرے سکوت کی یہ وجہ نہیں ہی کہ میں رائے دینے والے کا لحاظ کرتا ہوں اور اس کی مخالفت کرنا پسند نہیں کرتا، بلکہ فی الحقیقت اس کا مشورہ عین میری منشا کے مطابق ہی اور اس لیے میں خاموش ہوں۔"

یونانی سردارانِ بحری اسی بحث مباحثے میں مصروف تھے کہ ارس تی دیس غنیم کو سی تالیا پر قابض ہوتا دیکھ کر ادھر روانہ ہوا، (سی تالیا اسی آبنائے میں ایک چھوٹا سا ٹاپو سلامیس کے مقابل واقع تھا) اور چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سب سے بہادر اور پُرجوش ساتھیوں کو لے کر اس ٹاپو پر حملہ آور ہوا۔ اگرچہ لڑائی چند آدمیوں سے تھی لیکن اس میں یونانیوں کو کامل غلبہ ہوا۔ اور چند معزز اسیرانِ جنگ کے سوا تمام ایرانی سپاہی مارے گئے۔ انھی قیدیوں میں بادشاہ کی بہن سندوکس کے تین لڑکے بھی تھے جنھیں اس نے فوراً ثمس طاکلیس کے پاس بھجوا دیا اور وہاں ایک قدیم الہام کی تعمیل میں اُنھیں یوفرنٹیس منجم کے حکم سے باکوس دیوتا کی (جس کا ایک نام اومسٹش یعنی گشندہ بھی ہی) بھینٹ چڑھا دیا گیا۔

ادھر ارس تی دیس نے قبضہ کرنے کے بعد سی تالیا میں ایک جمعیت متعین کر دی کہ لڑائی میں جو اپنا آدمی ادھر آجائے، اسے ہلاکت سے بچائیں اور اگر کوئی دشمن اس ٹاپو کا سہارا لینا چاہے تو قتل کر دیا جائے۔ اور واقعی یہ اس کی تدبیر بہت مفید ثابت ہوئی کیوں کہ جہازوں کا سب سے سخت اور تُل کر مقابلہ اسی ٹاپو کے ارد گرد ہوا تھا اور یہی وجہ تھی کہ بعد میں اس جگہ بھی ایک یادگارِ فتح قائم کی

گئی تھی ۔

لڑائی کے بعد تھمس طاکلیس نے مشورتاً ارس تی دیس سے کہا کہ اگرچہ ہمیں بہت بڑی کامیابی ہوئی ہو تاہم اس سے بھی بڑھ کر کامیابی یہ ہو کہ اسی وقت اپنے بیڑے کو آبنائے دردانیال کی طرف لے چلیں اور اُس پُل کو توڑ کر جس پر سے ایرانی آئے ہیں، ایشیا کو یورپ میں قید کرلیں ؟ یہ تجویز سن کر وہ گھبرا گیا اور کہنے لگا خدا کے واسطے ایسا غضب نہ کرنا کہ اتنی بڑی فوج کو تم بالکل مایوس اور جان پر کھیل جانے پر مجبور کردو اور وہ سارے یونان کو تاراج کرڈالے۔ ہماری تو کوشش یہ ہونی چاہیے کہ جتنی جلد ہوسکے، یہ ملیچھ یہاں سے دفع ہوں اور یونان اُن سے پاک ہوجائے !

تب تھمس طاکلیس نے ایک مرتبہ پھر اپنے ایرانی نژاد خواجہ سرا کو بھیجا اور خفیہ طور پر دارائے ایران کو یہ پیغام دیا کہ "خیر خواہی سے میں تم کو یہ اطلاع دیتا ہوں کہ یونانیوں کا ارادہ بیڑا لے جاکر اُس پُل کو توڑ دینے کا ہی اور تم سے جو کچھ ہوسکے، اپنی حفاظت کا سامان کرلو "۔

زرکسیز یہ سُن کر نہایت خوف زدہ ہوا اور بڑی عجلت کے ساتھ آبنائے کی جانب روانہ ہوگیا ۔ لیکن اس کا سپہ سالار مردونیوس تین لاکھ چیدہ فوج جرار لیے بھی یونان میں موجود تھا اور بڑے دعوے کے ساتھ یونانیوں کو مقابلے کے لیے ٹوک ٹوک کے بلا رہا تھا۔ اور یہ پیغام لکھ لکھ کے بھیجتا تھا کہ تم نے سمندر میں اُن کو مغلوب کیا جو خشکی میں لڑنے کے عادی ہیں اور چپو چلانا نہیں جانتے ۔ لیکن

بہادری کا زعم ہی تو اب پیادہ یا سوار جیسی فوج چاہو، لے کر آؤ کہ سامنے تھسالیا کا علاقہ اور بیوشیہ کے کھلے ہوے میدان موجود ہیں اور مردانہ جنگ آزمائی کا بہترین موقع پیش کرتے ہیں مگر ان پیغاموں کے علاوہ مردنیوس ایتھنزیوں کو توڑ لینے کی سعی میں بھی مصروف تھا اور کیا زبانی اور کیا تحریری، وعدے بھیج کر انھیں اندر ہی اندر اغوا کر رہا تھا کہ اگر وہ لڑائی میں یونانیوں کی شرکت سے ہاتھ اٹھالیں تو نہ صرف اُن کا شہر دوبارہ تعمیر کرادیا جاے گا بلکہ زر کثیر اور سارے یونان کی سرداری انھیں دی جاے گی۔

اسپارٹہ میں بھی یہ خبریں پہنچیں اور وہاں کے لوگوں کو بڑی تشویش ہوئی کہ مبادا اہل ایتھنز اپنی پریشانیوں سے گھبرا کر ایرانیوں سے مل جائیں یا کم ازکم ان کے خلاف جنگ میں شامل نہ ہوں۔ پس انھوں نے ایک سفارت بھیجی اور ایتھنزیوں سے درخواست کی کہ اپنے بال بچوں کو اسپارٹہ بھجوا دیں اور اپنے ضعیف اور زخمی ہم وطنوں کے لیے بھی اہل اسپارٹہ کی امداد قبول کریں۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت شہر اور علاقہ تباہ و تاراج ہوجانے کی وجہ سے اہل ایتھنز سخت مصائب میں مبتلا تھے۔

جب یہ سفارتیں دونوں طرف سے انھیں پہنچیں تو انھوں نے ارس تی دیس کی تحریک سے وہ یادگار جواب دیا جو بڑی سے بڑی ستایش کا مستحق ہی۔ انھوں نے کہا "اگر ہمارا غنیم دولت کو سب سے بڑی شی تصور کرتا ہی اور اس کے خیال میں ہر چیز دولت سے خریدی جاسکتی ہی، تو وہ معذور ہی۔ البتہ ہمارے حلیف

ہم سے چاہتے ہیں کہ یونان کے واسطے لڑیں تو یہ بڑی رنج دہ بات ہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں صرف ہمارے موجودہ افلاس اور مجبوریوں کا خیال آیا اور ہماری شجاعت و ایثار کو انھوں نے قطعاً فراموش کر دیا۔"

اس تقریر اور اس کی عام تائید کے بعد ارس تی دیس نے ایلچیوں کو مجلس میں بلوایا اور انھیں پیغام دیا کہ لکدیمونیوں سے کہ دینا کہ "ساری دُنیا کے ظاہر و مدفون خزانے یونان کی آزادی کے مقابلے میں ہیچ ہیں اور باشندگانِ اینتھنز ان کی کچھ بھی وقعت نہیں سمجھتے!" پھر ان آدمیوں سے جو مردونیوس کے پاس سے آئے تھے، اس نے سورج کو دکھا کر کہا کہ "جب تک یہ اپنی مقررہ منازل کو اسی طرح طے کیے جائے گا، اُس وقت تک اینتھنز کے رہنے والے اپنے ملک اور معابد کا انتقام لینے کے لیے جنھیں ایرانیوں نے تباہ و تاراج اور ناپاک کیا ہے، جنگ کرتے رہیں گے!"

پھر اس نے ایک قانون منظور کرایا کہ جو یونانی۔ ایرانیوں سے جا ملے یا اُن سے خط و کتابت کرے اُسے علمائے دین خارج المذہب اور ملعون قرار دیں۔

اس کے بعد مردونیوس نے دوسرا حملہ کیا اور پھر اہلِ ایتھنز کو شہر چھوڑ کر جزیرہ سلامیس میں پناہ لینی پڑی اور اُنھوں نے ارس تی دیس کو اسپارٹہ بھیجا کہ اس بات کا شکوہ کرے کہ انھی کی تاخیر کے باعث اینتھنز کی حفاظت نہ ہوسکی اور دوبارہ دشمن اس پر قابض ہوگیا۔ اس کے علاوہ اس کی سفارت کا ایک مقصد یہ

بھی تھا کہ انھیں جتنی جلدی ممکن ہو، میدانِ جنگ میں لے آئے تاکہ شمالی یونان کے جو علاقے ابھی تک باقی تھے، کم سے کم وہ، ایرانیوں کی دست برد سے بچ جائیں۔ اسپارٹہ کے حکام نے (جنھیں وہاں کی اصطلاح میں الفور کہتے تھے) جب یہ باتیں سنیں تو دن بھر سیر و نمایش اور اپنا تہوار منانے میں اس طرح مصروف رہے (کیوں کہ یہ ان کے ہاں کن تھین میلے کا زمانہ تھا) گویا ایتھنز کی سفارت کو بالکل قابلِ توجہ نہیں سمجھتے۔ لیکن جب رات ہوئی تو سفرا کی بے اطلاع پانچ ہزار اسپارٹی سپاہی جن میں سے ہر ایک کے ساتھ سات سات غلام تھے، انھوں نے میدان جنگ کی طرف روانہ کر دیے اور صبح کو پھر ارس تی دیس نے ان کی غفلت پر ملامت کی تو کہنے لگے "یا تو تمھارے حواس برجا نہیں اور یا تم سو رہے تھے جو یہ بھی خبر نہیں کہ ہماری فوج "اجانب" کے مقابلے میں کوچ کرتی ہوئی میلوں دور نکل چکی ہی!" واضح رہے کہ ایرانیوں کو اسپارٹہ والے اجانب ہی کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ جواب سن کر اس کو اوّل یقین نہ آیا اور کہنے لگا "یہ تمھاری ہنسی بالکل بے محل ہی اور تم دشمنوں کی بجائے دوستوں کو فریب دینا چاہتے ہو۔" لیکن بعد میں اہلِ اسپارٹہ کے قول کی تصدیق ہو گئی۔

مذکورہ بالا روایت ای ڈو منیس نے کی ہی۔ مگر ارس تی دیس نے جن سفرا کو اسپارٹہ جانے کے لیے انتخاب کرایا تھا، ان میں خود اس کا نام کہیں نہیں نظر آتا بلکہ دوسرے نام تحریر ہیں۔

اس کے بعد وہ ایتھنزی سپاہ کا سپہ سالار منتخب ہوا اور آٹھ

ہزار سپاہیوں کو لے کر مقام پلاتیہ میں اسپارٹہ والوں سے جا ملا جن کا سپہ سالار پوسے نیاس ریاست ہائے یونان کی تمام افواج متحدہ کا اعلا سپہ سالار تھا — اسی جگہ اور یونانی فوجیں بھی آگئیں اور ایرانیوں کے مقابلے میں خیمہ زن ہوئیں۔ کثرتِ تعداد کی وجہ سے ایرانی کوئی احاطہ اپنے گرد نہیں بنا سکتے تھے البتہ ان کا ساز و سامان اور قیمتی چیزیں ایک مربع حصار میں محفوظ تھیں جس کا ہر ضلع لمبائی میں دس فرلانگ تھا۔

اس لڑائی کے متعلق ایلیہ کے منجم تسامنو کی یہ پیشین گوئی تھی کہ اگر یونانیوں نے خود پہل نہ کی اور صرف مدافعت پر قائم رہے تو فتح ان کی ہے۔ لیکن ارس تی دیس نے ڈلیفی سے استخارہ کرایا تو یہ جواب ملا کہ وہ اس صورت میں غالب آ سکتے ہیں جب کہ جوپی ٹر جونو، پان اور سفراغی پریوں سے التجا کریں اور اندرو، لیوگن، پساندر، ڈامو وغیرہ سورماؤں کے نام پر قربانیاں چڑھا کر اپنے ملک اسے لوسینا کی حدود میں جنگ کریں۔

اس جواب سے وہ بہت حیران ہوا کیوں کہ جن سورماؤں کے نام پر قربانی چڑھانے کی ہدایت تھی وہ پلاٹیہ کے سردار گزرے ہیں، اور سفراغی پریوں کی کھو بھی اس علاقے میں سیتھون نام پہاڑ کی چوٹی پر سمجھی جاتی تھی (گرمیوں میں ڈوبتے وقت سورج عین اس کھو کے مقابل ہوتا تھا اور جیسا کہ مشہور ہے، اسی نواح کے رہنے والوں کے سر پر یہ پریاں آیا کرتی تھیں جس سے وہ غیب کی باتیں بتانے لگتے تھے اور ان کا نام "نمفولیپٹی" ہوتا تھا)۔ لیکن ایلوسینا کا علاقہ جہاں

ایتھنزیوں کو فتح کی بشارت دی گئی تھی، بالکل علاحدہ اور اتی کا میں واقع تھا۔ اس حالت میں کہ ڈیلفی کی متضاد ہدایات پر عمل کرنا محال نظر آتا تھا، پلاٹیہ کے سپہ سالار ارم نسٹس نے خواب میں جوپیٹر دیوتا کو دیکھا اور اس کے دریافت کرنے پر عرض کی کہ خداوند ایلوسینا کا علاقہ شہر ایلوسس میں ہے اور اس لیے اپالو دیوتا کی حسب ہدایت ہم وہیں جاکر دشمنوں سے جنگ کریں گے۔ یہ سُن کر دیوتا نے کہا کہ تم بالکل غلطی پر ہو اور ڈھونڈو گے تو وہ جگہ یہیں پلاٹیہ کی حدود میں مل جائے گی۔ خواب میں ایسی صاف صاف ہدایت پاکر ارم نس نے صبح کو اپنے تجربے کار اور سن رسیدہ ہم وطنوں کو بُلایا اور ان سے مشورہ کرنے کے بعد معلوم کرلیا کہ واقعی اسی کوہ سیتھون کے دامن میں ایلوسینا اور پروسی پاین نام کا ایک بہت قدیم مندر موجود ہے۔ پھر اس نے یہ خبر ارس تی دیس کو دی اور وہاں جاکر دیکھا کہ وہ جگہ پیادہ فوج کے لڑنے کے لیے نہایت موزوں ہے اور آس پاس ایسی ڈھلانیں ہیں کہ دشمن کے سواروں کی وہاں تک رسائی ہونی دشوار ہے۔ اس کے علاوہ اندروکریٹیس نام سورما کا مندر بھی یہیں درختوں کے گھنے جھنڈ میں ملا۔ غرض ڈیلفی کے الہامی پیام کی تمام شرائط بہ ہمہ وجوہ پوری ہوگئیں اور صرف یہ بات باقی رہ گئی کہ وہ مقام اہل ایتھنز کی ملکیت نہ تھا۔ اس کی بجا آوری بھی ارم نس نے فتح کی خاطر ادھوری چھوڑنی نہ چاہی اور اپنے ہم وطنوں سے کہہ کر اس علاقے کو بہ خوشی ایتھنزیوں کو دے دیا تاکہ پیشین گوئی کے مطابق وہ اپنی زمین میں دشمنانِ یونان سے جنگ کرسکیں۔ اہل پلاٹیہ کا یہی وہ ایثار اور جوشِ فیاضی ہے کہ جب

سال ہا سال بعد اسکندر فیلقوس نے ایشیا کو فتح کیا اور پلاٹیہ کی شہر پناہ از سر نو بنوائی تو اسی سال اولمپی کھیلوں کے موقعے پر یہ اعلان عام بھی کرایا کہ یہ صلہ ہے اس بے نظیر وطن پرستی اور شجاعت کا جو پلاٹیہ والوں نے ایرانی محاربات کے زمانے میں دکھائی تھی -

اب متحدہ افواج میں ایک تنازعہ یہ پیش آیا کہ دایاں پہلو اسپارٹہ کے لوگوں کو تفویض کیے جانے کی صورت میں بایاں پہلو ایک قدیم رواج کی بنا پر اہلِ تگیا نے لینا چاہا اور اپنے بزرگوں کے بعض کارناموں سے اس دعوے کو حق بہ جانب ثابت کرنے لگے۔ ایتھنزیوں کو یہ بات سخت ناگوار ہوئی اور انھوں نے ان کی مخالفت کی لیکن معاملے کے طول پکڑ جانے سے پہلے ارس تی دیس نے ان کو روک دیا اور یہ تقریر کی کہ اس نازک وقت میں تگیا کے لوگوں سے جگہ کے لیے لڑنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ لیکن اے اسپارٹہ والو! تم سے اور تمام یونانیوں سے ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی خاص مقام پر صف آرا ہونے کی وجہ سے کسی کی بہادری میں کچھ کمی بیشی نہیں آ سکتی۔ باقی ہمیں تم جس جائے پر متعین کر دو گے، ہم وہیں قائم رہیں گے اور کوشش کریں گے کہ اس طرح لڑیں کہ ہماری پچھلی نیک نامیوں پر کوئی حرف نہ آئے حقیقت میں، یہاں ہم دوستوں سے بحث کرنے کے لیے نہیں بلکہ دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے آئے ہیں اور اپنے بزرگوں کی بڑائیاں کرنی نہیں خود اپنے تئیں شجاع ثابت کرنا ہمارا مقصود ہے۔ اور بے شبہ اسی میدانِ جنگ میں کھل جائے گا کہ کون سا شہر اور سردار اور سپاہی یونان کے واسطے کیا کام کر سکتا ہے اور کتنا قابل قدر ہے۔

یہ تقریر سُن کر لڑائی کی مجلس شورا نے ایتھنزیوں کے موافق منشا فیصلہ کیا اور وہ بائیں بازو پر متعین کردیے گئے۔

اس لڑائی سے پہلے تمام یُونان سخت بیم و رجا کی حالت میں تھا اور خاص کر اہل ایتھنز اکثر پریشان اور کسی خوش آیند مستقبل کی طرف سے تقریباً مایوس ہو رہے تھے۔ لہٰذا ان میں سے بعض اشخاص نے غداری پر کمر باندھی اور ارادہ کیا کہ یا تو اپنے ہاں کی جمہوریت کا خاتمہ کردیا جائے اور یا اس سازش میں کام یابی نہ ہو تو ایرانیوں سے مل کر سارے یُونان سے دشمنی کی جائے۔ اس خیال میں اوّل اوّل یا تو وہ لوگ شریک تھے جنھیں لڑائی نے مفلس اور نادار کردیا تھا اور جو اپنی دولت کے ساتھ ہی اپنی عزّت و وقعت کو بھی دیکھتے تھے کہ شہر میں باقی نہیں رہی اور یا بعض مقتدر اشخاص تھے جنھیں اور زیادہ قوت و حکومت حاصل کرلینے کی ہوس تھی مگر بعد میں اور بھی کچھ آدمی ان کے ساتھ ہوگئے اور انھوں نے پلاٹیہ کے ایک مکان میں اپنا جلسہ کیا۔ اس وقت اس خبر کا چرچا ہُوا اور سارے خیمہ گاہ میں ایک اضطراب اور بےچینی پیدا ہوگئی۔ موقع کی نازکی دیکھ کر ارس تی دیس ڈرا کہ اگر سختی سے کوئی تفتیش یا گرفت کی گئی تو ممکن ہو کہ زیادہ لوگوں کی شرکت ثابت ہو اور معاملہ زیادہ سنگین بن جائے۔ اِدھر بالکل چشم پوشی کرنا بھی مناسب نہ تھا اور اسی لیے وہ مجبور تھا کہ یہاں عدل کی بجائے فائدۂ عام کی خاطر کچھ مصلحت برتتے۔ چناں چہ اس نے اہل سازش میں سے صرف آٹھ سے مواخذہ کیا اور اُن میں دو جو سب سے بڑے مجرم تھے اور جن کے خلاف سب سے پہلے کارروائی کی گئی تھی،

خیمہ گاہ سے فرار ہوگئے۔ باقی چھ کو بھی اُس نے تنبیہ کرکے اور یہ کہہ کے چھوڑ دیا کہ سب سے بڑی عدالت میدان جنگ ہی جہاں تم اپنے خلوص اور وطن پرستی کا سچا ثبوت دے کر اپنے جرم کا بہترین کفارہ کرسکتے ہو۔ اس طرح معاف کردینے سے ایک یہ بھی مطلب تھا کہ جو لوگ کچھ مذبذب یا ان کے شریک سازش تھے، وہ زیادہ مخالف نہ رہیں۔ اور اپنے پہلے طریق عمل کی نادم ہوکر اصلاح کرلیں۔

اب مردونیوس نے تمہید جنگ کے طور پر پہلے یونانیوں کی بہادری آزمانی چاہی اور اپنی تمام سوار فوج سے ان پر حملہ کیا جس میں وہ اپنے تئیں بہت قوی سمجھتا تھا۔ لیکن یونانی پڑاؤ کوہ ستھی رن کے دامن میں پتھریلی اور غیر ہموار زمین پر تھا۔ صرف اہل مگارا کی تین ہزار سپاہ میدان میں خیمہ زن تھی اور انھی پر ایرانی رسالے کا دھاوا ہوا۔ اور انھیں کو ان کی چوطرفہ یورش نے زیادہ نقصان پہنچایا۔ تب مگاریوں نے سپہ سالار پوسے نیلیس سے کمک طلب کی اور پیغام بھیجا کہ اکیلے ہم اتنے کثیر التعداد دشمنوں کا مقابلہ زیادہ دیر تک نہیں کرسکتے۔ پوسے نیلیس کو جب یہ اطلاع ملی اور دور سے اُسے نظر آیا کہ تمام مگاری خیمے تیرباراں کی کثرت سے گویا چھپ گئے ہیں۔ اور وہ خود دبتے دبتے ایک مقام میں ہٹ آئے ہیں، تو وہ حیران ہوا کہ ان کی کس طرح مدد کرے کیوں کہ خود اس کے سپاہی بھاری زرہ بکتر میں تھے اور سواروں کے مقابلے میں کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ پس وہ دوسرے سرداروں کی طرف جو اس کے ارد گرد جمع تھے، مڑا اور کہنے لگا کہ تم میں سے کون مگاریوں کو کمک پہنچانے اور بچانے کا

بیڑا اُٹھاتا ہی؟ مقصد اس صلائے عام سے یہ تھا کہ انھیں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا جوش پیدا ہو اور اظہارِ شجاعت اور حصولِ امتیاز میں وہ ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کریں مگر جب اوروں نے اس میں تامّل کیا تو ارس تی دیس نے یہ کام اپنے ذمّے لیا اور اپنے ایک دلیر ترین ماتحت افسر، اولمپی اڈوس، کو تین سو چیدہ جوان دے کے لڑنے بھیجا، نیز کچھ ایتھنزی تیرانداز اس کی اعانت کے لیے روانہ کیے۔ ان احکام کی تعمیل بہت جلد ہوئی اور ایتھنزی سپاہی دوڑتے ہوئے دشمن سے لڑنے چلے۔ ادھر ایرانی رسالے کا سردار ماسیس تیوس کہ اپنے حُسنِ مردانہ، غیر معمولی قدو قامت اور تعجب انگیز دلاوری میں مشہور تھا، انھیں آتے دیکھتے ہی پلٹا اور پوری قوت سے ان پر حملہ آور ہُوا۔ تھوڑی دیر تک اسی جگہ ایک سخت مقابلہ ہُوا اور فریقین ایسے جم کر لڑے کہ گویا اسی مقابلے پر جنگ کی کام یابی ناکام یابی کا فیصلہ ہی۔ مگر بالآخر ماسیس تیوس کو گھوڑے نے زخمی ہوکر ایسا گرایا کہ اپنے بھاری اسلحہ کے باعث وہ گر کر نہ اُٹھ سکا۔ ادھر سے ایتھنزیوں نے وار کرنے شروع کیے اور اُسے سنبھلنے کی مہلت نہ دی۔ بایں ہمہ وہ دیر تک اسے قتل نہ کرسکے کیوں کہ سینہ و سر اور تمام اعضا پر وہ سونے، پیتل اور لوہے کے ایسے زرہ بکتر پہنے ہوئے تھا کہ کوئی حربہ کارگر نہ ہوتا تھا۔ آخرکار اُن میں سے ایک کی تلوار چہرہ پوش کو کاٹتی ہوئی گردن میں اُتر گئی اور اُس کا وہیں کام تمام کر دیا۔ اس کے مرتے ہی باقی ایرانی بھی اس کی لاش میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئے اور یونانیوں کو بڑی کام یابی

حاصل ہوئی - یہ اس لیے بڑی نہیں تھی کہ دشمن کے آدمی زیادہ قتل ہونے (کیوں کہ ان کے مقتولین کی تعداد بہت معمولی تھی) بلکہ اس لیے کہ ملیچھوں کو اس کا نہایت رنج ہوا اور انھوں نے ماسیس تیوس کے سوگ میں اپنے اور اپنے گھوڑوں اور خچروں کے بال مونڈے اور سارے میدان میں ایک کہرام مچا دیا - اور اس میں شک نہیں کہ مردونیوس کے بعد ماسیس تیوس کیا شجاعت اور کیا عہدے کے لحاظ سے ان میں سب سے بڑا اور ممتاز آدمی تھا -

اس آویزش کے بعد ان میں عرصے تک کوئی مقابلہ نہ ہوا - دونوں طرف کے نجومی فتح اس کی بتاتے تھے جو مدافعت پر رہے اور خود حملہ نہ کرے مگر جب بہت دن اس طرح گزر گئے، ایرانیوں کے پاس سامانِ رسد ختم ہونے کو ہوا اور ساتھ ہی مردونیوس کو یہ نظر آیا کہ یونانیوں کی جمعیت روز افزوں ترقّی پر ہے اور مختلف ریاستوں کی فوجیں برابر اُن میں آن آن کر شامل ہو رہی ہیں، تو پھر اس سے صبر نہ ہوا اور اُس نے صبح ہوتے ہی یونانیوں پر دفعتاً حملہ کرنے کی ٹھان لی - یہی احکام راتوں رات سردارانِ لشکر کو پہنچ گئے اور اندر ہی اندر چھاپے کی تیاریاں ہونے لگیں - لیکن آدھی رات کے وقت ایک سوار چھُپ کر یونانی لشکر میں آیا اور طلایے والوں سے درخواست کی کہ ارس تیدیس ایتھنزی کو بلائیں - وہ اسی وقت وہاں آیا تو اجنبی نے کہا "میں اہل مقدونیہ کا بادشاہ سکندر[1] ہوں اور اپنی جان کو بالکل ہتھیلی پہ رکھ کر محض تمھاری

---

[1] واضح رہے کہ یہ فیلقوس کا بیٹا سکندر نہیں ہے بلکہ مقدونی بادشاہوں میں ایک اور اس کا ہم نام پیش رو ہے - (مترجم)

خیر خواہی کے لیے آیا ہوں کہ مبادا تم ایرانیوں کے اچانک حملے کی تاب نہ لاسکو یا سراسیمہ ہو کر نقصان اٹھاؤ، کیوں کہ کل جو حملہ مردونیوس کرنے والا ہی، اس میں خود اُسے فتح کی امید نہیں، نہ اظہارِ شجاعت منظور ہی، بلکہ دراصل اس کے پاس رسد ختم ہو چکی ہی اور ہر چند تمام نجومی اسے لڑائی لڑنے سے منع کرتے ہیں اور شگون اور قربانی کی علامتیں بُری ہیں اور فوج میں سخت ابتری اور مایوسی پھیلی ہوئی ہی، بایں ہمہ ضرورت اسے مجبور کر رہی ہی کہ یا جنگ میں قسمت آزمائی کرے اور یا خالی پڑے پڑے قلتِ رسد کی مصیبت اٹھائے۔" یہ کہہ کر سکندر نے اس سے التجا کی کہ مجھے نہ بھولنا اور میرا لحاظ رکھنا لیکن میرا ذکر کسی شخص سے نہ کرنا۔ ارس تی دیس نے جواب دیا کہ جب وقت تک لڑائی جاری ہی، میں وعدہ کرتا ہوں کہ سوائے پوسے نیاس کے (جس سے بہ حیثیت اعلا سپہ سالار ہونے کے یہ خبر کہنی ضروری ہی) کوئی شخص اس راز سے مطلع نہ ہونے پائے گا۔ البتہ اگر یونانیوں کو فتح ہوئی تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ سکندر کی اس مہربانی اور احسان سے ناواقف رکھے جائیں۔ اس گفتگو کے بعد شاہ مقدونیہ واپس لوٹ گیا اور ارس تی دیس نے پوسے نیاس کے خیمے کی راہ لی۔ جہاں سے یہ اطلاع ملتے ہی تمام سرداروں کو ہدایتیں پہنچ گئیں کہ وہ صفِ جنگ بنا کر تیار ہو جائیں۔

اس موقعے پر بقول ہیروڈوٹس، پوسے نیاس نے ارس تی دیس سے درخواست کی کہ میمنہ وہ لے اور میسرہ لکدی مونیوں کو دے

شریک تھے۔ اس کا منشا یہ تھا کہ خاص ایرانیوں کے مقابلے میں ایتھنزی سپاہ رہے کہ وہ ان سے لڑنے کا تجربہ زیادہ رکھتی ہی اور پچھلی فتوحات کی وجہ سے ان پر حاوی بھی ہی۔ اس تجویز کو دیگر ایتھنزی سرداروں نے بہت ناروا اور متحکمانہ سمجھا کہ پوسے نیاس ہمیں غلاموں کی طرح اِدھر سے اُدھر جس مقام پر چاہتا ہی، اور زیادہ خطرہ دیکھتا ہی، بھیج دیتا ہی حالاں کہ اور تمام فوجیں اپنی جگہ پر قائم ہیں مگر ارس تی دس نے ان کو بتایا کہ یہ تمھاری غلطی ہی اور اگر تھوڑی دیر پہلے تم تگیا والوں سے بایاں بازو لینے کے لیے لڑائی لڑ رہے تھے اور ان پر ترجیح پا کر خوش ہوے تھے تو کیا وجہ کہ اب سب سے مُمتاز جگہ تمھیں دی جاتی ہی اور خود لکدی مونی تمھیں اپنے اوپر فوقیت دے رہے ہیں اور تم اس کے لینے سے انکار کرتے ہو؟ حالاں کہ نہ صرف یہ عزّت پا کے بلکہ زیادہ تر اس خیال سے تمھیں خوش ہونا چاہیے کہ تمھارا مقابلہ اپنے ہم نسل یونانیوں سے نہ ہوگا بلکہ ملچھوں سے جنھیں خود قدرت نے تمھارا دشمن بنایا ہی۔

تب ایتھنزیوں نے خوشی خوشی لکدی مونیوں سے اپنی جگہ بدل لی اور آپس میں ایک دوسرے کو بڑھاوے دینے لگے کہ دیکھنا جو لوگ اب مقابلے میں آ رہے ہیں، یہ نہ تو ہمت میں کچھ زیادہ جری ہیں نہ ان کے ہتیار ہی ان سے اچھے ہیں جو مراتھن میں آکر لڑے تھے۔ بلکہ ان کی وہی تیر کمانیں، ویسی ہی سُنہری رُپہلی وردیاں اور ویسے ہی نازک جسم اور ان کے اندر زنانہ دل ہیں، جیسے کہ پہلے تھے۔ بحالے کہ ہمارے جسم اور ہتیار تو وہی ہیں جو پہلے تھے مگر پچھلی

فتوحات سے ہماری دلیری زیادہ بڑھ گئی ہی اور ہم صرف وطن کی مدافعت ہی کے لیے نہیں لڑ رہے بلکہ سلامیس اور میراتھن کے غنائم کے واسطے بھی سینہ سپر ہیں تاکہ دنیا پر ثابت ہوجائے کہ وہ ظفر مندیاں ملتیادیس کی عمدہ سپہ سالاری یا محض خوبیٔ قسمت کا نتیجہ نہ تھیں بلکہ خاص اہل ایتھنز کی قوت بازو اور جاں بازی سے حاصل ہوئی تھیں۔ اس قسم کی تقریریں کرتے ہوے وہ بہ تعجیل اپنی نئی جگہ پر آن آن کر قائم ہو رہے تھے کہ ایرانی سپہ سالار کو بھی اس کی اطلاع ہوگئی اور اس نے ایرانیوں کو دوسرے بازو پر چلے جانے کا حکم دیا اور اپنے یونانی حلیفوں کو ایتھنزیوں کے مقابلے میں جمایا۔ لیکن فریقِ مقابل بھی اس تبدیلی سے آگاہ ہوگئے اور پوسے نیاس پھر پلٹ کر دائیں بازو پر آگیا اور جب مردونیوس نے سہ بارہ ترکیب بدلی تو اس نے بھی ویسا ہی کیا یہاں تک کہ اسی الٹ پلٹ میں دن تمام ہوگیا اور فریقین بے لڑے اپنے اپنے مقام کو چلے گئے۔

اب یونانیوں نے باہمی مشورے سے اپنے پڑاؤ کو یہاں سے ذرا فاصلے پر ہٹا لے جانے کا ارادہ کیا تاکہ آب رسانی میں آسانی ہو۔ کیوں کہ جس جگہ ان کا قیام تھا اس کے گرد و جوار کے تمام چشمے ایرانی سواروں نے یا تو توڑ دئے تھے یا خراب کر دیے تھے اور انھیں پانی لانے میں بڑی دشواری ہوتی تھی۔ لیکن جب رات ہوئی اور سردارانِ لشکر نے نئے مقام پر سپاہیوں کو لے جانا چاہا تو بڑی دقت پیش آئی۔ اہلِ لشکر پوری طرح ان کے ساتھ جانے پر آمادہ نہ تھے، ان میں بے ترتیبی

کررہے تھے ۔

اس موقع پر اہل اسپارٹہ اپنی منشا کے خلاف سب سے پیچھے رہ گئے جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ امم فرتوس نے جانے سے قطعی انکار کردیا تھا ۔ وہ بڑا من چلا بہادر سردار تھا اور لڑنے کے شوق میں بے تاب ہوا جاتا تھا ۔ اس کے نزدیک ان کی پہلی تاخیر اور پہلوتہی کچھ کم قابل اعتراض نہ تھی کہ اب پڑاؤ کو ہٹانے کی تجویز کی گئی ۔ اس نے اس حرکت کو صریح فراری سے تعبیر کیا اور کہنے لگا کہ کچھ ہی کیوں نہ ہو میں اپنی جگہ سے نہیں ہٹوں گا اور مردونیوس کی پوری فوج کا اپنے اکیلے دستے سے مقابلہ کروں گا ۔ پھر جب پوسے نیاس خود آیا اور اسے سمجھانے لگا کہ یہ تجویز تمام یونانی سرداروں کی متفقہ رائے سے منظور ہوئی ہے تو امم فرتوس نے ایک پتھر اُٹھا کے اُس کے پانوؤں میں پھینک دیا اور کہا کہ لو یہ میری رائے ہے اور یہی علامت ہے کہ میں نے جنگ کرنے کا ارادہ کرلیا ہے اور دوسروں کے بزدلانہ مشورے اور فیصلوں کی میں کوئی پروا نہیں کرتا ۔ پوسے نیاس یہ دیکھ کر حیران ہُوا کہ کیا کرے اور آخر ایتھنزیوں کو جو روانہ ہورہے تھے، ٹھیرنے کے لیے کہہ کر باقی ماندہ یونانیوں کو وہ پلاٹیہ کی طرف لے چلا کہ شاید وہاں جانے میں امم فرتوس زیادہ حجت نہ کرے اور اپنے پڑاؤ سے چلا آئے ۔

اس اثنا میں دن نکل آیا اور مردونیوس (جو ان کے اس طرح لشکرگاہ چھوڑ دینے سے بے خبر نہ تھا) فوج کی صف بندی کرکے اہل اسپارٹہ پر حملہ آور ہُوا ۔ اس کے سپاہی وہی وحشی اقوام کے سے نعرے لگا رہے تھے اور اس طرح غل مچاتے ہُوئے

بڑھے تھے کہ گویا یونانیوں سے جنگ چاہتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اوّل اوّل جنگ کی صورت کچھ اسی قسم کی تھی کیوں کہ پوسے نیاس جو اُنھیں آتے دیکھ کر تھم گیا اور صف بندی کا حکم دے رہا تھا، یا تو امم فرتوس کی عدول حکمی کے غصّے میں اور یا دشمن کے ناگہاں نمودار ہو جانے کی گھبراہٹ میں باقی ماندہ یونانیوں کو جنگ کا اذنِ عام دینا بھول گیا اور اس غفلت کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اکٹھے ہوکر وہ اس کی امداد کو نہ آسکے بلکہ دستہ دستہ لڑائی شروع ہونے کے بعد وہاں پہنچے اور بے ترتیبی کے ساتھ جہاں تہاں دشمن سے اُلجھ گئے۔ ادھر پوسے نیاس نے قربانیاں کرائیں تو شگون اچھا نہ نکلا اور اس نے اہل اسپارٹہ کو حکم دیا کہ اپنی ڈھالیں قدموں میں ڈال ڈال کر خاموش کھڑے ہو جائیں اور جب تک وہ نہ کہے نہ مقابلہ کریں نہ مدافعت۔ پھر اس نے دوبارہ جانور ذبح کرائے اور عین اس وقت ایرانی سواروں نے بھی تہہ کیا جس میں بعض سپاہیوں نے زخم کھائے اور خاص کر کالی کراٹس مجروح ہوکر گرا جو کہا جاتا ہی کہ ساری فوج میں سب سے وجیہ جوان تھا۔ اس کے تیر کاری لگا تھا اور دم توڑتے وقت اس کے منہ سے یہ نکلا کہ "مجھے اپنی موت کا کچھ افسوس نہیں (کیوں کہ میں گھر سے خاص اسی ارادے سے چلا تھا کہ یونان پر سے اپنی جان نثار کروں گا) لیکن اس بات کا قلق ہی کہ بے ہاتھ پاؤں ہلائے مرتا ہوں!" واقعی موقع نہایت نازک تھا اور لوگوں کا ضبط اور برداشت قابلِ حیرت کیوں کہ وہ خاموش کھڑے زخم پہ زخم کھاتے اور مر مر کر گر جاتے تھے مگر ہاتھ تک نہ ہلاتے تھے اور صرف اپنے دیوتاؤں اور سپہ سالار کی ہدایات کے انتظار

میں نہ دشمن کا مقابلہ کرتے تھے نہ اپنا بچاؤ۔ اور بعضوں کا بیان ہی کہ خود پوسے نیاس پر جب کہ وہ مراسم عبودیت میں مصروف تھا، لڈیہ والوں نے یکایک حملہ کر دیا اور اس کی تمام قربانیوں کا ساز و سامان منتشر کر کے لوٹ لیا۔ اور اس وقت اس کے ساتھیوں نے بے ہتیار ہونے کی وجہ سے جریب اور کوڑوں سے دشمنوں کو مارا۔ چناں چہ اسی واقعے کی یادگار میں آج تک اسپاڈٹہ میں اہلِ لڈیہ کا جلوس نکالا جاتا ہے اور اس قربان گاہ کے پاس لڑکوں کو جریبوں سے مارتے ہیں۔

القصہ جب کہ پروہت یکے بعد دیگرے قربانیاں کر رہے تھے، پوسے نیاس ان افسوس ناک حالات اور اپنی بے دست و پائی پہ بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور کوہ ستھرن کے مندر کی طرف ہاتھ اٹھا کر جونو اور پلاٹیہ کے دیوتاؤں سے بہ عاجزی دعا مانگنے لگا کہ اگر یونانیوں کی قسمت میں فتح نہیں لکھی تو کوئی غیر معمولی شجاعت دکھائے بغیر وہ ہلاک نہ ہوں اور کم سے کم اپنے کاموں سے دشمن پر یہ تو ثابت کر سکیں کہ اس کا مقابلہ بہادر سپاہیوں سے ہوا تھا۔ وہ انھی دعاؤں میں مصروف تھا کہ قربانیوں میں مساعد علامات ظاہر ہوئیں اور کاہنوں نے فتح کی پیشین گوئی کی۔ اور اب جوں ہی لڑائی کا حکم ملا، اسپاڈٹہ کے پیادہ سپاہی یکایک ایک غضب ناک شیر نظر آنے لگے جس کے جسم کے بال کھڑے ہو گئے ہوں اور حربہ کرنے کو جھپٹتا ہو۔ اس وقت ملچھوں پر بھی ظاہر ہو گیا کہ وہ جن سے لڑنے آئے ہیں، وہ مرنے سے پہلے میدانِ جنگ سے ہٹنے والے نہیں۔ تب انھوں نے ڈھالیں اپنے سامنے کرلد

اور تیروں کا مینہ برسا دیا۔ لیکن اسپارٹہ والے بہت جلد ایک قطار میں مرتب ہو گئے اور دشمنوں پر اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ ڈھالیں ہاتھوں سے چھڑوا دیں اور برچھوں سے سر و سینہ بیندھ بیندھ کر ہزاروں کو مار ڈالا۔ مگر ایرانیوں نے بھی کچھ بزدلی سے جانیں نہ دیں بلکہ بار بار ان کی برچھیاں پکڑ پکڑ کر توڑ ڈالیں اور تلواروں اور خنجروں کی لڑائی میں جوہرِ سپاہ گری دکھا کر اسپارٹہ والوں سے ڈھالیں چھین چھین لیں اور پہلوانوں کی طرح گتھ گئے۔ اور بڑی دیر تک جم کر مقابلہ کرتے رہے۔

ادھر ایتھنزی جو کچھ فاصلے پر اسپارٹہ والوں کے منتظر کھڑے تھے کہ وہ آئیں تو مل کر پلاٹیہ یا دوسرے مقام کو چلیں، لڑائی کا غُل شور سُن کر متعجب ہوئے مگر تھوڑی ہی دیر میں پوسے نیاس کا ہرکارا پہنچ گیا اور جو کچھ گزرا تھا، اُس سے اطلاع دی۔ تب وہ فوراً مدد کو دوڑ پڑے۔ اور جس وقت میدانِ جنگ سے گزر کر اس موقع پر پہنچے، جہاں سے غل و شور کی آوازیں آ رہی تھیں تو ادھر سے وہ یونانی ان کے مقابل آئے جو ایرانیوں کے شریک ہو کر خود اپنے ہم قوموں سے لڑنے آئے تھے۔ انھیں دیکھ کر ارس تی دِیس صف سے نکلا اور کچھ فاصلے پر بڑھ کر اُنھیں بہ آوازِ بلند مخاطب کیا اور یونان کے محافظ دیوتاؤں کا واسطہ دیا کہ وہ اس جنگ میں حصّہ نہ لیں اور اس کمک کو نہ روکیں جو مادرِ وطن کے جان نثار مدافعین کے لیے چلی ہے۔ لیکن اُن پر اس التجا کا کچھ اثر نہ ہُوا اور انھیں صف جنگ ترتیب دیتے دیکھ کر ارس تیدیس نے بھی مدد پہنچانے

کے بجائے پہلے انھی سے (جو تعداد میں پانچ ہزار تھے) فیصلہ کر لینا مناسب سمجھا، اور لڑائی شروع کی۔ مگر ان کے اکثر دستوں نے جلد ہمت ہار دی اور ساتھ والے ایرانی بھی پسپا ہو کر بھاگ نکلے۔ البتہ اہلِ ایتھنز سے سخت مقابلہ ہوا اور وہ دیر تک سامنے سے نہ ہٹے۔ واضح رہے کہ اس شہر کے بڑے بڑے سردار دولتِ ایران کے بڑے سرگرم طرف دار تھے اور اگرچہ اُن کے ہم وطنوں کا منشا نہ تھا تاہم حکومت خواص کی رعایا ہونے کی وجہ سے وہ (مجبوراً) اپنے حکام کے ساتھ لڑنے چلے آئے تھے۔

لڑائی کی اس تقسیم کے بعد پہلی فتح لکدی مونیوں نے پائی۔ ایک اسپارٹی سپاہی ارم نس ٹس کے پتھر کی ضرب سر پر کھا کر ایرانی سپہ سالار مردونیوس مارا گیا اور اس کی موت کے متعلق جو پیشین گوئی ام فیاروس کے مندر میں کی گئی تھی، وہ پوری ہوئی۔ کیوں کہ کہتے ہیں مردونیوس نے ایک لڈیا کے باشندے کو اس مندر سے تفاول کرنے بھیجا تھا اور ایک اور کادیہ کے آدمی کو ٹروفونیس کے غار کی سمت روانہ کیا تھا۔ مگر اس چلّے کے پجاری نے تو اپنی بولی میں جواب دیا (جسے مردونیوس کا آدمی پوری طرح سمجھ نہ سکا) اور لڈیا والا ام فیاروس کے مندر میں جا کر سو رہا تھا کہ خواب میں دیوتا کا ایک پجاری اُسے نظر آیا جو سامنے کھڑا حکم دے رہا تھا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور جب اُس نے تعمیل کرنے سے انکار کیا تو پجاری نے ایک پتھر اس کے سر پہ مارا جس کی ضرب سے اُسے ایسا معلوم ہوا کہ گویا وہ مارا گیا ہے۔ یہ ہے وہ روایت جو مردونیوس کی موت

کے متعلق مشہور ہی۔ بہر حال اہل اسپارٹہ نے ایرانی فوج کو بھگا دیا اور تعاقب کرتے ہوے اس مقام تک لے آئے جہاں اُنھوں نے لکڑی کی دیواریں بنا رکھی تھیں۔ ادھر تھوڑی ہی دیر میں ایتھنز والوں نے بھی فتح پائی اور آتے ہی ایرانی پڑاؤ پر حملہ کیا اور تعدادِ کثیر کو قتل کرنے کے بعد اسے مسخر کرلیا۔ ایرانی مقتولین کی نسبت مشہور ہی کہ تین لاکھ فوج میں سے صرف چالیس ہزار آدمی اپنے سردار ارتابازو کے ساتھ زندہ پھرے۔ حالاں کہ یونانیوں کے مقتولین کی کُل تعداد صرف تیرہ سو ساٹھ تھی۔ اس میں باون آدمی ایتھنزیوں کے مارے گئے جو سب کے سب قبیلۂ ایانیٹس سے تعلق رکھتے تھے۔ گلیڈمس کا قول ہی کہ لڑائی میں سب سے زیادہ بہادری اسی قبیلے نے دکھائی تھی اور اسی بنا پر ایک الہامی پیغام میں اس (قبیلے) کو حکم دیا گیا تھا کہ فتح کی یادگار میں سفراغی پریوں کے نام پر سرکاری خرچ سے بھینٹ چڑھایا کریں۔ اسپارٹہ کے اکانوے اور تگیا کے سولہ سپاہی کام آئے تھے۔ بایں ہمہ ہیروڈوٹس کہتا ہی کہ سارا لڑائی کا بار مذکورہ بالا تین ریاستوں نے اٹھایا تھا اور صرف انھی نے بلا شرکت غیرے فتح حاصل کی تھی۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کہنے کی کیا دلیل اس کے پاس ہی۔ کیوں کہ خود مقتولین کی تعداد گواہ ہی کہ لڑائی اور فتح میں تمام ریاستوں کا حصہ تھا ورنہ فقط ان تین مقامات کے باشندے جنگ کرتے اور باقی ماندہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش کھڑے رہتے تو قربان گاہ پر یہ کتبہ کندہ نہ ہوتا کہ؛

"قوت و ہمت سے یونانی قوم نے

مار کر ایرانیوں کو رن سے پسپا کر دیا
اور وطن کو دشمنوں سے رستگاری مل گئی
سرپرست حریت برجیس[1] کے تب نام پر
سب کی جانب سے یہاں قربان گاہ تعمیر کی"

ایتھنزیوں کا بیان ہی کہ یہ لڑائی ماہ بود رومیاں کی چوتھی تاریخ لڑی گئی۔ لیکن اہلِ بیوشیہ ماہ پالی مس کی ستائیسویں اس کا دن بتاتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ ہمارے زمانے تک اسی تاریخ یونانیوں کا پلاٹیہ میں اجتماع ہوتا ہی اور آزادی کے حامی برجیس (جوپٹر) دیوتا کے نام پر قربانیاں کی جاتی ہیں۔ یہ امر کہ دنوں کا اختلاف کیوں ہوا؟ زیادہ قابلِ تعجب نہیں۔ کیوں کہ آج کل جب کہ علمِ ہیئت نے اس قدر ترقی کرلی ہی اور ہمارا علم نسبتاً کہیں زیادہ صحیح ہی، بعض مقامات پر مہینہ کسی وقت سے شروع کرتے ہیں اور بعض پر کسی اور وقت سے۔

اس کے بعد ایتھنز والوں نے فتح کی عزت اسپارٹہ کو دینی گوارا نہ کی اور ان کے نام کی یادگار قائم کرنے پر کسی طرح راضی نہ ہوے، یہاں تک کہ ان میں سخت مخالفت پیدا ہوگئی اور اگر ارس تی دیس سمجھا بجھا کر اُن کا غصہ نہ ٹھنڈا کرتا تو عجب نہ تھا کہ یونانی فوجیں آپس میں کٹ مرتیں۔ لیکن غنیمت ہوا کہ اس کی فہمایش اثر کر گئی اور اُس نے ایتھنزی سرداروں (خاص کر می رونی دوس اور لیوکرے ٹس) کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ اس معاملے میں یونانیوں

---

[1] برجیس یعنی جوپیٹر دیوتا۔ (مترجم)

کے منفقہ فیصلے کو قولِ ناطق مانا جائے۔ چناں چہ ان کی ایک عام مجلس منعقد ہوئی اور تھیوگی ٹن مگاری نے رائے دی کہ اگر خانہ جنگی روکنی منظور ہو تو فتح کی عزت کسی تیسری ریاست کو دے دی جائے اس کے بعد کلیوکریٹس کورنتھی کھڑا ہوا اور لوگوں کو یقین ہوگیا کہ وہ اپنے وطن کے لیے اعزاز فتح دیے جانے کی تحریک کرے گا (کیوں کہ اسپارٹہ اور ایتھنز کے بعد سب سے بڑی وقعت کورنتھ کی تھی) لیکن یہ دیکھ کر سب نے تعریف کی کہ اُس نے پلاٹیہ کا نام پیش کیا اور انھیں مشورہ دیا کہ فتح کا اعزاز اور انعام اس ریاست کو ملنا چاہیے جو کسی فریق کو بھی ناگوار نہیں گزر سکتا۔ کریٹس کی تقریر کے بعد پہلے ارس تی دیس نے اپنے ہم وطنوں کی طرف سے اس کی تائید کی اور پھر پوسے نیاس نے اسپارٹہ کی جانب سے اس فیصلے پر اظہار رضامندی کیا۔ اس طرح ان میں مصالحت ہوگئی اور اسی ٹیلنٹ پلاٹیہ کو دیے جانے قرار پائے جس سے انھوں نے ایک مندر بنایا اور مندر کی مورت کو منروا کے نام سے موسوم کیا، اور اسے بہت سی عُمدہ عُمدہ تصاویر سے آراستہ و پیراستہ کیا، جن کی چمک دمک آج تک قائم ہے۔ ایتھنز اور اسپارٹہ والوں نے اپنی اپنی یادگار فتح جداگانہ بھی قائم کی اور قربانیوں کے بارے میں اپالو دیوتا سے استشارہ کیا تو وہاں سے جواب ملا کہ وہ سرپرست حریت برجیس کے نام پر ایک قربان گاہ بنائیں، لیکن قربانیاں اُس وقت تک نہ کی جائیں جب تک کہ وہ تمام علاقے کے آتش خانے نہ بجھائیں جو گویا ملیچھوں کی وجہ سے ناپاک ہوگئے تھے۔

نیز دیوتا کا حکم تھا کہ مذکورہ بالا قربان گاہ پر خاص

ڈیلفی سے لے جاکر آگ روشن کی جائے۔ ان ہدایات کے بموجب یونان کے حکّام نے جابجا خود جاکر ہر جگہ کی آگ اپنے سامنے بجھوا دی اور پلاٹیہ کے ایک باشندے یوکی داس نے جلد سے جلد ڈیلفی سے آگ لانے کی حامی بھری۔ چناں چہ اُس نے وہاں جاکر پہلے اپنے جسم کو (متبرک پانی) چھڑک کر پاک کیا پھر سر پر سہرا باندھا اور خاص اپالو کی قربان گاہ سے آگ لے کر پلاٹیہ کی سمت دوڑ پڑا اور ایک دن میں ہزار فرلانگ کی مسافت طے کر کے سورج غروب ہونے سے پہلے منزلِ مقصود پر پہنچ کر اپنے ہم وطنوں کو آ سلام کیا! اور اس نے آگ انھیں سونپتے ہی گر کر تھوڑی دیر میں دم دے دیا۔ تب اہلِ پلاٹیہ نے اس کی نعش ڈی آنا یوکلیا کے مندر میں دفن کردی اور یہ کتبہ وہاں کندہ کرایا:

"یوکی داس ڈیلفی تک دوڑا اور اُسی دن وہاں سے
واپس آگیا تھا!"

اس یوکلیا دیوی کی نسبت اکثر لوگوں کا خیال ہو کہ وہ ڈی آنا ہی کا دوسرا نام ہو لیکن بعض کہتے ہیں کہ وہ ہرقل اور مرٹو کی بیٹی تھی اور کنواری مری جس کے بعد بیوشیہ اور لکریہ کے باشندے اسے دیوی بنا کے پوجنے لگے۔ اس کی مورتی اور قربان گاہ بازاروں میں استادہ کر دیتے ہیں اور جب کسی کی شادی قرار پاتی ہو تو نکاح سے پہلے دولھا دلھن دونوں اس (مورتی) کے سامنے قربانیاں کرتے ہیں۔

اس کے بعد ایک اور جلسۂ عام میں ارستی دیس نے یہ تحریک

کی کہ ہر پانچویں سال تمام یونانی ریاستوں کے وکیل اور مذہبی نمایندے پلاٹیہ میں جمع ہوکر آل یوتھیریا (یعنی آزادی کے کھیلوں) کا تہوار منایا کریں، اور سارے یونان سے دس ہزار نیزہ بردار، ایک ہزار سوار اور سو جنگی جہازوں کی فوج ایرانیوں سے لڑنے کے لیے تیار رکھی جائے ۔ اس میں صرف پلاٹیہ مستثنیٰ ہو اور سپاہی دینے کی بجائے اس کے سپرد یہ خدمت کردی جائے کہ یونان کی بہبود اور سلامتی کی قربانیاں دیوتاؤں پر چڑھایا کرے ۔ سب نے اس تحریک کو منظور کیا اور اس قرار داد کے مطابق جو لوگ لڑائی میں کام آئے اور وہاں مدفون تھے، ان کی سالانہ نذر نیاز اہلِ پلاٹیہ نے اپنے ذمے لی اور اس وقت تک حسب ذیل طریقے سے مراسم مذکور ادا کرتے ہیں:۔

می مک ٹیریاں مہینے کی سولھویں تاریخ کو علی الصباح ایک جلوس نکلتا ہی جس کے آگے آگے نقارچی طبلِ جنگ بجاتا چلتا ہی۔ پھر کچھ رتھ آتے ہیں جن میں خوشبو اور پھولوں کے ہار رکھے ہوتے ہیں پھر ایک کالا سانڈ اور پھر آزاد شہریوں کے نوجوان لڑکے آتے ہیں اور بڑے بڑے دو دستی برتنوں میں، ناوید کی رسم ادا کرنے کی غرض سے دودھ اور شراب بھری ہوتی ہی اور چند ظروف میں تیل اور قیمتی عطر بھی ہوتے ہیں۔ مگر سوائے احرار کے غلام یا غلام زادوں کو ان چیزوں کو ہاتھ لگانے کی سخت ممانعت ہی۔ کیوں کہ مقتولینِ جنگ نے خاص آزادی کی حمایت میں جان دی تھی ۔ ان سب کے بعد پلاٹیہ کا حاکم اعلا عنابی چغہ پہنے نکلتا ہی (حالاں کہ اور وقت وہ سفید لباس کے سوائے کوئی رنگین

پھر ایوان شہر سے ایک پانی کی ٹھلیا لے کر وہ ننگی تلوار ہاتھ میں لیے شہر کے وسط سے گزرتا ہوا شہدا کے قبرستان میں آتا ہے اور خود ایک چشمے سے پانی کھینچ کر قبروں کو دھوتا اور پھر تیل لگاتا ہے اس کے بعد لکڑیوں کے ایک انبار پر سانڈ کو ذبح کرتا ہے۔ اور برجیس اور عطارد سے دعائیں مانگ کے، اُن بہادروں کو، جو یونان کی آزادی کے لیے ہلاک ہوئے، اس خون کی دعوت دیتا ہے اور آخر میں ایک بڑے سبو سے شراب اُنڈیل کر یہ الفاظ کہتا ہے کہ "میں یہ جام ان کی یاد میں پیتا ہوں جنھوں نے یونان کی آزادی کے لیے جانیں دیں!"

اہلِ ایتھنز جب لڑائی سے لوٹ کر آئے تو ارس تی دیس نے دیکھا کہ عوام الناس معاملاتِ سلطنت میں اور زیادہ حقوق حاصل کرنے کے خواہاں ہیں اور بے شبہ اپنی جاں بازی اور ایثار سے اُنھوں نے اپنے تئیں زیادہ عزت و لحاظ کا مستحق ثابت کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں اُنھیں اب جبراً دبانا بھی آسان نہ تھا کہ وہ سب مسلح، طاقت ور اور فتوحات کے جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ نظر بریں اس نے معاملاتِ سلطنت میں سب کو شریک بنانے کی سعی کی اور یہ قانون جاری کرا دیا کہ آیندہ سے ہر ایتھنز کا باشندہ، بلا تخصیص امارت آرکن منتخب کیا جاسکتا ہے۔

اسی زمانے میں تمس طاکلیس نے مجلس عام میں بیان کیا کہ وطن کے فائدے کے لیے ایک عمدہ تجویز میرے ذہن میں ہے مگر اس کا علانیہ ظاہر کرنا خلافِ مصلحت سمجھتا ہوں۔ لوگوں نے ارس تی دیس کو نامزد کیا کہ صرف وہ طاکلیس کی تجویز سُنے اور اپنی رائے

سے آگاہ کرے۔ اور جب اُسے معلوم ہُوا کہ تمس طاکلیس یونانیوں کے بیڑے کو آگ لگا دینے کا خواہاں ہی کہ پھر ملک میں کوئی ریاست ایتھنز کی ہمِ مقابل نہ رہے، تو اُس نے مجلس میں آکر اعلان کیا کہ تمس طاکلیس کی تجویز کے برابر کوئی بات فائدہ مند نہیں ہوسکتی لیکن اس کے برابر کوئی ناانصافی بھی نہیں ہوسکتی! یہ سُن کر شہریوں نے حکم دیا کہ طاکلیس اپنے ارادے سے باز آئے۔ اور اس سے نہ صرف وہ اعتماد اور بھروسا ظاہر ہوتا ہی جو انھیں ارس تی دِیس کی ذات پر تھا، بلکہ یہ امر بھی ثابت ہی کہ اہلِ ایتھنز انصاف کو کس قدر محبوب اور مقدم سمجھتے تھے۔

پھر ارس تی دیس، کی مون کی شرکت میں سردار بنا کے جنگ پر بھیجا گیا اور وہاں اس مرتبہ قابل توجہ بات جو نظر پڑی، یہ تھی کہ پوسے نیاس اور اسپارٹہ کے دوسرے فوجی سردار اپنے تبختر اور سخت گیری کی وجہ سے تمام متحدہ افواج میں غیر ہردل عزیز ہوتے جاتے تھے۔ اس کے برعکس ارس تی دِیس کا برتاؤ ویسا ہی معقول اور ملاطفت آمیز تھا اور اسی کی تقلید میں کی مون نے جس خوش خلقی اور بے غرضی کا آئندہ مُہمات میں برتاؤ کیا، اس نے ایتھنزیوں کو اور بھی محبوب بنا دیا اور اس طرح گویا بغیر کسی لشکر کشی یا جنگ آزمائی کے، ارس تی دیس نے محض دانائی اور انصاف پسندی کی بہ دولت یونان کی سرداری لکدی مونیوں سے چھین لی۔ اس کی انسانیت اور عدل کے مقابلے میں پوسے نیاس کی زیادتیاں اور خود غرضی اور زیادہ ناگوار معلوم ہونے لگیں۔ پوسے نیاس کی یہ حالت تھی کہ ہر موقع

پر دوسری ریاستوں کے سپہ سالاروں سے درشتی اور تکبر سے پیش آتا اور ان کے سپاہیوں کو معمولی خطاؤں پر کوڑوں سے پٹواتا یا دن دن بھر آہنی لنگر کے نیچے کھڑا رکھتا تھا۔ کسی کو گھوڑوں کے یا بستر کے لیے گھاس پھوس فراہم کرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ اسپارٹہ کے گھوڑوں کے پانی پینے سے پہلے وہ چشموں کے پاس جا سکتے تھے۔ اور اگر جاتے تو نوکر چابکوں سے انھیں مار مار کر وہاں سے ہٹا دیتے تھے۔ ارس تی دیس نے ایک مرتبہ بدسلوکی کی شکایت بھی کرنی چاہی تھی مگر پوسے نیاس نے نگاہِ خشم آلود کے ساتھ اُسے روک دیا کہ "ہمیں اس وقت سُننے کی فرصت نہیں ہے"۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ یونان کے اکثر بحری سرداروں نے (خاص کر ساموس، خیوس اور لس بوس والوں نے) ہم آہنگ ہوکر ارس تی دیس سے درخواست کی کہ اتحادی افواج کو جو اسپارٹہ کی غلامی چھوڑ کر ایتھنزیوں کے حلقۂ متابعت میں آنا چاہتی ہیں، اپنی قیادت میں لے لے۔ اس نے جواب دیا کہ "جس وجہ سے وہ مجبور ہوکر یہ درخواست کرتے ہیں، اس کے معقول اور واجبی ہونے میں شبہ نہیں، لیکن میں ایسی ذمّے داری اس وقت تک نہیں لے سکتا جب تک کہ وہ عملی طور پر اپنی خواہش کا اظہار ایسے طریقے سے نہ کردیں جس کے بعد ان کے اور ساتھیوں کو بھی انحراف کی گنجایش نہ رہے اور ان کی سچائی کا امتحان ہوجائے"۔ یہ سُن کر اُلیاڈیز ساموسی اور انتاگورس خیوسی نے باہم سازش کی اور شہر بائی زنطہ کے قریب پوسے نیاس کے بڑھے ہوئے جہاز کے دونوں طرف اپنے جہاز لاکر اُسے دھکیلتے ہوئے لے چلے۔ اور جب پوسے نیاس نے اُٹھ کر

دھمکی دی کہ اُنھیں بہت جلد معلوم ہوجائے گا کہ وہ اس کے جہاز کو خطرے میں نہیں ڈال رہے بلکہ خود اپنی ریاستوں کو مصیبت میں پھنسا رہے ہیں، تو اُنھوں نے اُسے دھتکار دیا اور کہنے لگے کہ "جاؤ تقدیر کا شکر ادا کرو جس کی بدولت پلاٹیہ میں فتح حاصل ہوگئی تھی جو یونانیوں نے اب تک تمھاری گوشمالی نہ کی اور اس کارگزاری کے خیال سے تمھیں بے سزا چھوڑ دیا۔"

پھر یہ سب کے سب مل کر اتھنزیوں کے پاس چلے آئے اور آخر کار اسپارٹہ کی سرداری کا خاتمہ ہوگیا۔ لیکن اس موقع پر اُنھوں نے (یعنی اہل اسپارٹہ نے) جو شرافت دکھائی، وہ کچھ کم قابل تعجب نہ تھی۔ کیوں کہ جب انھوں نے اپنے سرداروں کی زیادتی کا حال سنا اور معلوم ہُوا کہ وہ حکومت پاکر فرعون ہوگئے ہیں، تو اُنھوں نے بہ طیبِ خاطر اپنے دعاوی سے ہاتھ اٹھا لیا اور ایسے سرداروں کو آیندہ میدانِ جنگ میں بھیجنا موقوف کردیا اور سارے یونان کی حکومت حاصل کرنے کی بجائے ترجیح دی کہ اُن کے آدمی اپنے ہی شہر میں پابند قانون اور اعتدال پسند رعایا بن کر رہیں اور اپنے مراسم قدیم کی حدوں سے قدم آگے نہ بڑھائیں۔

اسپارٹہ کی ماتحتی کے زمانے سے ہی یونانی ریاستیں مصارفِ جنگ کے لیے ایک رقم بہ طور چندہ ادا کیا کرتی تھیں۔ اب انھوں نے ارس تی دیس سے خواہش کی کہ ہر ریاست کے رقبے اور مداخل کی باضابطہ تشخیص کرے اور حسبِ حیثیت ان پر چندہ لگائے۔ یہ اتنا بڑا اختیار تھا کہ گویا سارے یونان کی حکومت اسے مل گئی تھی مگر بایں ہمہ

جب یہ انتظام کرنے وہ روانہ ہوا تو ایک مفلس شخص تھا اور انتظام کرنے کے بعد پلٹا تو اور زیادہ مفلس ہو گیا تھا۔ اور یہی نہیں کہ ان رقوم کے تعین میں اس نے کمال تدین اور انصاف سے کام لیا بلکہ فی الحقیقت جو کچھ اس نے کیا، ایسی خوبی سے کیا کہ سب خوش اور مطمئن ہو گئے اور کسی کو شکایت کی گنجایش باقی نہ رہی۔ چناں چہ جس طرح قدما زحل کے دور کو بہترین زمانہ مانتے اور مناتے تھے، اسی طرح ایتھنز کے اتحادیوں نے ارس تی دیس کے اس عہد انتظام کو یونان کے دورِ مسرت کے نام سے موسوم کیا۔ زیادہ تر اس وجہ سے کہ جو رقم اس نے مقرر کی تھی، وہ (ان کی روز افزوں ثروت کے باعث) بہت جلد دگنی اور پھر تگنی ہو گئی۔ ارس تی دیس کی اس مالی انتظام سے اتنی تعریف اور شہرت ہوئی کہ اس کے حریف تمس طاکلیس کو تمسخر کے سوائے کوئی طریقہ نکتہ چینی کا نہ سوجھا اور ان چبھتے ہوئے الفاظ کے جواب میں جو ارس تی دیس نے اس کی نسبت ایک مرتبہ کہے تھے، وہ کہنے لگا کہ جس رُپے کے جمع کرنے اور امانت سے رکھنے کو تم اپنا بڑا کمال جانتے ہو، وہ خدمت رُپے کی ایک تھیلی بھی بہت اچھی طرح انجام دے سکتی ہے! تمس طاکلیس پر جس تعریض کا ذکر آیا، اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ تمس طاکلیس کی زبان سے گفتگو میں یہ نکلا کہ فوج کے سپہ سالار کی سب سے بڑی صفت اور قابلیت یہ ہے کہ وہ دشمن کی چالوں کو خوب سمجھتا اور پہلے سے تاڑ لیتا ہے۔ ارس تی دیس نے کہا کہ طاکلیس یہ بات تو سپہ سالار میں ہونی لابد ہے۔ لیکن خوبی یہ ہے کہ کسی حال میں اس کی نیت خراب نہ ہو اور رُپیہ لینے سے ہاتھ روکے رکھے"۔

ریاست ہائے یونان کا اتحاد قائم رکھنے کے لیے یہ مالی انتظام کرنے کے علاوہ اس نے سب سے حلف لیے اور اہل ایتھنز کی طرف سے آگ میں تپتی ہوئی لوہے کی سلاخیں سمندر میں ڈال کر خود بھی حلف اٹھایا اور ان سب کو جو ایسی سخت قسم کے بعد معاہدہ توڑیں، بددعا دی۔ لیکن بعد میں جب حالات کے لحاظ سے اہل ایتھنز کو زیادہ سختی سے حکومت کرنے کی ضرورت پیش آئی تو معلوم ہوتا ہو ارس تی دیس نے عہد شکنی کا وبال اپنی گردن پر لینا قبول کیا اور اپنے ہم وطنوں کو اجازت دے دی کہ جو اقتضائے مصلحت ہو، اس کے مطابق کام کریں۔ یہ درحقیقت ایک قسم کی ناانصافی تھی مگر جیسا کہ تھیوفراسطس نے تحریر کیا ہو ارس تی دیس ذاتی اور وطنی معاملات میں نہایت منصف تھا لیکن سلطنت کے بیرونی تعلقات میں وہ مُلکی مصالح کو مقدّم رکھتا تھا اور ایسے کام کر گزرتا تھا جو بعض اوقات سراسر انصاف سے بعید ہوتے۔ چناں چہ جب اہل ساموس نے تحریک کی کہ متحدہ ریاستوں کے مشترکہ خزانے کو جزیرۂ دلوس سے ایتھنز میں منتقل کر دیا جائے تو بیان کرتے ہیں کہ ارس تی دیس نے اپنے حلفی معاہدے کے خلاف کہا کہ یہ بات منصفانہ نہیں ہو مگر قرینِ مصلحت ضرور ہو۔

اس طرح آخر کار اُس نے اپنے وطن کی حکومت متعدد امصار و بلاد پر پھیلا دی مگر یاد رہے وہ خود ویسا ہی مفلس رہا، اور اس افلاس پر اپنی دوسری فتوحات کی طرح ہمیشہ ناز کرتا تھا جس کا ذیل کی روایت سے بخوبی ثبوت ملتا ہو:-

کے لیس مشعل بردار ارس تی دیس کا رشتے دار تھا۔ اس کے

خلاف دشمنوں نے ایک مرتبہ کوئی سنگین مقدمہ اٹھایا اور عدالت پر اثر ڈالنے کے لیے، ایک تقریر اصل الزام کے علاوہ بھی کی اور ارکان عدالت سے کہنے لگے "آپ سب صاحب لس ماجس کے بیٹے ارس تی دیس سے واقف ہیں جو تمام یونان کا ممدوح و محبوب ہے۔ اب آپ اُسے باہر ایسے عریانے اور جھرجھرے کوٹ میں دیکھتے ہیں تو بھلا آپ کے نزدیک اس کی اور اس کے اہل و عیال کی گھر کے اندر کیا حالت ہوگی؟ کیا ظن غالب نہیں ہے کہ وہ جو گھر کے باہر اس طرح سردی کھانے پر مجبور نظر آتا ہے، گھر میں دیگر ضروریاتِ زندگی اور قوتِ لایموت تک کا محتاج ہو؟ اب یہ شخص (کے لیس) جو ایتھنز میں سب سے مال دار اور ارس تی دیس کا چچا زاد بھائی ہے، باوجودے کہ سو طرح کے فائدے اس کے ملکی اقتدار سے اٹھاتا ہے لیکن کیا ممکن جو اس کی کوئی مدد کرے اور اس شکستہ حالی میں، اس کے بال بچوں کے کبھی کام آئے ... " اس تقریر کا بڑا اثر ہوا اور جب کے لیس نے دیکھا کہ یہ الزام سن کر عدالت سخت بیزار ہوگئی ہے اور خلاف کارروائی کرنے پر تلی ہوئی ہے تو اس نے ارس تی دیس کو عدالت میں طلب کرایا کہ خود وہ تصدیق کرے کہ کس طرح کے لس نے بارہا اس کی امداد کرنی چاہی اور مختلف ہدیے قبول کر لینے کی التجا کی مگر اس نے ہمیشہ انکار کیا اور یہی جواب دیا کہ کے لیس تمھیں اپنی دولت پر نازاں ہونا اس قدر زیبا نہ ہوگا جتنا کہ مجھے اپنے افلاس پر۔ کیوں کہ ایسے دولت مند بہت مل جائیں گے جو کم و بیش اپنے روپے کا اچھا استعمال کرتے ہیں، لیکن ایسے مفلس شاید کم ہیں جو اپنی تہی دستی کو شریفانہ استقلال کے ساتھ برداشت کرتے ہوں۔ باقی

مفلسی کی اگر شرم ہو تو انھیں ہو جنھیں وہ بار معلوم ہوتی ہو!" جب کےلیس نے یہ باتیں دہرائیں اور ارس تی دیس نے اس کی شہادت دی تو سامعین میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو عدالت سے اٹھتے وقت کےلیس جیسا دولت مند ہونے کی بجائے ارس تی دیس جیسا مفلس نہ بننا چاہتا ہو!

یہ ہے وہ روایت جو حکیم سقراط کے شاگرد اس کائی نوس نے لکھی ہے۔ اور افلاطون کا قول ہے کہ ایتھنز کے تمام مشاہیر میں اگر فی الحقیقت کوئی شخص کام یاب مدبر ہے تو وہ ارس تی دیس ہے۔ کیوں کہ تمس طاکلیس، کی مون اور پری کلیس نے شہر کو عمارات و خزائن اور دیگر طفلانہ سامانِ عیش و آرائش سے معمور کیا تھا۔ لیکن وہ جس نے صرف عدل کو اپنا مسلک بنایا، ارس تی دیس تھا۔ اس کی شرافت و انسانیت کا حال اس طرزِ عمل سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے جو تمس طاکلیس کے معاملے میں اس نے اختیار کیا تھا۔ طاکلیس اس کے تمام کاموں میں دراندازی کرتا رہا اور آخر میں اس کی جلاوطنی کا بھی وہی باعث ہوا۔ مگر جس وقت اس سے بدلا نکالنے کا موقع آیا اور اہلِ شہر نے اس کے خلاف مقدمہ دائر کیا تو مقتدر اشخاص میں صرف ارس تی دیس ایسا شخص تھا جس نے قولاً و فعلاً اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کی اور دکھا دیا کہ وہ اپنے حریف سے جس طرح اس کی ثروت و اقتدار کے زمانے میں حسد نہ کرتا تھا اسی طرح اب اس کی مصیبتوں پر بھی خوشی کرنا نہیں چاہتا۔

بعض کا قول ہے کہ ارس تی دیس نے کسی سرکاری کام کے لیے

پونٹس (بحیرۂ اسود) کا سفر کیا تھا اور وہیں وفات پائی۔ ایک دوسرے بیان کے بموجب وہ ایتھنز ہی میں عمر طبعی کو پہنچ کر مرا اور آخر وقت تک اپنے ہم وطنوں میں محبوب و محترم رہا۔

کراتی روس مقدونوی نے اس کی موت کا حال اس طرح لکھا ہی کہ طاکلیس کی جلاوطنی کے بعد عوام الناس کا بڑا زور بڑھ گیا تھا، روز افزوں دولت و حکومت نے ان کے دماغ آسمان پر پہنچا دیے تھے اور ایک جماعت ان میں ایسے حاسدوں کی پیدا ہوگئی تھی جو ہر نیک نام اور ذی اقتدار شخص کے خلاف بہتان باندھتے اور شیخی باز عوام الناس کے ہاتھوں اسے ذلیل کرا دیتے تھے۔ اسی ضمن میں ڈیوفانٹس نام باشندۂ امفی ٹروپ نے اس پر بھی رشوت ستانی کا مقدمہ چلایا کہ اپنی محصلی کے زمانے میں اس نے آئیونیہ والوں سے کچھ ناجائز رقم لی ہی۔ اسی جرم میں اس پر پچاس مینے جرمانہ کیا گیا جسے ادا نہ کرسکنے کی وجہ سے وہ ناچار آئیونیہ چلا آیا اور وہیں وفات پائی۔ لیکن اس بیان پر کراتی روس نے کوئی تحریری ثبوت پیش نہیں کیا نہ لوگوں کا فیصلہ یا جرم کی روئداد اور سزا کا کوئی حوالہ دیا، حالاں کہ وہ عام طور پر ایسی شہادتیں اور حوالے لکھ دیا کرتا ہی۔ علاوہ ازیں تقریباً ہر شخص جس نے عوام الناس کی نالائقی اور اپنے عمائد سے بدسلوکی کا تذکرہ کیا ہی، مشہور مشہور واقعات کو جمع کرکے ہمیں سُنا دیتا ہی کہ کس طرح طاکلیس کو جلاوطن کیا گیا، مل تیادلیس کے مچلکے لیے گئے، پیری کلیس پر جرمانہ ہُوا اور پاکیس نے سزا برداشت کرنے کی بجائے موت کو ترجیح دی اور خلاف فیصلہ سُن کر عدالت کے کٹہرے

میں اپنے تئیں ہلاک کر دیا اور اسی قسم کی باتیں۔ لیکن گو اس ذیل میں ارس تی دیس کی پہلی جلاوطنی کا تمام مصنف حال لکھتے ہیں تاہم کراتی روس نے جو سزائے جرم کی روایت کی ہے، اس کی کہیں تصدیق نظر نہیں آتی۔

لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ فلیرم میں ارس تی دیس کا مقبرہ ابھی تک موجود ہے اور بیان کرتے ہیں کہ اسے شہر والوں نے اپنے خرچ سے بنایا تھا کیوں کہ وہ جب مرا تو اس کے پاس اس قدر اثاثہ بھی نہ نکلا کہ اس کی تجہیز و تکفین کو کفایت کرتا۔ نیز تحریر ہے کہ اس کی دونوں بیٹیاں پریٹانیم (یعنی بلیے) کے رُپے سے بیاہی گئی تھیں اور شہر والوں نے انھیں تین تین ہزار درہم مصارفِ جہیز کے طور پر دینے کی منظوری دی تھی۔ اُس کے بیٹے لسی ماجس کو سو مینے نقد اور اتنے ہی ایکڑ زمین کاشت کے لیے الگ دی گئی تھی اور الکبیادیس کی تحریک پر چار درہم روزینہ بھی اس کا مقرر ہو گیا تھا۔ پھر اس لسی ماجس نے جب ایک بیٹی پولی کریٹیہ نام چھوڑی تو اس کا وہی وظیفہ مقرر کیا گیا تھا جو اولمپی کھیلوں میں جیتنے والوں کو ملا کرتا ہے۔ لیکن ڈمٹ ری اس (فلیری) ہائی رونی مس (دوڈسی) ادس توزی نس مطرب اور حکیم ارسطو (بہ شرطے کہ "رسالہ امارت" ارسطو کی اصلی تصانیف میں تسلیم کیا جائے) کہتے ہیں کہ ارس تی دیس کی پوتی کا نام مرٹو تھا اور وہ حکیم سقراط کے پاس رہا کرتی تھی۔ گو سقراط کی اصلی بیوی اور تھی "تاہم مرٹو کی بیوگی اور کمالِ عسرت کی وجہ

جو کتاب سقراط پر لکھی ہے، اس میں مذکورہ بالا روایت کی کافی طور پر تردید کردی ہے۔ ڈیمٹ ری اس فلیری یہ بھی بیان کرتا ہے کہ میں ارس تی دیس کے ایک نواسے لسی ما جس کو جانتا ہوں جو کمال تنگ دستی میں گزر اوقات کرتا تھا اور اس مقام کے قریب بیٹھتا تھا جسے "ایاکیم" کہتے ہیں اور خوابوں کی تعبیریں بتا بتا کر وجہ معاش پیدا کرتا تھا۔ پھر خود میری (یعنی ڈیمٹ ری اس کی) تحریک و وکالت پر اس شخص کی ماں اور خالہ کے نام نیم درہم روزینہ کی منظوری دی گئی۔ بعد میں جب یہی ڈیمٹ ری اس وضعِ قوانین کے کام میں مصروف تھا تو اس نے ان عورتوں کا فی کس ایک درہم روزینہ مقرر کردیا تھا۔ اور اہل ایتھنز کا اپنے شہریوں کی اس طرح خبر گیری کرنا کچھ قابل تعجب نہیں ہے کیوں کہ خود وہاں کے رہنے والے تو درکنار، جن لوگوں نے دور دور سکونت اختیار کرلی تھی، ان کو بھی باشندگان ایتھنز نہ بھولتے تھے چناں چہ جب انھیں ارسطوگی ٹن کی پوتی کا حال معلوم ہوا کہ وہ جزیرۂ لمنوس میں رہتی ہے اور اس قدر شکستہ حال ہے کہ کوئی اس سے شادی کرنے کا روادار نہیں تو وہ اُسے ایتھنز لے آئے اور ایک شریف النسب شخص سے بیاہ دیا اور جہیز میں پوٹامس کی کچھ زمینیں اُسے دے دیں۔ یہی وہ انسانیت اور فیاضیاں ہیں جن کے خود ہمارے زمانے میں بھی شہر ایتھنز نے بے شمار ثبوت دیے ہیں اور جن کی بدولت وہ بجا طور پر دنیا میں نام نیک اور تعظیم کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے +

مرقس کے تو (کلاں)

کے تو کی پیدائش، ٹس کلم کی بتاتے ہیں۔ اگرچہ اس کی پرورش اور تربیت سبانی علاقے میں ہوئی تھی اور معاملاتِ مُلک داری میں حصہ لینے سے پہلے وہ یہیں اپنے باپ کی جاگیر میں رہا کرتا تھا۔ اس کے آبا و اجداد کے حالات بالکل تاریکی میں ہیں گو خود کے تو ان کی اکثر تعریفیں کیا کرتا تھا اور اپنے باپ کو بڑا من چلا سپاہی اور قابل شخص بتاتا تھا اور پردادا کے تو کی نسبت بھی بیان کرتا تھا کہ اس نے بارہا میدانِ جنگ میں جوہرِ مردانگی دکھائے اور انعام پائے۔ چناں چہ اس کی ران تلے پانچ گھوڑے مارے گئے تھے اور ان کی قیمت اس کی شجاعت کے صلے میں سرکاری خزانے سے عطا کی گئی تھی۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ روم والے تو اسے کچھ صاحب حسب نسب جانتے نہ تھے۔ اس زمانے میں رواج تھا کہ ایسے کم نسب آدمی کو جو محض ذاتی لیاقت سے بڑھ جاتا تھا، "نو دولتے" یا "نئے شخص" کے نام سے یاد کرتے اور یہی لقب انھوں نے کیتو کو بھی

دے رکھا تھا۔ خود وہ اپنی نام وری اور اعزاز کو ذاتی بتاتا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اسے اپنے بزرگوں کی بڑائی اور خوبیوں پر اصرار تھا کہ ہم قدیم سے اپنی شرافت اور شجاعت میں مشہور ہیں۔

اس کے نام کا آخری جز پہلے کیتو کے بجائے "پرس کس" تھا مگر بعد میں اپنی لیاقت کی وجہ سے وہ کیتو کہلانے لگا، کیوں کہ تجربےکار اور ہوشیار آدمی کو رومی "کیٹوس" کہتے تھے۔

کیٹو کے چہرے کا رنگ سرخی مائل تھا اور آنکھیں کنجی۔ چناں چہ جس شاعر نے اس کی ہجو میں ذیل کا قطعہ لکھا ہے، اس نے بھی اس کی تصدیق کی ہے:-

قطعہ

نہیں کوئی جگہ بھی بھونک سے خالی پرسکس کی
کہ جس کا لال انگارا ہے منہ اور آنکھ ہے کنجی
مرے پر بھی وہ جب دوزخ کے دروازے پہ جائے گا
تو مشکل سے اجازت پائے گا مالک[1] سے گھسنے کی

کیتو ابتدا سے جفاکش آدمی تھا۔ جوانی میں اعتدال، سپاہیانہ مشاغل اور اپنا کام اپنے ہاتھوں کرنے کی بدولت اس کا جسم خوب سدھ گیا تھا اور یقیناً جتنا تن درست تھا اتنا ہی قوی اور مضبوط بھی تھا۔ اس کے ساتھ خطابت کی مشق بھی وہ بہت نوعمری سے اور کہیں نہیں تو چھوٹے چھوٹے دیہات ہی میں کیا کرتا تھا کیوں کہ اس کے نزدیک یہ فن بھی جسم کی پرورش سے کم ضروری نہ تھا خاص کر ایسے شخص

---

[1] دوزخ کا داروغہ۔

کے واسطے جو معمولی اور نکمی زندگی گزارنے کے بجائے دنیا میں کوئی امتیاز حاصل کرنے کا خواہش مند ہو۔ وہ کسی شخص کا جو اس کی مدد چاہتا، پیروکار بننے سے انکار نہ کرتا۔ اس لیے تھوڑی ہی مدت میں خاصا قانون داں اور پھر ایک قابل مقرر سمجھا جانے لگا تھا۔

رفتہ رفتہ اس کی مستقل مزاجی اور علو ہمتی کا نقش ان کے دلوں پر جن سے اس کا سابقہ پڑا، جمنے لگا اور وہ بڑی بڑی ملکی مہمات اور قومی اعزاز و مناصب کا اہل سمجھا جانے لگا۔ وہ نہ صرف اپنی وکالت اور مختاری کا محنتانہ نہیں لیتا تھا بلکہ قانونی لڑائیوں اور فتوحات سے جو اعزاز حاصل ہوتا تھا، انھیں کچھ زیادہ وقعت سے نہ دیکھتا تھا۔ اس کی تمنا تھی کہ وہ فن سپہ گری اور میدانِ کارزار میں مردانگی کے جوہر دکھائے اور سرخ روئی حاصل کرے۔ چناں چہ عالم شباب ہی میں دشمن سے لڑکر اتنی تلواریں کھائی تھیں کہ سارا سینہ زخموں کے نشان سے منقوش ہوگیا تھا۔ خود اپنے قول کے مطابق اس نے پہلی دفعہ لڑائی کی آنچ اس وقت دیکھی جب ہنی بال اطالیہ کی تاخت تاراج میں مصروف تھا اور ہر معرکے میں کام یاب ہو رہا تھا۔ اس وقت کیتو کی عمر سترہ ۱۷ برس کی تھی۔

لڑائی میں وہ مردانہ وار حملہ کرتا اور دشمن کے سامنے ناممکن تھا کہ زرا بھی لغزش ہو جائے۔ وار کے ساتھ ہی وہ نہایت درشت اور خوف انگیز آوازیں نکالتا جس سے وہ یہ سمجھتا تھا کہ دشمن پر بڑی مصیبت طاری ہو جاتی ہے۔ چناں چہ اکثر کہا کرتا کہ اس قسم کی سختی اور بے جگری تلوار سے بڑھ کر کاٹ کرتی ہے۔ کوچ کے

وقت وہ ہمیشہ سارے ہتھیار خود لے کر پیادہ پا چلتا اور ایک نوکر کھانے کا سامان لیے ہمراہ رہتا ۔ کہتے ہیں اس نوکر سے کھانا پکاتے وقت اس نے کبھی بدمزاجی یا جلد بازی کا برتاؤ نہیں کیا بلکہ فوجی فرائض سے فرصت ہوتی تو اسے پکانے ریندھنے میں بیٹھ کر مدد دیتا ۔ فوج میں اس نے ہمیشہ پانی پر گزارا کیا ۔ کبھی بہت تشنگی ہوتی تو پانی میں سرکہ ملا لیتا یا جب بالکل قوت نہ رہتی تو تھوڑی سی شراب بھی شاذ و نادر پی لیا کرتا تھا ۔

کیتو کے کھیت کے عین سامنے مانی اس کوری اس کا مختصر دیہی مکان واقع تھا ۔ یہ وہ شخص ہے جس کا شان دار فتوحات کے صلے میں تین مرتبہ جلوس نکلا تھا ۔ کیتو اکثر اس مکان کے پاس جا کے اس کے مختصر احاطے اور سادگی پر غور اور اس مکان کی طبیعت کا اندازہ کیا کرتا کہ اس شخص کا ظرف کیسا ہوگا جو روما کے سب سے نام ور فرزندوں میں ہونے اور اطالیہ کی سب سے زیادہ جنگ جُو قوموں کو زیر کرنے کے باوجود ہنسی خوشی اس چھپر میں رہتا ہے اور ایک چھوٹے سے قطعۂ زمین میں ہل چلا کے پیٹ پالنے پر قانع ہے ۔ اسی غریبانہ عمارت میں سمنیتی سفرا اس سے ملنے آئے تھے وہ اس وقت باورچی خانے میں گوبھی اُبال رہا تھا مگر جب ان سفیروں نے اسے کچھ اشرفیاں نذر کرنی چاہیں تو اس نے یہ کہہ کے انھیں واپس کیا کہ "جو شخص اس خوراک پر صبر و شکر کے ساتھ گزارا کر سکتا ہے، اسے اشرفیوں کی ضرورت نہیں اور میں زر حاصل کرنے کی نسبت زرداروں پر غلبہ حاصل کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں"۔ یہ باتیں

سوچنے کے بعد نوجوان کیتو گھر لوٹتا اور اپنی کھیتی اور خانگی آمد و خرچ، نوکر چاکر اور کارخانے پر غور و فکر کرکے غیر ضروری مصارف گھٹا دیتا اور زیادہ محنت کے ساتھ اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاتا تھا۔

ٹے رینٹم کی تسخیر کے وقت نوجوان کیتو، فےبئس میکس مس کی فوج میں سپاہی تھا اور نیارحبس کی ماتحتی میں لگایا گیا تھا۔ یہ نیارحبس حکیم فیثاغورث کے ماننے والوں میں تھا۔ کیتو نے اُس سے حکیم موصوف کے اصول سیکھے اور پہلے سے زیادہ کفایت شعاری اور پرہیزگاری کا دل دادہ ہوگیا۔ جب نیارحبس سے وہ باتیں سُنیں جنھیں افلاطون نے بھی بیان کیا ہے۔ مثلاً "حظ اندوزی، بدکاری کا طعمہ ہے، روحانی آفتوں کا بڑا باعث جسم ہے اور وہ خیالات جو جسم کی خواہشوں سے روح کو زیادہ دور کرتے ہیں، درحقیقت اس کو زیادہ جلا دیتے اور قوت بخشتے ہیں۔"

مذکورہ بالا تعلیم کے سوا کہتے ہیں، کیتو نے بڑی عمر تک یونانی کا مطلق مطالعہ نہیں کیا تھا اور فن تقریر میں طوسی وی ڈیس کی نسبت زیادہ فائدہ ڈموتھنیس سے اٹھایا تھا۔ لیکن اس کی تحریریں یونانی کہاوتوں اور کہانیوں سے بھری ہوئی ہیں بلکہ اکثر کا اس نے لفظ بہ لفظ ترجمہ کرکے اپنے خیالات اور حکیمانہ اقوال کے پہلو بہ پہلو رکھا ہے۔

ان دنوں رومیوں میں ایک شخص ویل ری اس فلےکس بڑا عالی مرتبہ اور صاحب رسوخ تھا۔ اُسے جوہر قابل کو تاڑ لینے میں کمال حاصل تھا اور ہونہاروں کو ہمیشہ بڑھاتا اور مقدور بھر مدد پہنچاتا تھا۔ کیتو کی زمینیں معلوم ہوتا ہے، اس کی جایداد سے

سے بالکل متصل تھیں۔ چناں چہ اس نے بھی نوکروں چاکروں کے ذریعے کیٹو کا حال سنا کہ کس مشقت اور سادگی کے ساتھ گزارا کرتا ہی اور کس طرح صبح اٹھ کر پیدل کچہریوں میں پہنچتا ہی کہ جن کو وکیل کی ضرورت ہو، انھیں مدد دے اور پھر گھر آکر کس طرح جاڑا ہو تو معمولی چغے میں اور گرمی ہو تو بغیر اس کے اپنے نوکروں کے ساتھ کام کرتا ہی اور انھی کے ساتھ بیٹھ کر جو روکھی سوکھی وہ کھاتے ہیں اور جو شراب وہ پیتے ہیں، کیٹو بھی کھا پی لیتا ہی۔ یہ باتیں سن کر ویل ری اس اس کا بہت مشتاق ہوگیا اور جب اس نے کیٹو کے عمدہ اطوار، راست بازی، کھرے پن، اعتدال اور دانش مندانہ اقوال کا حال سنا تو اس کی اپنے ہاں دعوت کی۔ اور ذاتی طور پر واقف ہوگیا کہ اسے ایک پودے کی مثل بارآوری کے لیے صرف عمدہ مقام اور تربیت کی ضرورت ہی۔ لہذا صلاح دی کہ وہ بے تاخیر روما چلا جائے اور معاملاتِ ملک داری میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے۔ کیٹو نے اس مشورے پر عمل کیا اور اپنی خوش بیانی کی بدولت جلد بہت سے دوست اور مداح پیدا کر لیے۔ لیکن اس کی ترقی میں زیادہ مدد ویل ری اس نے کی اور اوّل ہی اوّل وہ فوجی ٹری بیون کے عہدے پر مقرر ہوگیا۔ اس کے بعد فوجی خزانچی بنا دیا گیا اور پھر شہرت و نام وری پا کے خود ویل ری اس کی شرکت میں اس نے بڑے بڑے عہدے حاصل کیے۔ یعنی پہلے اس کے ساتھ قنصل کے ممتاز منصب پر سرفراز ہوا پھر عرصے تک محتسب[1] (اعلا) رہا۔

---

[1] محتسب کا عہدہ قنصل سے ملکی اختیارات میں کم مگر معاشرتی معاملات میں اس سے بھی زیادہ اہم ہوتا تھا۔ اس کو ایک قسم کا قاضی سمجھنا چاہیے۔ (مترجم)

مجلس ملکی کے پرانے ارکان میں کے تو سب سے زیادہ فے بئیس میکسی مس کا طرف دار تھا اور اس کی وجہ میکسی مس کا اقتدار یا شخصی اعزاز نہ تھا بلکہ زیادہ تر اس کی عادتیں اور طرزِ ماند و بود، جنھیں کیتو سب سے بڑھ کر قابلِ تقلید جانتا تھا اور جب سی پیو اعظم نے جوانی کے زور میں میکسی مس کی مخالفت پر کمر باندھی تو کے تو نے اس کا مقابلہ کرنے میں ذرا باک نہیں کیا اور اس کو اپنا دشمن بنا لیا۔ چناں چہ جب وہ سی پیو کے ہمراہ خزانچی کی حیثیت سے صقالیہ (سسلی) کی مہم پر گیا اور اس کو حسب عادت بے غل و غش روپیہ فوج پر لٹاتے دیکھا تو کئی مرتبہ لڑا کہ اگرچہ روپیہ خرچ کرنیکا چنداں مضائقہ نہیں مگر اسراف سے سپاہیوں کی عادتیں خراب ہو جاتی ہیں اور وہ عیش و نشاط کے روز بروز دل دادہ ہو رہے ہیں۔ اس کے جواب میں سی پیو نے (جو کہنا چاہیے کہ اس وقت فوج کا مختار کل بنا ہوا تھا) کہا کہ ہمیں تم جیسے باریک بیں خزانچی کی ضرورت نہیں۔ ہم سے لوگ یہی پوچھ سکتے ہیں کہ کیا کیا کام کیے نہ یہ کہ کتنا روپیہ صرف ہوا؟ اس پر کے تو واپس چلا آیا اور میکسی مس کے ساتھ مل کر سی پیو پر کھلم کھلا مجلس میں الزامات لگانے شروع کیے کہ وہ بے شمار روپیہ خرچ کیے ڈالتا ہے اور بچوں کی طرح کھیل تماشوں میں سارا وقت گزارتا ہے گویا لڑائی لڑنے نہیں گیا، جشن اڑانے گیا ہے۔ آخر اتنا اثر ان مخالفتوں کا ہوا کہ چند ٹریبون صقالیہ گئے کہ اگر یہ الزامات درست ہوں تو سی پیو کو واپس پھیر لائیں۔ لیکن ان کو اس نے اپنی جنگی تیاریاں دکھا کے قائل کر دیا۔ اور انھوں نے بھی یہی دیکھا کہ اگرچہ وہ اپنا خالی وقت

یار باشی میں گزارتا ہی، تاہم امور ضروری کی طرف سے بھی غافل نہیں۔ پس تن آسانی اور اسراف کا الزام کچھ زیادہ وزنی نہیں۔ غرض سسی پیو بے روک ٹوک جہاز میں بیٹھ کر اپنی مہم پر روانہ ہوگیا۔

کےتو کا اپنی فصاحت اور خطابت کی بہ دولت روز بہ روز اثر بڑھنے لگا اور وہ عام طور پر "رومی ڈموس تھنیس" کے معزز عرف سے پکارا جانے لگا۔ مگر خطابت سے زیادہ اس کی طرزِ معاشرت مشہور ہوئی، کیوں کہ فنِ تقریر سیکھنا اس زمانے میں شریف زادوں کے لیے ایک ضروری چیز تھی اور کسی کا اس میں مہارت حاصل کر لینا ایسی اچنبھے کی بات نہ سمجھی جاتی تھی۔ البتہ قدیم زمانے کے لوگوں کی طرح جسمانی مشقتیں کرنا اور موٹی جھوٹی خوراک پر یا بے پکے ناشتے پہ گزارا اور غریبانہ لباس و مکان کو ترجیح دینا یا تحصیل دولت و تعیش کو مطمحِ نظر بنائے بغیر قومی کام کرنا، نوجوانوں میں الشاذ کالمعدوم تھا۔ اس زمانے میں، رومہ کی وسیع سلطنت بیرونی اثرات قبول کیے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ اس قدر ممالک اور مختلف مذاق کے لوگوں کو زیر فرمان رکھنا اور رسوم و رواج یا طرزِ معاشرت میں تبدیلی کا پیدا نہ ہونا امر محال تھا۔ پس ان عشرت پسندیوں میں کہ ہر شخص عیش و نشاط کا گرویدہ اور محنت مشقت کرنے میں کم زور ہوگیا تھا، کےتو کی تعریفیں بلاوجہ نہ ہوتی تھیں۔ وہ جوانی اور طلب جاہ کے زمانے میں نہیں بلکہ بڑھاپے تک قنصل ہونے کے بعد بھی نہ عشرت سے مغلوب ہوا تھا نہ محنت سے جی چراتا تھا بلکہ ضعیفی میں بھی کسی مشّاق کرتبی کی طرح مختلف کسرتوں اور

ریاضتوں کا پابند تھا۔ لباس کے بارے میں خود اس کا قول ہی کہ میں نے سو[1] درہم سفید سے زیادہ قیمت کا جوڑا کبھی نہیں پہنا۔ اور جب وہ سپہ سالار اور قنصل تھا اس وقت بھی وہی شراب پیتا تھا جو اس کے ہاں کے مزدور استعمال کرتے تھے اور اس کے کھانے کے واسطے جو گوشت یا مچھلی بازار سے خریدی جاتی تھی، اس کی قیمت چودہ پندرہ پیسوں[2] سے زیادہ کبھی نہیں ہوئی۔ اور یہ بھی صرف سلطنت اور قوم کی خاطر کہ وہ زیادہ سخت خدمت بجالا سکے! اسے ترکے میں ایک بابلی قالین بھی ملا تھا۔ اس کو کیتو نے فروخت کردیا کیوں کہ اس کا کوئی دیہی مکان پکّے فرش کا نہ تھا! اس نے پندرہ سو درہم سے زیادہ قیمت کا کوئی غلام عمر بھر خرید نہ کیا۔ کیوں کہ اُسے صاحب جمال اور نازک چھوکروں کی ضرورت نہ تھی بلکہ مضبوط اور جفاکش سائیس یا چرواہے درکار ہوتے تھے۔ اور جب بڈّھے ہوجاتے تو ان کو کیتو دوبارہ فروخت کردیتا کیوں کہ اس کے گھر میں نکمّے نوکروں کو مفت میں بٹھا کے کھلانے کی مد نہ تھی۔ الغرض بے کار شی کا اس کے ہاں کچھ کام نہ تھا بلکہ ایسی چیز کو خواہ کتنی ہی کم قیمت میں بکے، وہ بے تامل فروخت کر ڈالتا تھا اور جو کچھ قیمت اس کے ہاتھ آجاتی، اسے بہت غنیمت جانتا۔ اسے کھیل کود یا تفریح کے لیے ایسے قطعوں کی بھی خواہش نہ تھی جن میں صفائی ستھرائی اور چھڑکاؤ کرا کے لوگ بیٹھا کریں

---

[1] درہم یعنی درکما (Drachma) جو ہمارے نو دس آنے کے برابر ہوتا تھا۔ یہ سکہ ایرانی ہی لیکن یونان سے ہوتا ہوا روما آیا اور مروج ہوگیا۔

[2] روما میں ایس (AS تانبے کا سکّہ تھا اور ہندستانی معمولی پیسے کا ہم قیمت۔ (مترجم)

بلکہ جب خریدتا، وہ کھیت کیار، یا چرائی کے مطلب کی زمین خریدتا تھا۔ ان عادتوں کو بعض لوگ تو کنجوسی سے منسوب کرتے اور بہت سے یہ کہتے کہ نہیں یہ اس کی نفس کشی ہی جس میں وہ غلو اس لیے کرتا ہی کہ دوسروں کو عبرت اور سبق ہو اور کچھ نہ کچھ اپنی اصلاح کریں۔ لیکن میری دانست میں درحقیقت یہ بڑی سنگ دلی کی بات ہی کہ آدمی نوکروں سے جانوروں کی مانند کام لے اور جب وہ بوڑھے ہو جائیں، ہاتھ پانو میں جوانی کے کس بل نہ رہیں تو انھیں گھر سے باہر نکال کھڑا کرے اور فروخت کر ڈالے اور دل میں یہ سمجھے کہ آدمی کو آدمی سے صرف اُس وقت تک تعلق رکھنا چاہیے، جب تک کہ کام نکلتا رہے اور فائدہ پہنچتا رہے۔ انسانی ہمدردی اور مہربانی کا میدان تو انصاف کے میدان سے بھی زیادہ وسیع ہی کیوں کہ انصاف اور قانون صرف بنی نوع انسان تک محدود ہی مگر اپنی رحم دلی اور انسانیت سے ہم وحوش و بہائم تک کو آسائش پہنچا سکتے ہیں اور یہ باتیں طبعاً نیک دلی سے پیدا ہوتی ہیں جس طرح کسی عمیق چشمے سے پانی اُبلتا ہو۔ بے شبہ نیک دل آدمی کی سرشت میں یہ بات داخل ہوتی ہی کہ وہ بڈھے اور بے کار گھوڑے اور کُتّوں تک کو اپنے پاس رکھتا ہی اور ان کی دیکھ بھال صرف اُسی وقت تک نہیں کرتا جب تک کہ وہ بچھیرے یا پلّے رہیں بلکہ ان کے بالکل بڈھے ہو جانے کے بعد بھی اُن کی پرورش اور آسائش کا خیال لگا رہتا ہی۔ ایتھنز میں جب ہکاٹمڈون (یعنی سو قربانیوں کی جگہ) کا عظیم الشان مندر تعمیر ہُوا تو جن خچروں کو اُنھوں نے اس کے بنتے وقت سب سے زیادہ مشقت اُٹھاتے اور بار کشی کرتے دیکھا تھا، اُنھیں آزاد کر دیا کہ جس

جگہ چاہیں، جائیں اور چریں۔ (کہتے ہیں) اُنھی میں سے ایک خچر ایک مرتبہ از خود کام کرنے آیا اور جو چوڑیاں چھکڑے بھر بھر کے قلعے تک لے جا رہی تھیں، ان کے ساتھ ساتھ بلکہ آگے آگے دوڑنے لگا گویا اُن کو زیادہ طاقت کے ساتھ گاڑی کھینچنے پر اُکساتا اور اُبھارتا ہے۔ اس پر وہاں یہ تجویز مجلس میں منظور کی گئی کہ اس خچر کی پرورش کا انتظام سرکاری خزانے سے کیا جائے اور مرتے دم تک اس کے نام کی رقم الگ دی جایا کرے۔

سائمن کے گھوڑوں کی قبریں بھی خود اس کے مقبرے کے پاس اب تک بنی ہوئی موجود ہیں۔ یہ اولمپی گھڑ دوڑوں میں تین مرتبہ جیتے تھے اور بڈھے زان تی پوس نے بھی (اور لوگوں کی طرح جو اپنے پالتو کتوں کو اچھی طرح دفن کرتے ہیں) اپنے کتے کی قبر بنائی تھی۔ یہ وفادار کتا اس کے جہاز کے پیچھے (جب لوگ بھاگے) تیرتا ہوا ایتھنز سے سلامیس تک آیا تھا۔ اور آج تک پہاڑی پر اس کا ڈھیر "کتے کا مقبرہ" کہلاتا ہے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ بات کسی طرح مناسب نہیں کہ ہم خدا کی زندہ مخلوق (حیوانات) کو پیر کی جوتی یا رکابیاں سمجھیں کہ جب تک برتیں، برتیں، اور جب گھس گھسا کر ٹوٹ پھوٹ گئیں تو اٹھا کے باہر پھینک دیں! اور کچھ نہیں تو کم از کم اسی خیال سے کہ نیکی کرنے کی عادت رہے، آدمی کو محبت اور ہمدردی دکھانے کے لیے موقعے نہ کھونے چاہییں۔ اپنی نسبت تو میں کہ سکتا ہوں کہ بڈھے ہو جانے کے باعث اپنے نکمے سے نکمے بیل کو بھی فروخت نہ کروں، کجا کہ چند سکوں پر ایک آدمی کو۔ جو اس غریب کو نہ صرف

اپنے ہاتھوں بے مروتی سے دھتکارتا ہے بلکہ ایک قسم کی جلاوطنی ہے اور جس طریقِ زندگی کا وہ عادی تھا، وہ زبردستی چھڑوانا ہے۔ خاص کر ایسے وقت میں جب کہ وہ بائع کے کام کا نہیں تو مشتری کے بھی کسی مصرف کا نہ رہا ہو۔ لیکن کیٹو وہ شخص ہے جس نے اپنی اقبال مندی اور نام آوری کے باوجود اپنے اس عزیز گھوڑے کو ہسپانیہ میں چھوڑ دینا گوارا کرلیا جس پر وہ قنصلی کے زمانے میں بڑی بڑی لڑائیاں لڑا تھا۔ محض اس سبب سے کہ اس گھوڑے کو جہاز پر رومہ لانے کا خرچ وہ سرکاری خزانے پر ڈالنا نہ چاہتا تھا! اب ان افعال پر ہر شخص کو اختیار ہے کہ انھیں عالی ظرفی کی دلیل سمجھے یا دنائت کی!

مگر اس کی پرہیزگاری اور اپنے نفس پر قابو رکھنا بے شبہ ایسی صفات ہیں کہ ان کی جتنی تعریف ہو بجا ہے۔ سپہ سالاری کے زمانے میں بھی اس نے اپنے اور اپنے سارے عملے کے لیے دس بارہ من گیہوں ماہوار سے زیادہ کوئی شے نہیں لی اور اپنی باربرداری کے جانوروں کے واسطے چھ من روزانہ سے بھی کچھ کم جو لیا کرتا تھا۔ اور جب جزیرہ سارڈینیا کی حکومت پر بھیجا گیا جہاں اس کے پیش رَو خیمے ڈیرے فرش فروش اور لباس تک کا خرچ سرکاری خزانے سے لیتے تھے، مصارفِ خدم و حشم اور اپنے احباب کی ضیافتوں کا بار بھی سلطنت پر ڈالتے تھے تو اس نے اپنی کفایت شعاری سے جو رقم بچائی، وہ اتنی کثیر تھی کہ لوگوں کو اس پر یقین آنا مشکل تھا۔ دراصل اس نے اپنے ہم وطنوں پر کسی قسم کا خرچ ہی نہ ڈالا تھا، حتٰے کہ گاؤں گاؤں اور شہر شہر وہ بغیر گاڑی کے پیدل جاتا تھا۔ صرف ایک گاؤں کا

نمبردار یا کوئی اور سرکاری نوکر لباس لیے اس کے ہمراہ رہتا اور اسی کے پاس دودھ یا شراب کا پیالہ بھی ہوتا کہ جہاں ضرورت ہو، ناؤیڈ کی رسم بھی ادا کردے۔ لیکن اگرچہ وہ اپنے ماتحتوں کے سامنے اپنی ذات سے اس قدر بے تکلّف اور سادہ مزاج تھا تاہم انصاف و عدل کے معاملے میں اس کی سخت گیری اور کھراپن اس سے بھی بڑھ کر مشہور تھا اور یہ ممکن نہ تھا کہ سامنے رومۃ الکبریٰ کے قوانین و ضوابط کی بجا آوری میں کسی قسم کی کوتاہی ہوسکے۔ چناں چہ اس کے زمانے میں

دیتے ہیں۔ مگر خیر یہ بحثیں ہم ان کے لیے چھوڑ دیتے ہیں، جنھیں لاطینی فصاحت کی اقسام میں تشخیص و امتیاز کرنے کا دعوا ہے اور یہاں اس کے بعض یادگار اقوال نقل کرتے ہیں کیوں کہ ہماری رائے میں آدمی کی طبیعت کا حال اس کی باتوں سے زیادہ کھلتا ہے نہ کہ اس کی شکل و صورت سے، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔

ایک مرتبہ جب روما کے عوام الناس زمین اور غلّے کی تقسیم کے بارے میں بہت بے جا شور و شغب کر رہے تھے۔ کیٹو نے ان کو سمجھا کے اس سورش سے روکنا چاہا اور اپنی تقریر اس طرح شروع کی کہ: "اے شہریو! بے شبہ پیٹ کے آگے تقریر کرنا، جو کانوں سے بہرا ہوتا ہے، بہت ہی مشکل کام ہے" پھر اُن کی عیش پسندیوں اور تکلفات پر از راہ طنز کہنے لگا کہ "ایسے شہر کا قائم رکھنا دشوار ہے جس میں ایک مچھلی کے دام بیل کی قیمت سے زیادہ ہوں!"۔

یہ بھی اسی کا قول ہے کہ "رومی لوگ بھیڑوں کی مثل ہیں جو الگ الگ تو کسی کا کہنا نہیں سنتیں لیکن سب ایک گلّے میں ہوں تو آگے والیوں کے پیچھے پیچھے ہو لیتی ہیں۔ یہی حال تم لوگوں کا ہے کہ اکھٹے ان رہبروں کے پیچھے ہو لیتے ہو جن کی الگ الگ تم قیامت تک نہ سنو"۔

عورتوں کے رسوخ و اثر پر تقریر کرتے ہوئے اس نے ایک مرتبہ کہا کہ "مرد بالعموم عورتوں پر حکومت کرتے ہیں مگر لوگوں کے حاکم ہم ہیں اور ہم بالکل تابع فرمان ہیں عورتوں کے!" مگر یہ خیال

یقیناً اس نے تمس طاکلیس کے اقوال سے لیا ہے جس نے یہ دیکھ کر کہ اس کا بیٹا اپنی ماں کے توسط سے جو چاہتا ہے، کرا لیتا ہے کہا تھا کہ اے عورت! یونانیوں پر ایتھنزی حکومت کرتے ہیں۔ میں ایتھنز کا حاکم ہوں، لیکن مجھ پر حکمراں تو ہے اور تو اپنے بیٹے کی تابع فرماں ہے پس اُسے چاہیے کہ اپنی قوت کو ذرا احتیاط سے استعمال کرے کیوں کہ وہ اپنی سادہ لوحی کے باوجود وہ کچھ کرسکتا ہے جو سارے یونانی مل کر بھی نہیں کرسکتے!"

کےتو کا ایک قول یہ ہے کہ جس طرح سے رنگ ریز ایسے رنگ رنگتا ہے جو آنکھوں میں کھُپ جائیں، اسی طرح اہلِ رومہ وہی عادات و اطوار سیکھتے ہیں جو دل بھائیں۔ ان کی نگاہ میں اخلاقِ حمیدہ کی کوئی قدر ہی نہیں رہی۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اگر تمہاری موجودہ عظمت نکوئی اور اعتدال کی بدولت ہے تو انھیں بُرائیوں سے نہ بدلو۔ لیکن اگر تم بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے عروج کو پہنچ گئے ہو تو ان کو اس لیے چھوڑ دو کہ اور زیادہ ترقی کر جاؤ۔

اُن لوگوں کے متعلق کےتو کی اچھی رائے نہ تھی جو سدا کسی نہ کسی عہدے پر رہنا چاہتے ہیں۔ وہ کہا کرتا کہ غالباً یہ لوگ اپنا راستہ نہیں جانتے جو ہمیشہ چوب دار اور چپراسیوں کے آسرے رہتے ہیں! لوگوں کو بھی اس نے اس معاملے میں بار بار متنبہ کیا کہ ایک ہی شخص کو حاکم منتخب کیے جانا کسی طرح اچھا نہیں۔ کیوں کہ "اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یا تم حکومت کی بُرائی بھلائی سے کچھ غرض نہیں رکھتے اور یا صرف چند نفوس کو اس کے لائق سمجھتے ہو"!

اپنے ایک دشمن کے متعلق جو بہت شرم ناک اور ذلیل زندگی گزارتا تھا، اس نے اپنی تقریر میں کہا کہ اس شخص کی ماں ہمیشہ دعائیں مانگتی ہی کہ اسے اپنے پیچھے زندہ چھوڑ جائے مگر یہ دعائیں کوسنا سمجھی جاتی ہیں!

کے تو کے زمانے میں ایک رئیس زادہ تھا جس نے اپنے باپ کی بہت بڑی جایداد جو سمندر کے کنارے واقع تھی، بیچ کر برابر کردی تھی۔ کے تو اس کی نسبت اظہار تعجب کرنے لگا کہ یہ شخص سمندر سے بھی زیادہ قوی ہی۔ "کیوں کہ اس کے پانی نے جو زمین بڑی دقت کے بعد چھوڑی تھی، وہ اس شخص نے نہایت آسانی سے ڈبو دی!"

شاہ یومی نیس کے رومہ آنے کے موقع پر مجلس نے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اس کا استقبال اور مہمان داری کی اور شہر کے قریب قریب سب عمائد و اکابر چاہتے تھے کہ ہم اس کے قریب رہیں۔ اس وقت کے تو شاہ مذکور سے بہت بدگمان اور مشکوک تھا اور جب ایک شخص نے جو اس کے قریب کھڑا تھا، یومی نیس کی تعریف کی کہ وہ بڑا اچھا بادشاہ اور رومیوں کا نہایت گرویدہ ہی تو اس نے جواب دیا کہ "ہوگا۔ مگر فطرتاً تو یہ حیوان اگرچہ بادشاہ ہی، مردم خوار واقع ہوا ہی!" اور حقیقت میں ایسے شاہ و شہریار دنیا میں کہاں گزرے ہیں جن کا مقابلہ اپامنن دس، پری کلیس، تمس طاکلیس، یا حملکار، عرف برقس، (جیسے فدائیانِ قوم) سے کیا جا سکے؟

کے تو کا قول تھا کہ میرے دشمن مجھ سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ میں ہر روز سورج نکلنے سے پہلے اُٹھ بیٹھتا ہوں اور قومی

کاروبار کی خاطر اپنے ذاتی کام کی مطلق پروا نہیں کرتا۔ یہ بھی اسی نے کہا ہی کہ "مجھے نیکی کی جزا اتنی زیادہ مطلوب نہیں جتنی کہ بدی کی سزا۔ اور یہ کہ میں ہر ایک کا جرم بخش سکتا ہوں مگر خود اپنا جرم ممکن نہیں کہ معاف کیا جائے"

جب رومیوں نے ملک بتھینیہ کو تین سفیر روانہ کیے جن میں سے ایک کو گٹھیا تھی۔ ایک کے دماغ پر عمل جراحی کیا جا چکا تھا اور تیسرا احمق سا معلوم ہوتا تھا تو کے تو نے قہقہہ مار کر کہا "اب کے رومیوں نے جو سفارت مقرر کی ہی، اس کے نہ تو پیر ہیں نہ دل ہی نہ دماغ"۔

پولی بئیس کی حمایت میں جب سی پیو نے درخواست کی کہ ایکیہ کے جلاوطنوں کو (جو بہت ضعیف العمر لوگ تھے) واپس بُلا لینا چاہیے اور اس پر مجلس میں بڑی شد و مد کے ساتھ مباحثہ ہوتا رہا تو کے تو سے نہ رہا گیا اور کھڑے ہو کر کہنے لگا "صاحبو! آج تمام دن ہم نے مغز پاشی کی اور یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ آیا ان بڈھے یونانیوں کو یہاں کے شہدے (یعنی جنازہ بردار) قبر تک پہنچائیں گے یا ایکیہ کے؟ معلوم ہوتا ہی ہمیں اور کوئی کام دُنیا کا کرنا نہیں ہی!"

وہ بہ وثوق کہا کرتا تھا کہ بے وقوف لوگ عقل مندوں سے اتنا استفادہ نہیں کرتے جتنا کہ عقل مند بے وقوفوں سے حاصل کر لیتے ہیں، کیوں کہ بے وقوف کی غلطیوں سے عقل مند تو نصیحت اخذ کرتے ہیں مگر بے وقوفوں میں یہ مادّہ کہاں کہ وہ عقل مندوں کی اچھی باتوں کی تقلید کر سکیں۔

نوجوانوں کے بارے میں اس کا قول تھا کہ مجھے وہ پسند ہیں

جو شرم سے سرخ ہو جائیں نہ کہ وہ جو زرد پڑ جائیں"۔ اور یہ کہ "وہ سپاہی میرے کام کا نہیں جو چلنے میں ہاتھ زیادہ چلائے اور لڑنے میں پیر یا جس کے خراٹے اس کے نعروں سے زیادہ بلند ہوں"۔ ایک فربہ اندام مُسن شخص کا تمسخر بھی اس نے ان الفاظ میں اُڑایا ہے کہ "ایسے شخص کا جسم سرکار کے کس مطلب کا ہے جس میں پیڑو سے لے کے حلق تک پیٹ ہی پیٹ ہو؟"

جب اُس سے کسی عیش پرست امیرزادے نے بہ منّت دوستی کی خواہش کی تو اُس نے جواب دیا کہ میرا ایسے شخص سے نباہ مشکل ہے جس کی قوتِ ذائقہ قلب سے زیادہ ذکی الحس ہے۔

عشق کے متعلق اس کا مقولہ تھا کہ عاشق کی روح دوسرے کے جسم میں رہتی ہے۔ وہ کہتا تھا میں اپنی تمام عمر میں صرف تین باتوں پر بہت پشیمان ہُوا۔ اوّل، "میں نے عورت ذات پر بھروسا کیا اور راز کہہ دیا۔ دوسرے، خشکی کا راستہ چھوڑ کے تری سے گیا۔ تیسرے، میرا پورا ایک دن کوئی اہم اور مفید کام کیے بغیر گزر گیا"۔ ایک ضعیف العمر شخص سے جو کسی برائی کا ارتکاب کر رہا تھا، اُس نے کہا "عزیز من! بڑھاپا تو خود سو عیبوں کا عیب ہے پھر تم اس میں بُرائی کا اضافہ کرکے ناحق اِسے اور زیادہ کیوں رسوا کرتے ہو"۔

جب ایک شخص نے جو اول درجے کا اوباش تھا، کے تو کی سخت مذمتیں کیں تو اس نے یہ جواب دیا کہ "میری تمھاری جوڑ برابر کی نہیں ہے کیوں کہ تمھیں گالیاں سننے میں باک ہے نہ دینے میں۔ لیکن مجھے نہ کسی اور کو گالیاں دینی گوارا ہیں اور نہ خود سننے کا خوگر ہوں"۔ ان مثالوں

سے اس کے اظہار خیال کا طریقہ معلوم ہو جاتا ہی۔

جب اپنے پرانے دوست ویل ری اس کے ساتھ وہ قنصل منتخب ہوا تو اس کے حصے میں ہسپانیہ کا وہ علاقہ آیا جسے رومی "این روے ہسپانیہ" کہتے تھے۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اس نے بعض اقوام کو بہ جبر اور بعض کو دم دلاسوں سے تابع کرنا شروع کیا مگر اسی اثنا میں دشمن کا لشکر اس قدر کثیر ہوگیا اور اس طرح چاروں طرف سے اس پر ٹوٹ کر گرا کہ ایک شرم ناک ہزیمت کا اندیشہ ہوگیا اور جو کچھ حاصل کیا تھا، اس کے لالے پڑ گئے۔ تب کے تو نے اپنے ہم سایہ باشندگان کلتی بیریہ سے مدد کی درخواست کی۔ انھوں نے دو سو ٹیلنٹ معاوضہ طلب کیا۔ اس وقت ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ رومی ان وحشیوں کو اس قسم کا معاوضہ دینا کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے۔ مگر کے تو کی راے اور تھی۔ وہ اس میں کوئی نقصان یا بے عزتی نہیں سمجھتا تھا۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ اگر ہم غالب آئے تو یہ رقم دشمن کی جیب سے نکلے گی نہ کہ ہماری۔ اور اگر مغلوب ہو گئے تو پھر مانگے گا کون اور دے گا کون؟ لیکن لڑائی ہوئی تو اس نے فتح کامل پائی اور اس کے بعد وہ اپنے تمام ارادوں میں کامیاب اور بامراد ہوتا رہا۔

پولی بی اس لکھتا ہی کہ اس کے نادر شاہی حکم سے تمام بین رودے بی تیس شہروں کی فصیلیں ایک دن میں منہدم کردی گئیں اگرچہ ان میں بہت سی دلیر اور جنگ جو قومیں آباد تھیں، لیکن کے تو کے سامنے کسی کو سرتابی کی جرأت نہ ہوئی۔ خود کے تو کا دعوا تھا کہ وہ جتنے دن ہسپانیہ میں ٹھہرا، ان سے زیادہ تعداد میں شہر اس نے تسخیر کیے

اور اگر یہ روایت صحیح ہو کہ اس کے تسخیر کردہ شہروں کی تعداد چار سو تھی تو اس کا دعوا مبالغہ یا شیخت نہیں ہو۔ ان لڑائیوں میں سپاہیوں کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت آیا لیکن پھر بھی کے تو نے ہر شخص کو آدھ آدھ سیر چاندی تقسیم کی اور کہا کہ چند آدمیوں کے سونا لے جانے سے بہتر ہو کہ بہت سے آدمی چاندی لے کر گھر جائیں۔ لیکن اپنی ذات کے لیے سوائے اشیائے اکل و شرب کوئی چیز اس نے نہیں حاصل کی ” اور اگرچہ میرے نزدیک“ وہ کہتا ہو ” جو لوگ لوٹ مار سے متمتع ہوئے، وہ زیادہ قابلِ الزام نہیں تاہم میری آرزو سب سے دلیر کے ساتھ دلیری میں مقابلہ کرنے کی ہو نہ کہ مال دار کے ساتھ مال میں یا لالچی کے ساتھ لالچ میں!“

اپنی ذات تو درکنار درحقیقت کے تو نے اپنے عملے والوں کو یا جو لوگ اس کی ذات سے متعلق تھے، انھیں بھی کچھ نہ لینے دیا۔ فوج میں اس کے ہمراہ پانچ نوکر تھے۔ ان میں سے ایک شخص پی کس نے اسیرانِ جنگ میں سے تین لڑکے خریدے تھے مگر جب کے تو کو یہ خبر ہوئی تو وہ خوف سے، اس کے سامنے کی جرأت نہ کر سکا بلکہ خود پھانسی پہ لٹک کے مرگیا۔ بعد میں اس کے خرید کردہ لڑکے بھی کے تو نے فروخت کر دیے اور جو قیمت ملی، وہ سرکاری خزانے میں دے دی۔

سی پیو اعظم، کے تو کا دشمن ہوگیا تھا۔ اس نے کے تو کی کامیابیوں پہ حسد کھا کے چاہا کہ اس کے رستے میں مشکلات پیدا کرے اور ھسپانیہ کی حکومت ہاتھ سے نکال لے۔ چناں چہ کوششیں کرکے خود اپنے تئیں اس کا جانشین مقرر کرالیا اور جتنی

جلدی ہوسکا جا کے کے تو کو عہدے سے سُبک دوش کردیا ۔ مگر اس کے بعد بھی کے تو نے رومہ کو جاتے وقت اپنے ہم راہی پان سو سوار اور پانچ دستے پیادہ فوج سے لوسی تبنیہ والوں کو رستے میں شکستیں دیں اور چھ سو نمک حراموں کو جو رومی فوج سے بھاگ کر ان میں جا ملے تھے، واپس لے لیا اور سب کے سر قلم کردیے ۔ یہ واقعات سُن کے سی پیو بہت بگڑا، لیکن کے تو مصنوعی انکسار دکھا کے کہنے لگا "اگر رومہ کے گم نام اور کم نسب لوگ (جیسا کہ یہ خادم ہے) بڑے بڑوں کا مقابلہ کرنے لگیں اور عالی نسب شجاعوں کی ہم سری کریں تو اس سے بڑھ کر وطن کی عظمت کیا ہوگی ۔" پھر مجلس میں بالاتفاق طے پا گیا کہ جو کچھ کے تو نے انتظام یا کام کیے ہیں، ان میں رد و بدل نہ کیا جائے ۔ اس طرح سی پیو کے پاس حکومت تو آئی مگر بے کار آئی اور اس کا سارا وقت وہاں محض لہو و لعب یا بے کاری میں گزرا اور کے تو منزلت کم ہونے کی جگہ خود سی پیو کی شُہرت کو بٹّہ لگا۔

ادھر کے تو کا جلوس فتح نکالا گیا مگر ان تمام عزتوں کے باوجود اس نے بعد میں قومی کاموں سے ان لوگوں کی طرح دست کشی نہ کی جو دراصل بھلائی، بھلائی کی غرض سے نہیں کرتے بلکہ نام و نمود کی غرض سے کرتے ہیں ۔ اور جب انتہائی مناصب و اعزاز جیسے قنصلی کا عہدہ یا جلوس فتح کا شرف حاصل کر چکتے ہیں تو اس کے بعد تمام کاروبار سے کنارہ کش ہو کر باقی ماندہ عمر عیش و نشاط میں صرف کرتے ہیں ۔ اس کے برعکس کے تو کی جد و جہد آخر دم تک ان لوگوں کی مثل جاری رہی جو ملکی خدمت کے لیے میدان میں نئے نئے آتے ہیں اور عزت و

شہرت کی خاطر اپنے فرائض انجام دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ عہدے سے سُبک دوش ہوتے ہی اُس نے اپنے ہم وطنوں اور دوستوں کی اس جوش سے خدمت کی کہ گویا ابھی وکالت اور سپہ گری کا نیا دَور شروع کیا ہی۔

ٹامی بے ریس سم پرونیس جس وقت تھریس اور دریائے ڈینیوب کے علاقوں پر فوج لے کے گیا تو کے تو اس کے مددگار اور نائب کی حیثیت سے ہم راہ تھا۔ نیز انطیاکوس اعظم کے مقابلے میں جس کی ہنی بال کے بعد رومہ میں سب سے زیادہ دہشت چھاگئی تھی، وہ مانیوس اہی لیس کے ساتھ ٹربیون بن کر یونان گیا۔ واضح رہے کہ انطیاکوس وہ بادشاہ ہی جو قریب قریب ساری ایشیا پر (یعنی سلیوکوس کے تمام مقبوضات پر) تن تنہا قابض تھا اور بہت سی جنگ جو وحشی قوموں کو زیر کرنے کے بعد اب رومہ پر جھکا تھا گویا دنیا میں اس کی ٹکّر کے لائق تھی تو یہی سلطنت رہ گئی تھی۔ چناں چہ اپنی ٹڈی دَل افواج کو لے دفعتاً وہ ادھر بڑھا اور لڑائی کا بہانہ یہ بنایا کہ یونانیوں کو رومہ کے پنجۂ ستم سے چھُڑانا مقصود ہی۔ حالاں کہ بچارے یونان کو اس ہم دردی کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ وہ اُلٹا شکر گزار تھا کہ رومیوں نے اپنی مہربانی سے شاہان مقدونیہ سے رہائی دلاکر اسے آزاد اور خود اپنے آئین و قوانین قائم رکھنے کا مجاز کردیا تھا۔ لیکن اس موقع پر عام لوگوں کے مُشیر اور صلاح کاروں کی بہ دولت، جو شاہ انطیاکوس کی سرپرستی کے سبز باغ دکھا رہے تھے، یونان کے شہروں میں بھی سخت بے چینی اور اضطرار پیدا ہوگیا تھا، لہذا مانیوس اہی لیس نے جگہ جگہ اپنے سفیر

بھیجے۔ ٹی ٹس فلے می نی نس نے تو (جیسا کہ اس کے بیان میں درج ہی) بہت سے شور مچانے والوں کو خاموش کیا اور ان کی کوششوں کو بڑی خوبی سے خاک میں ملا دیا۔ اِدھر کے تو نے پیٹ ری اور اے جیم کے کورنتھیوں کو اپنا طرف دار بنا لینے میں کام یابی حاصل کی اور بہت دن تک مدینۃ الحکما ایتھنز میں بھی وقت گزارا۔ مشہور ہی کہ یہاں لوگوں کے آگے اس نے ایک تقریر یونانی زبان میں کی جس میں قدیم ایتھنزیوں کی بہت کچھ مدح سرائی تھی اور یہ کہ مجھے اس شہر کے حُسن و عظمت کو دیکھنے کا شوق یہاں لے آیا ہی۔ مگر یہ روایت غلط ہی کیوں کہ اگرچہ اس میں خود تقریر کرنے کی قدرت تھی تاہم اس نے ایتھنزیوں کے سامنے ترجمان کی مدد سے تقریر کی تھی اور وہ اپنے ملک کے طریق کو ترک کرنا نہ چاہتا تھا بلکہ ان لوگوں کا جو ہر یونانی چیز کے گرویدہ ہو جاتے تھے، مضحکہ اُڑایا کرتا تھا۔ چناں چہ الی نوس نے جب یونانی زبان میں تاریخ لکھی اور معذرت چاہی کہ مجھ سے اس غیر زبان میں کوئی غلطی ہو گئی ہو تو نظر انداز کر دی جائے تو کے تو نے اس کو بہت بنایا اور کہنے لگا کہ ”بے شک اگر ہمیں معلوم ہو کہ یونان کے دیوتاؤں نے گلا گھونٹ کر تم سے زبردستی کتاب لکھوائی ہی تو اس صورت میں غلطیاں نظر انداز کی جا سکتی ہیں۔“

اس کا بیان ہی کہ ایتھنز میں اس کی تقریر کی تیزی اور زور کی بڑی تعریفیں ہوئیں کیوں کہ جس مطلب کو وہ مختصر طور پر جلدی سے ادا کر دیتا تھا، اس کو ترجمہ کرنے میں ترجمان کو بڑی دیر لگتی تھی۔ آخر میں مجموعی طور پر اس نے اپنا عقیدہ یہ ظاہر کیا کہ یونانیوں کے

الفاظ فقط ہونٹوں سے نکلتے ہیں لیکن رومیوں کے دل سے آتے ہیں۔

اس اثنا میں شاہ ان طیاکوس نے تھرموپلی کے قریب تمام دروں پر قبضہ کرلیا تھا اور فصیلوں اور مورچوں کو جا بجا تعمیر کرا کے وہاں کے قدرتی کوہی استحکامات کو اور بھی زیادہ مضبوط و مصؤن بنا لیا تھا۔ یہ انتظام کرنے کے بعد وہ آرام سے بیٹھ گیا اور دل میں خیال کیا کہ لڑائی کا رُخ پھیرنے کے لیے اتنا انتظام کافی ہے۔

اُدھر رومی بھی اس راستے سے جبراً گزر جانے سے مایوس معلوم ہوتے تھے۔ لیکن کے تو کو ایرانی لشکر کا اسی مقام پر چکر کاٹ کے آنا بر وقت یاد آگیا اور وہ فوج کا ایک حصہ ہمراہ لے کے راتوں رات نکل کھڑا ہوا۔ مگر جب وہ پہاڑوں پر پہنچے تو ان کا رہبر جو ایک قیدی تھا، راستہ بھول گیا اور ایسے ایسے دشوار گزار کھڈیلے مقامات میں بھٹکنے لگا کہ کے تو کے سارے ساتھی گھبرا گئے۔

کے تو بھی سمجھ گیا کہ موقع نازک ہے۔ بس سب کو وہیں ٹھیرا کے وہ خود صرف لوسیس مان لیس نام ایک شخص کو لے کر آگے روانہ ہوا۔ یہ شخص پہاڑوں پر چڑھنے میں بہت مشاق تھا۔ پھر بھی رات کی تاریکی، چٹانوں کی پھسلن اور جنگلی زیتونوں کی بھیانک صورتیں پھر ان سب سے بڑھ کر ہر لحظہ کسی گہرے غار میں جا پڑنے کا خوف، ایسی چیزیں تھیں کہ موت سامنے نظر آرہی تھی، اور ایک ایک قدم بڑی دیر میں اُٹھتا تھا۔

بایں ہمہ وہ آگے بڑھے گئے اور آخر ایک تنگ درے تک پہنچے جو انھوں نے خیال کیا کہ دشمن کی خیمہ گاہ کے قریب ہی کہیں نکلے گا۔

یہاں انھوں نے چند نمایاں چٹانوں پر جو کالی دروالی پہاڑی سے اوپر

سر بلند ہیں بعض نشانیاں چھوڑیں اور خود باقی ساتھیوں کو لینے گئے اور آخر ساری فوج کو وہاں تک لے آئے اور یہاں ایک پتلی پگ ڈنڈی پر سب کو ٹھیرا کر گےتو پھر آگے روانہ ہوا۔ لیکن اب کے جا کے معلوم ہوا کہ وہ راستہ کسی درے کا نہیں بلکہ ایک ہیبت ناک غار میں چلا جاتا ہے! اس وقت سب کے حواس گم ہو گئے کہ کیا کیا جائے۔ نہ آگے جانے کا راستہ تھا نہ یہ معلوم تھا کہ دشمن سے کتنی دور ہم ہیں۔ غرض سخت تشویش اور پریشانی کے عالم میں وہ وہیں کے وہیں ساکت کھڑے تھے کہ نورِ صبح نے آہستہ آہستہ دنیا کو روشن کرنا شروع کیا۔ اسی وقت انھیں کچھ آوازیں سنائی دیں اور تھوڑی دیر میں دکھائی دیا کہ عین اس چٹان کے نیچے یونانی پہرے دار جنگی خندقیں کھودے پڑے ہیں۔ گےتو نے ساری فوج کو تو وہیں روکا اور خود صرف نوسو کے دستے کو جسے اُس نے ہمیشہ مستعد اور وفادار پایا تھا، اپنے ساتھ آنے کا حکم دیا۔ جب یہ چیدہ جماعت اس کے سامنے گول دائرے میں قریب آ کے استادہ ہوئی تو اس نے کہا "دیکھو! میں یہ چاہتا ہوں کہ دشمن کا ایک آدمی زندہ گرفتار کر لیا جائے تاکہ ان کے حالات تعداد وغیرہ معلوم ہو جائے اور یہ بھی کہ خود ہماری فوج اور تیاریوں کا انھوں نے کیا اندازہ لگایا ہے۔ لیکن اس ساری کارروائی میں بڑی ضرورت عجلت اور دلیری کی ہے اور اس طرح جا پڑنے کی جس طرح شیر ببر کسی سہمے ہوئے جانور پر جھپٹتا ہے!

یہ سنتے ہی گےتو کے اشارے پر سارے سپاہی نیچے دوڑ پڑے

اور پہرے داروں کو اچانک جا دبایا۔ اس بلائے ناگہانی سے وہ بدحواس ہوکر بھاگے مگر ایک شخص مسلح پکڑا گیا۔ اسے کےتو کے پاس لائے اور اسی کے ذریعے بہت جلد کھل گیا کہ پہاڑی چوٹیوں پر چھ سو منتخب اطولی جوان متعین ہیں۔ باقی تمام فوج بادشاہ کے گرد تنگ درے کے قریب خیمہ زن ہے۔ کےتو نے پہرے داروں کی اتنی سی تعداد کی مطلق پروا نہ کی اور تلوار گھسیٹ کر ان غافلوں پر حملہ آور ہوا۔ ساتھ ہی طبل ہائے جنگ اور نعروں سے اس قدر شور مچایا کہ دشمن گھبرا گئے اور انہیں پہاڑوں پر سے کود کود کے آتے دیکھ کر بے تحاشا قلب لشکر کی جانب بھاگے اور اپنی پریشانی سے وہاں بھی ہر طرف سراسیمگی اور ابتری پھیلا دی۔ دوسری طرف مانیوس سپہ سالار لشکر نے نیچے دروں پر دھاوا کر دیا اور ان تنگ راستوں میں جس قدر ممکن تھا، فوج لے کر گھس پڑا۔ اسی ہل چل میں شاہ انطیاکوس کے منہ پر ایک پتھر اس زور سے لگا کہ کئی دانت جھڑ کر باہر آ پڑے اور اس شدت کا درد ہونے لگا کہ گھوڑا موڑ کر الٹا پھرنا اس نے غنیمت جانا۔ ادھر اس کی فوج بھی رومیوں کے زبردست حملے کے آگے نہ ٹھیر سکی اور اگرچہ وہ جگہ ایسی خراب تھی کہ ہر سمت گہری گہری دل دلیں اور پھسلواں کھڈ موت کا منہ کھولے کھڑے تھے کہ جو ادھر بھاگ کر جائے، اسے لقمہ بنالیں، نیز تمام راستے تنگ اور سخت دشوار گزار تھے تاہم بھاگنے والے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ ان کی گھبراہٹ اور ایسے زبردست ہجوم نے طوفان بے تمیزی بپا کر دیا تھا یہاں تک کہ دہشت کے مارے بہت سے تو آپس ہی

میں ایک دوسرے کو دشمن سمجھ کر لڑ مرے۔

کے تو اپنی تعریف کرنے میں کبھی زیادہ حجاب نہ کیا کرتا تھا اور نہ کسی کارِ نمایاں کی شیخیاں مارنے کا موقع ہاتھ سے دیتا (بلکہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس صفت کو بھی کارہائے نمایاں کا ضروری جُزو تصور کرتا تھا) سو اب جو اس جنگ میں فتح رومیوں کو ہوئی تو وہ اور بھی پھول گیا اور بعد میں کہنے لگا کہ اس دن جنھوں نے مجھے دشمنوں کا تعاقب کرتے اور سر اتارتے دیکھا تھا، وہ قسمیں کھا کھا کے کہتے تھے کہ قوم کا اتنا احسان کے تو پر نہیں ہے جتنا کہ کے تو کا قوم پر ہے۔

یہ روایت خود اسی کی زبانی ہے کہ عین میدانِ کارزار میں مانیوس گھوڑا دوڑاتا ہوا اس کے پاس آیا اور گلے سے لگا لیا اور اتنی دیر تک لپٹا رہا کہ دونوں پسینے میں نہا گئے۔ پھر فرطِ مسرت سے بے اختیار ہوکر چلایا کہ میں تو کیا سب لوگ مل کر بھی اس کے (یعنی کے تو کے) کام کا معاوضہ پورا نہیں دے سکتے۔

لڑائی کے بعد کے تو رومہ بھیجا گیا تاکہ وہی فتح کی خوش خبری سُنائے۔ چناں چہ وہ سیدھا برنڈوزیم پہنچا اور وہاں سے جہاز ہی جہاز میں ہوا کی موافقت کی بہ دولت ایک دن میں ٹےانٹم اور پھر چار روز خشکی کا راستہ چل کر رومہ پہنچا اور اس طرح سب سے پہلے اسی نے مژدۂ فتح بھی لوگوں کو وہاں سنایا۔ جس سے تمام شہر میں خوشی کے نقارے بجنے لگے۔ شکریے کی قربانیاں ادا کی گئیں اور دلوں میں ایسا ناز پیدا ہوگیا کہ وہ اپنے تئیں خشکی اور تری دونوں میں عدیم المقابل سمجھنے لگے کہ ہم جس سمندر یا ملک کو چاہیں، فتح

کر سکتے ہیں!

کےتو کے بڑے بڑے فوجی کارنامے قریب قریب اتنے ہی ہیں جتنے کہ بیان ہوئے۔ عام معاملاتِ ملکی میں اس کے نزدیک سب سے بڑا فریضہ مجرموں کو عدالت کے روبرو لانا اور سزا دلوانا تھا۔ خود اس نے بہتوں پر نالشیں کیں اور دوسرے نالش کرنے والوں کو بھی اکثر مدد دی، یہی نہیں بلکہ بارہا نالش کرنے والے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پیدا کیے۔ چناں چہ اس کی ایک نظیر پٹیلی تھا جسے اس نے سپیو کے خلاف کھڑا کیا تھا۔ لیکن اس کی خاندانی وجاہت اور ذاتی عظمت کے آگے کچھ پیش نہ گئی اور جب کےتو نے دیکھا کہ اپنی خوبیوں کی وجہ سے کوئی اتہام یا الزام اسے ضرر نہیں پہنچا سکتا تو اس کا پیچھا چھوڑ دیا، البتہ جب اس کے بھائی لوسیس پر الزام لگائے گئے تو وہ بھی ان میں شریک ہوگیا اور آخر اپنی کوششوں سے اس پر ثبوتِ جرم اور بڑا بھاری جرمانہ کرا کے چھوڑا۔ لیکن چوں کہ لوسیئس دوالیہ تھا اور روپیہ ادا نہ کر سکنے کی صورت میں ضرور قید بھگتتا اس لیے (لوگوں کے) ٹری بیون بیچ میں پڑے اور بہت گرم بحث مباحثوں کے بعد مقدمہ خارج کرایا۔

سنا ہے کہ ایک نوجوان سے جس نے اپنے باپ کے کسی پرانے حریف کو حد درجے ذلیل اور رسوا کر دیا تھا، کےتو بازار میں دو چار ہوا تو بڑے تپاک سے مصافحہ کر کے کہنے لگا "واللہ یہی شے ہے جو ہمیں بزرگوں کی نذر نیاز میں قربانی چڑھانی چاہیے۔ یعنی بھیڑ بکریاں نہیں بلکہ اُن کے مخالفوں کے اشکِ ندامت اور فضیحتیں!"

لیکن اپنے کاروبار اور معاملات میں وہ بھی ملزم بنے بغیر نہ رہ سکا، کیوں کہ اگر اس سے ذرا سی بھی غلطی ہوتی تو اس کے دشمن جھٹ اس پر مقدمہ دائر کر کے عدالت میں طلب کرائے بغیر نہ مانتے۔ اس طرح سُنا ہی کہ وہ پچاس دفعہ سزا یاب ہونے سے بچ بچ گیا۔ خاص کر آخری مرتبہ جب بچا ہی تو اس کی عمر چھیاسی برس کی تھی! اسی مقدمے میں اس نے وہ مشہور فقرہ کہا تھا کہ جو شخص پہلی تانتی کے لوگوں کے ساتھ رہ سہا ہو، اسے دوسری "تانتی والوں کے سامنے وکالت اور مدافعت کرنی ضرور گراں گزرتی ہی"۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اس نے مقدمہ بازی سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ نہیں، اس نے چار برس بعد بھی سروی لیئیس گلبا پر دعوا کیا۔ اس وقت اس کی عمر نوے برس کی ہو چکی تھی۔ گویا نسٹور کی مانند اس کی زندگی اور تعلقات آدمی کی تین پیڑھیوں تک قائم رہے، چناں چہ سی پیو اعظم سے امورِ سلطنت میں خوب مقابلے کرنے کے بعد جن کا کچھ تذکرہ ہم نے پہلے کیا، وہ اس کے لے پالک پوتے سی پیو اصغر سے بھی اسی طرح لڑتا رہا۔ یہ سی پیو اُس پاولس کا بیٹا تھا جس نے شاہ پرسیئس اور اہلِ مقدونیہ کی قوت جڑ سے اکھاڑ کے پھینک دی تھی۔

اپنی قنصلی کے دس سال بعد کےتو نے عہدۂ محتسب کے امیدواروں میں اپنے تئیں پیش کیا۔ یہ تمام اعزازوں میں چوٹی کا منصب تھا۔ اور اندرونی معاملات میں اس سے بڑھ کر کوئی عہدہ

کی زندگی اور طریقِ عمل پر احتساب کرنے کا بھی حق تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ رومیوں کے نزدیک، شادی و غمی کی تقریبات، بچّوں کی پرورش بلکہ اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی آزادی جائز نہ تھی، جب تک کہ ان کا احتساب اور امتحان نہ ہو جائے کیوں کہ ان کی رائے تھی کہ انھی ذاتیات میں آدمی کی طبیعت کا اصلی اصُول کُھلتا ہو نہ کہ اس کے قومی یا علانیہ کاموں میں۔ لہذا اس گہری نگرانی کے واسطے وہ دو شخص چھانٹا کرتے تھے ایک طبقۂ امرا میں سے اور دوسرا عوام الناس کے گروہ سے۔ اور ان کا فرض ہوتا تھا کہ ہر شخص کے افعال پر نظر رکھیں اور اگر کوئی عام تہذیبِ ملکی کے خلاف عمل درآمد کرے یا عیاشی میں حد سے گزر جائے تو اس کی اصلاح کریں اور جہاں ضروری ہو، وہاں مجرم کو سزا دیں۔ انھی دونوں کو وہ (سنسر) محتسب کے لفظ سے خطاب کرتے تھے۔ ان کے پاس فہرستیں رہتی تھیں جن میں ہر شخص کی پیدایش، حیثیت اور آمدنی وغیرہ درج ہوتی۔ نیز انھیں اختیار تھا کہ کسی سوار کو گھوڑے سے اُتار دیں یا ارکانِ مجلس میں سے کسی کی بے عنوانی دیکھیں تو مجلس میں سے اُس کو اٹھا دیں۔ یہی اسباب تھے کہ جب کیٹو عہدۂ مذکور کے لیے کھڑا ہُوا تو اکثر بڑے بڑے آدمیوں نے اس کی مخالفت کی۔ خاندانی امرا کو تو یہ حسد ہُوا کہ ایسے ادنا درجے کے لوگ مراتبِ عالیہ کیوں پائیں اور خود اُمرا پر کیوں حاوی ہو جائیں؟ اور بہت سے زرداروں کو جو اپنی عیاشی اور خلاف قانون افعال سے واقف تھے، کیٹو کی سخت گیری کا اندیشہ ہُوا کہ

اتنا مقتدر عہدہ پانے کے بعد یہ شخص یقیناً کسی کو بغیر سزا دیے نہ چھوڑے گا۔ الغرض آپس میں صلاحیں کر کے ان لوگوں نے کے تو کے ایک، نہ دو، سات حریف کھڑے کیے جنھوں نے اندر ہی اندر لوگوں کو پرچانا شروع کیا اور اس یقین پر کہ لوگ بالعموم نرمی اور چشم پوشی کو پسند کرتے ہیں، انھوں نے تحمل اور تغافل دکھانے کے بڑے بڑے وعدے کیے۔ اس کے برعکس کے تو نے مطلق اس قسم کی نرمی برتنے کا وعدہ نہ کیا بلکہ بدکاروں کو اس نے علانیہ دھمکایا اور صاف صاف سخت گیری کرنے کا اظہار کر دیا یہاں تک کہ خاص تقریر گاہ پر کھڑے ہو کر اس نے اس طرح کڑکنا شروع کیا کہ "شہر کو بڑے زبردست مسہل کی ضرورت ہی تاکہ اس میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں، ان کا دفعیہ ہو سکے۔ اور اسی لیے اگر لوگ عقل مند ہیں تو کسی نرم مزاج کے بجائے وہ سخت سے سخت طبیب کو منتخب کریں گے۔ اور ایسا آدمی میں ہوں اور امرا میں ویلیری اس فلیکس ہی۔ اگر ہم دونوں مل گئے تو اس میں ذرا بھی شبہہ نہیں کہ بدکاریوں کے اژدہے کو جو اندر ہی اندر لوگوں کو کھائے جاتا ہی، کچل کر کچھ نہ کچھ لائقِ قدر کام کر کے دکھا سکیں گے"۔ اس نے یہ بھی جتایا کہ دوسرے امیدوار کسی نیک نیتی سے استادہ نہیں ہوے ہیں بلکہ دراصل وہ ان لوگوں سے خائف ہیں جو اپنے فرائض کو انصاف کے ساتھ ادا کریں گے۔

رومیوں کی عظمت کا اور اس امر کا کہ واقعی وہ لائق رہبروں کے زیر سیادت رہنے کے اہل تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہی کہ

انھوں نے کےتو کی درشتی اور تندی کا اندیشہ نہ کیا اور ان خوشامدیوں پر، جو عہدے کی خاطر ہر قسم کا وعدہ کرنے کو تیار تھے، اسی کو ترجیح دی اور فلیکس کے ساتھ اپنا حاکم منتخب کیا۔ گویا وہ عہدے سے پہلے بھی اس کو محض امیدوار نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنا لائق متابعت سردار جانتے تھے اور جو وہ کہتا تھا، اس پر برضا و رغبت عمل کرتے تھے۔

کےتو نے مجلسِ ملکی کا صدر اپنے دوست اور ہم عہدہ ویلےری اس کو بنایا۔ اور دوسروں کے علاوہ لوسیئس کوان ٹیس کو بھی اس کی رکنیت سے خارج کردیا۔ حالاں کہ یہ شخص سات سال پہلے قنصل کے عہدے پر سر بلند تھا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تی تس فلے می نی نس کا سگا بھائی تھا جس نے شاہ فلپ کا زور توڑا تھا۔ کےتو نے اس کو جس سبب سے خارج کیا، وہ یہ تھا:

لوسیئس ابتدا سے ایک لڑکے کو تمام فوجی مہمات میں اپنے ساتھ رکھتا تھا اور اپنے عزیز ترین دوستوں اور رشتے داروں کے برابر اس کو اختیارات دے رکھے تھے اور اس کی تعظیم و تکریم میں بھی ایسا ہی غلو کرتا تھا۔ ایک مرتبہ جب لوسیئس کسی صوبے پر بہ حیثیت قنصل حکم راں تھا، یہ اتفاق ہوا کہ اس لڑکے نے جو ہمیشہ پہلو بہ پہلو بیٹھتا تھا اور مے خواری کے عالم میں اکثر لوسیئس کی خوشامد کیا کرتا تھا، ایک دن ایسے ہی کسی موقع پر اس سے کہا کہ "اگرچہ روما میں درندوں سے کشتی کا دنگل بندھنے والا تھا اور میں نے عمر بھر میں کبھی یہ دل چسپ تماشا نہیں دیکھا تھا حالاں کہ آدمی کو مرتا دیکھنے کا مجھے بے حد شوق

ہے، مگر محض تمھارے پاس آنے کی خاطر میں نے جلدی کی اور سب کھیل تماشوں کو چھوڑ کر چلا آیا۔" اس کے اس اظہارِ محبت سے متاثر ہو کے لوسیئس نے جواب دیا "اداس نہ ہو میں ابھی اس کا بندوبست کیے دیتا ہوں۔" چناں چہ اسی وقت حکم دے کے اس نے ایک مجرم کو جس کے لیے سزائے قتل تجویز ہوئی تھی، جلاد اور تبر سمیت اپنے سامنے اسی جلسے میں طلب کیا اور لڑکے سے پوچھا کہ کہو اب بھی اس کے قتل کی سیر دیکھنا چاہتے ہو۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ تب لوسیئس نے جلاد کو حکم دیا کہ مجرم کا سر قلم کر دے۔ یہ واقعہ کئی مورخوں نے بیان کیا ہے بلکہ سسرو نے تو اپنے مکالمے "دِاسنک توت" میں یہ روایت خود کےتو کی زبانی نقل کی ہے۔ مگر لوی کہتا ہے کہ کےتو کی تقریر میں اس بیان سے کسی قدر مختلف صورت واقعہ تحریر ہے یعنی یہ کہ مقتول غالوی قوم کا بھاگا ہوا ایک غدار سپاہی تھا اور لوسیئس نے جلاد کی جگہ خود اپنے ہاتھ سے اس کو مارا۔

غرض جب کےتو نے لوسیئس کو مجلس سے نکلوا دیا تو اس کے بھائی کو یہ بات بہت گراں گزری۔ اس نے لوگوں کے آگے فریاد کی کہ کےتو سے اس اخراج کے اسباب دریافت کیے جائیں۔ تب کےتو نے کھڑے ہوکر مذکورہ بالا جلسے کا قصہ بیان کرنا شروع کیا اور لوسیئس نے اس کی صحت سے انکار کرنا چاہا تو اس نے باضابطہ تحقیقات کرانے پر اس کو ٹوکا، مگر یہ لوسیئس نے قبول نہ کیا اور مقابلے پر نہ آیا جس سے لوگ اس کا اخراج بالکل بجا اور واجبی سمجھنے لگے۔ لیکن تھوڑے ہی دن کے بعد جب لوسیئس کوئی تماشہ

دیکھنے تماشا گاہ میں آیا اور ان کرسیوں پر بیٹھنے کی بجائے جو قنصلی رُتبے کے لیے مخصوص ہوتی تھیں، وہ پیچھے کی قطار میں کہیں دُور جا کے بیٹھ گیا تو عوام الناس کو اس پر اتنا ترس آیا کہ انھوں نے ہنگامہ بپا کر دیا اور جب تک کہ لوسئیس کو اگلی قطار میں نہ بٹھوا لیا، خاموش نہ ہوئے۔ یہ ایک طرح کی اشک شوئی تھی جس سے حقیقت میں مغموم لوسئیس کی تھوڑی بہت تشفی ہو گئی۔

کے تو نے مانیلوس کو بھی اگرچہ اس کے سال آیندہ قنصل منتخب ہونے کی عام توقع تھی، مجلس سے نکلوا دیا۔ محض اس بنا پر کہ اس نے روزِ روشن میں اپنی بیٹی کے سامنے اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا تھا! خود اپنے متعلق کے تو کا بیان تھا کہ میری بیوی سوائے سخت کڑک چمک کے وقت کے کبھی میرے آغوش میں نہیں آئی۔ گویا جوپیٹر دیوتا کا گرجنا اس کی خوش وقتی اور دل لگی کا وقت ہوتا تھا۔ ایک اور لوسئیس کے ساتھ اس کی بدسلوکی کسی قدر عام ناراضی کا سبب ہوئی۔ یہ سی پیو کا بھائی تھا اور خود بھی جلوسِ فتح کی عزت حاصل کر چکا تھا کے تو نے اس کا گھوڑا چھین لیا اور بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ اس حرکت سے عمداً اس کے بھائی سی پیو فاتح افریقہ کی، جو اس وقت فوت ہو چکا تھا، توہین منظور تھی۔ مگر سب سے زیادہ اس کی جس بات سے لوگ چڑے اور دق ہوئے، وہ لوگوں کے تکلفات کو کم کرنا تھا۔ کیوں کہ علانیہ اور براہ راست تو ان پر ہاتھ ڈالنا بالکل ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ لیکن کے تو نے ایک اور تدبیر نکالی، وہ یہ کہ تمام زنانہ زیورات گھر گرہستی کے ساز و سامان

اور گھوڑا گاڑی وغیرہ کو جن کی کل قیمت پندرہ سو درہم سے زیادہ تھی، انھیں اصل داموں سے دس گنا زیادہ آنکا تاکہ زیادہ تشخیص مالیت کی وجہ سے محصول بھی زیادہ وصول کیا جا سکے۔ علاوہ بریں اس نے یہ ضابطہ بھی نیا بنایا کہ اس قسم کے سامانِ تکلف پر تین پیسے فی ہزار محصول اور ادا کیا جائے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ جو لوگ ایسی غیر ضروری چیزیں بڑھا لیتے ہیں، انھیں سرکاری کر لگا کے روکا جائے اور وہ ان کفایت شعاروں کی ریس پر آمادہ ہوں جو ان کے برابر آمدنی رکھنے کے باوجود اپنے ساز و سامان کی کمی کے باعث اس محصول سے محفوظ رہیں۔ اس طرح کے تو سے وہ لوگ بھی ناراض ہوئے جنھیں یہ نئے محصول بھرنے پڑے اور وہ بھی جنھیں انھی محصولوں کے خوف سے سامانِ تکلف بڑھانے سے مجبوراً رکنا پڑا کیوں کہ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہی کہ جو احکام اظہارِ تموّل سے روکیں، وہ درحقیقت تموّل چھین لینے کے ہم معنی ہیں۔ اس لیے کہ تموّل کا اظہار ہی ان اسبابِ عشرت سے ہوتا ہی جو معمولی اور ضروری اشیا کے علاوہ ہوں۔ اسی معاملے پر حکیم اریس تون نے اظہارِ تعجب کیا تھا کہ یہ کیا بات ہی کہ ہم ضروری اور مفید سامانِ زیست رکھنے والوں سے زیادہ خوش حال ان کو کہتے ہیں جو زائد از ضرورت سامان رکھتے ہوں؟ لیکن تھسلی کے مشہور دولت مند سکوپاس سے جب اس کے کسی دوست نے کوئی ایسی شے مانگی جو کچھ بہت کارآمد نہ تھی اور کہا کہ تمھیں ذاتی طور پر اس کی کوئی ضرورت نہیں ہی تو سکوپاس نے جواب دیا کہ

خوش حالی ہیں!

غرض، اصلیت یہی ہے کہ تموّل کی خواہش کچھ ہماری فطرت میں نہیں ہے بلکہ زیادہ تر محض بازاریوں کو خوش کرنے کی خاطر پیدا ہوتی ہے۔

بہ ایں ہمہ کےتو نے کسی ناراضگی کی پروا نہ کی اور اپنی سخت گیری کو برابر بڑھاتا ہی چلا گیا۔ بہت سے لوگوں نے نل لگا لگا کے سرکاری پانی اپنے گھروں اور باغیچوں میں لے لیا تھا کےتو نے وہ سب نل کٹوا دیے اور ان عمارتوں کو بھی جن کے چھجے بازار اور کوچوں میں آگے بڑھے ہوئے تھے، تڑوا دیا۔ سرکاری عمارتوں کے ٹھیکے بھی اس نے کم سے کم داموں پر دیے اور اس کے برعکس محصولات (کی وصولی) کا ٹھیکہ اس کو دیا جس نے زیادہ سے زیادہ رقم لگائی۔ ان حرکتوں سے بہت لوگ اس سے بیزار ہو گئے اور ٹی ٹس فلے می نی نس کے گروہ نے اس کے تمام ٹھیکے اور قرار دادیں مجلس میں سلطنت کے لیے مضر بتا کے منسوخ کرا دیں جو مذہبی عمارتوں کی تعمیر و مرمت کے واسطے کےتو نے کی تھیں۔ انھی نے سب سے دلیر ٹری بون کو اُبھارا کہ اس پر الزام لگا کے دو ٹیلنٹ جرمانہ کر دے اور کےتو اپنے نام پر جو کچہری لوگوں کے خرچ سے خاص ایوانِ مجلس کے قریب چوک میں بنوانا چاہتا تھا، اس کی بھی سخت مخالفت کی۔ لیکن عام طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جمہور اس کی محتسبی سے خوش تھے چناں چہ انھوں نے اس کا بُت صحت کی دیوی کے مندر میں نصب کرایا اور اس کے کتبے میں کوئی ذکر اس

کے جنگی کارناموں یا فتوحات کا نہیں کیا بلکہ اس مفہوم کی عبارت کندہ کرائی کہ: "یہ کیٹو محتسب ہی جس نے اپنے انضباط اور معتدل عاقلانہ احکام سے روما کی حکومتِ ملّی کو قوی کیا اور انحطاط اور معصیت میں غرق ہونے سے بچا لیا"۔

اس شرف کے ملنے سے پیشتر کیٹو اور لوگوں پر جنھیں ایسی چیزوں کا شوق ہوتا ہی، ہنسا کرتا تھا کہ یہ لوگ بت تراشوں کی کاری گری اور نقاشوں کی چابک دستی پر بہت ناز کرتے ہیں حالاں کہ میری تو بہترین شبیہ لوگوں کے دلوں پر منقوش ہی۔ اور جب کبھی کوئی شخص تعجب کرتا کہ معمولی معمولی آدمیوں کے مجسمے نظر آئیں مگر تمھارا اب تک نہ بنے؟ تو کیٹو یہ جواب دیا کرتا تھا کہ میں اسی میں خوش ہوں کہ لوگ (مجھے اس قابل سمجھ کر) بار بار سوال کریں کہ تمھارا بت اب تک کیوں نہ بنا؟ نہ یہ کہ تمھارا بت کس وجہ سے بنا؟ المختصر اسے پسند نہ تھا کہ کوئی شریف آدمی کسی کی تعریف سننا گوارا کرے بجز اس تعریف کے جو حقیقت میں اہلِ وطن اور حکومتِ ملّی کے لیے مفید ہو۔ بہ ایں ہمہ اس نے اپنی حد درجہ ستائش کی ہی۔ وہ کہتا ہی کہ جب لوگوں سے خطا ہو جاتی تھی اور ان کی گرفت کی جاتی تھی تو وہ اپنی برات کے جواز میں یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم پر الزام رکھنا فضول ہی ہم خطا و نسیان سے مرکب انسان ہیں، کوئی کیٹو تھوڑی ہیں!!

وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ بعض لوگ، جو بھدے پن سے اس کے کاموں کی نقالی کرتے ہیں، کھٹے کیٹو کہلاتے ہیں۔ اور یہ کہ آفات و مصائب کے وقت مجلسِ ملکی کی اس پر اس طرح نظریں پڑتی ہیں،

جس طرح کہ جہاز کے ناخدا پر۔ اور جب وہ نہیں ہوتا ہی تو اکثر وہاں بڑے بڑے معاملات کا تصفیہ ملتوی کر دیا جاتا ہی۔

واضح رہے کہ یہ محض کے تو کی شیخیاں نہ تھیں بلکہ اور لوگوں نے بھی ان کی تصدیق کی ہی کیوں کہ وہ واقعی اپنی پاکیزہ زندگی، فصاحت اور عمر کی وجہ سے شہر میں بڑا اقتدار رکھتا تھا۔

کے تو اپنی اولاد کا بڑا شفیق باپ اور بیوی کا بہت اچھا شوہر اور پرلے درجے کا کفایت شعار تھا۔ امورِ خانہ داری میں اسے خوب سلیقہ تھا اور چوں کہ وہ ان چیزوں کو حقیر نہ سمجھتا تھا بلکہ بہت خیال کے ساتھ ان کا انتظام کرتا اس لیے میں ضروری جانتا ہوں کہ ان صفات میں اس کی بعض قابلِ تحسین باتوں کا تھوڑا سا ذکر اور تحریر کروں۔

کے تو نے شادی دولت سے زیادہ شرافت دیکھ کے کی تھی کیوں کہ اس کی رائے تھی کہ امیر زادی اور مال دار عورتیں مغرور و متکبر ہوتی ہیں۔ لیکن شریف زادی کو کمینی حرکتوں سے شرم آتی ہی اور اس لیے وہ ہر ایک جائز اور حق بات میں اپنے خاوندوں کی بڑی اطاعت گزار اور وفا شعار بیویاں ہوتی ہیں۔

وہ کہا کرتا تھا کہ جس شخص نے اپنی بیوی یا بچے پر ہاتھ اٹھایا، اس نے مقدس ترین شی کی اہانت کی۔ اور اس کی دانست میں اچھا شوہر مجلسِ ملکی کے بڑے سے بڑے رکن سے زیادہ قابلِ ستائش تھا۔ چناں چہ حکیم سقراط کی سب سے زیادہ تعریف وہ اس وجہ سے کرتا تھا کہ اُس نے بے عقل اولاد اور ایک بدزبان بیوی کے

ساتھ ساری عمر بے نوثی اور خوشی کے ساتھ نباہ دی۔

جب کے تو کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو اہم ملکی معاملات کے سوا، اور کوئی کام اُسے اتنا ضروری نظر نہ آتا تھا جتنا کہ بیوی کے پاس بیٹھے رہنا، بچے کو نہلانے دُھلانے اور نہالچے میں لپیٹنے میں مدد دینا۔ دودھ خود اُس کی بیوی پلاتی تھی بلکہ وہ اکثر اپنے نوکروں کے بچوں کے منہ میں بھی دودھ دے دیتی تھی تاکہ انھیں اس کے بچے سے دودھ پلائی کی محبت ہوجائے۔ جب بچہ زرا سیانا ہوگیا تو کے تو نے خود اُسے پڑھنا سکھایا حالاں کہ اس کے ہاں چیلو نام کا ایک عمدہ نحوی ملازم تھا اور بہت سے اور بچّے بھی اُس سے پڑھا کرتے تھے۔ مگر جیسا کہ وہ خود کہتا تھا، اسے یہ اچھا نہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک نوکر اُس کے بچّے کو ڈانٹے یا سبق یاد نہ ہونے پر کان مروڑے۔ اور نہ وہ یہ پسند کرتا تھا کہ علم جیسی شی سکھانے میں نوکر کا احسان اس کے بچّوں پر رہے۔ غرض وہ خود ہی اس کو صرف و نحو، قانون اور (جسمانی) ورزشیں سکھاتا تھا۔ اس کی تعلیم تیر اندازی، طریقِ جنگ یا سواری تک محدود نہ تھی بلکہ وہ مکّے بازی، گرمی سردی کی برداشت کرنا اور نہایت تیز و تُند دریاؤں میں تیرنا بھی بتاتا۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے اپنے ہاتھ سے بڑے بڑے حرفوں میں تاریخیں بھی تحریر کی تھیں تاکہ میرا بیٹا گھر کے اندر ہی رہ کر اپنے بزرگوں اور اپنے ہم وطنوں کے حالات سے روشناس ہوجائے۔ وہ اپنے بیٹے کے سامنے غیر مہذب لفظ بولنے سے اتنا ہی پرہیز کرتا تھا جتنا کہ مقدّس کنواریوں کی موجودگی میں۔ اور نہ اپنے بیٹے کے ساتھ کبھی نہاتا جس کا رومیوں میں عام رواج

تھا۔ داماد البتہ اپنے سسروں کے ساتھ نہانے سے پرہیز کرتے تھے اور ایک دوسرے کو برہنہ دیکھنا بہت بُرا جانتے۔ لیکن پہلے تو انھوں نے یونانیوں سے مردوں کے آگے برہنہ ہونا سیکھا پھر اتنی ترقی کی کہ خود یونانیوں کو عورتوں کے ساتھ ننگے نہانے کا سبق دینے لگے۔

اس طور پر کسی عمدہ عمارت کی طرح کےتو نے اپنے بیٹے کو محنت سے بنایا اور صفاتِ محمودہ سے اس کی آراستگی کی۔ اس کی مستعدی اور اطاعت گزاری کے آگے کےتو کو بھی کبھی شکایت کا موقع نہیں پیش آیا۔ مگر چوں کہ جسم اس کا بہت کم زور تھا اور سختیاں اٹھانے کے لائق نہ تھا، کےتو نے بھی اسے پُر مشقت زندگی کا عادی بنانے پر زور نہ دیا۔ لیکن گو یوں وہ زیادہ تن درست نہ تھا تاہم میدانِ جنگ میں بڑا لڑنے والا نکلا۔ اور پاولس امی لی اس کا پرسیس سے مقابلہ ہُوا تو اُس لڑائی میں اس نے بڑی شجاعت دکھائی۔ چناں چہ جب کسی ضرب کے صدمے سے اس کی تلوار گر پڑی یا غالباً قبضے پر سے پسیج کر نکل گئی تو اس کو ایسی غیرت آئی کہ پلٹ کے اپنے بعض رفقا کو پھر اپنے ساتھ لیا اور دوبارہ دشمن پہ جا پڑا۔ اور دیر تک لڑکر آخر بڑی کشمکش کے بعد ہتیاروں کے ڈھیر میں سے اپنی گری ہوئی تلوار (اگرچہ ارد گرد دوست دشمن کی لاشیں پٹ گئیں) اس نے لے کے چھوڑی۔ اس واقعے پر اس کے سپہ لار پاولس نے بڑی شاباشی دی اور خود کےتو کا ایک خط بھی بیٹے کے نام ملا ہے جس میں اس ہمت کی بہت کچھ داد دی گئی ہے۔ بعد ازاں اس لڑکے کی شادی پاولس ہی کی بیٹی اور سپیو کی ہم شیر ترشیا سے ہوئی اور اس مشہور خاندان میں فقط

باپ ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ اتی اوصاف کے اثر سے اس کا پیوند ہوا۔ گویا کے تو نے بیٹے کی تعلیم پر جو دردسری اٹھائی تھی، وہ رائیگاں نہ گئی۔

کے تو اسیرانِ جنگ میں سے بہت سے غلام خرید لیا کرتا تھا مگر زیادہ تر ایسے جفاکش اور مضبوط جوانوں کو چنتا، جو بچھیروں کی طرح سدھائی کی مار پیٹ بہ آسانی سہ سکیں۔ ان میں سے کوئی بغیر اجازت کسی دوسرے کے گھر میں نہ گھس سکتا تھا اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ تمھارا آقا (کے تو) کیا کرتا ہی؟ تو وہ کوئی جواب نہ دیتے، سوائے اس کے کہ ہمیں خبر نہیں۔ گھر پہ جتنے نوکر رہتے، وہ سب مجبور تھے کہ یا کچھ کام کرتے رہیں یا سو جائیں۔ کیوں کہ کے تو بے کار جاگنے والوں سے سونے والوں کو زیادہ تربیت پذیر اور کام کے قابل تصور کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ تھوڑے سے آرام کے بعد آدمی پھر چاق و چوبند ہو جاتا ہی۔ اس کی یہ بھی رائے تھی کہ غلاموں میں سستی اور مستی پیدا ہونے کا اصل سبب یہ ہی کہ انھیں اپنی خواہشِ نفسانی پورا کرنے کی مہلت دے دی جاتی ہی۔ لہذا اس نے اپنے غلاموں پر آپس میں ملنے جلنے کے لیے ایک رقم معاوضہ لگا دی اور گھر سے باہر کسی سے تعلق یا رابطہ رکھنے کی سخت ممانعت کردی۔

ابتدا میں جب وہ محض معمولی سپاہی تھا تو کھانے پکانے کے بارے میں سخت گیری اور نوکر سے تنورِ شکم کی خاطر جھگڑنے کو

دوست احباب یا اپنے ہم منصب رفقا کی دعوتیں کرنے لگا تو دسترخوان اٹھتے ہی اس کی عادت تھی کہ ایک دُرہ ہاتھ میں لے کر باورچی خانے میں گھستا اور گوشت بنانے یا پکانے میں جن سے غفلت ہوتی، ان کو خوب اُدھیڑتا۔ وہ اپنے نوکروں میں کچھ نہ کچھ جھگڑا فساد پیدا کر دینے کی بھی فکر میں رہتا تھا، کیوں کہ ہمیشہ اسے یہی بدگمانی اور خدشہ دامن گیر رہا کہ ان کی آپس میں ملی بھگت نہ ہو؟ کوئی نوکر کسی قابل سزائے موت جُرم کا مرتکب ہوتا دکھے تو اس کے ساتھ والوں سے انصاف کراتا اور وہ بھی اسے مجرم ٹھہرا دیتے تب مرتکب کو سزا دیتا۔ چوں کہ کے تو کو نفع کی ہوس تھی اس لیے رفتہ رفتہ وہ زراعت کو فائدہ مند ہونے کی بجائے زیادہ تر شوق کی چیز سمجھنے لگا اور اپنا پیسہ زیادہ نفع رساں اور مستقل کاموں میں لگانے کے خیال سے اُس نے تالاب، نہانے کے گرم چشمے، کھریا مٹی کے قطعے، کرائے والی زمینیں چراگاہیں اور جنگل مول لینے شروع کیے جن سے اسے کثیر سالانہ آمدنی ہوتی تھی اور بہ قول اس کے جوپیٹر[1] دیوتا بھی کچھ زیادہ ان کا نہ بگاڑ سکتا تھا۔

کے تو کو سود خواری کی عادت بد بھی تھی۔ خاص کر سمندر کے بیوپار میں جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ جن کو وہ قرض دیتا تھا، ان پر زور ڈالتا تھا کہ وہ اور لوگوں کو بھی تجارت میں شریک کریں اور جب ان حصے داروں کی تعداد پچاس ہو گئی اور اتنے ہی اُن کے پاس جہاز ہو گئے تو اس نے یہ ڈول ڈالا کہ اپنے ایک آزاد کردہ غلام کے نام سے خود بھی ایک حصہ خرید لیا۔ یہ غلام

---

[1] برق و باراں اور یونانیوں کا دیوتا۔

ان سوداگروں کے ساتھ سفر میں جاتا تھا اور تمام کاروبار میں شریک رہتا تھا۔ اس طرزِ عمل سے کے تو کا اصل مدعا یہ تھا کہ اگر تجارت میں خسارہ ہو تو اس کا سارا رُپیہ نہ ڈوبے بلکہ اس کے ایک جز پر زد پڑے اور منافع بے شمار ہو۔ وہ اپنے غلاموں کو بھی رُپیہ قرض دیا کرتا تھا کہ سود پر چلائیں اور کم عمر غلام خریدیں جن کو سال بھر تک کے تو کے خرچ سے پرورش اور تربیت کر کے فروخت کر دیا جاتا تھا۔ لیکن ان میں سے بعض کو خود کے تو انھی داموں پر مول لے لیتا تھا جتنے کہ کسی اور نے لگائے ہوں۔

بیٹے کو بھی کفایت شعار اور اپنے مزاج کا بنانے کے لیے وہ اس سے کہا کرتا تھا کہ "کسی جاگیر کی حیثیت کم ہو جانے دینا مرد کے لیے زیبا نہیں، بیوہ عورتوں کے لیے ہو تو ہو" مگر اس کی حریص طبیعت کا سب سے بڑھ کر اندازہ اس قول سے ہوتا ہے، جس میں اس نے بڑی دیدہ دلیری اور تیقن کے ساتھ بیان کیا ہے جو شخص اپنا ترکہ کچھ بڑھا کے چھوڑ جائے، اس کے برابر کوئی شخص قابلِ تعریف بلکہ خدا شناس نہیں ہوسکتا۔

کے تو بہت بوڑھا ہو چکا تھا، جب اتھنز سے فلسفۂ افلاطون کا پیرو کارنیادیس اور مذہب رواقیہ کا عالم دیوجانس وکیل بن کے روما آئے تاکہ وہ پان سو ٹیلنٹ جرمانہ معاف کرائیں جو شہر اتھنز پر ایک قصور کی سزا میں کیا گیا تھا۔ اس معاملے میں اوروپی مدعی اور سکیونی قوم کے لوگ حکم بنائے گئے تھے مگر اتھنز والے پیشی کے وقت نہ آئے اور ان کی غیر حاضری میں اس کا فیصلہ

ہوگیا۔ ان فلسفیوں کے پہنچتے ہی ان کی قیام گاہ پر طلبا کا ہجوم رہنے لگا۔ جو ذوق و شوق سے ان کی تقریریں سنتے مگر کارنیادیس کی شہرت اور حقیقت میں قابلیت زیادہ تھی اور اسی کی جادو بیانی نے بے شمار شائقین کو اپنے درس میں کھینچنا شروع کیا اور زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ آندھی کی مانند اس کی فصاحت کا شہر بھر میں زور بندھ گیا۔ رومی یہ دیکھ کر نہایت خوش ہوئے کہ ایک مشہور فاضل نے اپنے علم اور فنِ خطابت کے زور سے سارے نوجوانوں کو یونانی علم ادب اور فلسفے پر اس درجے مائل کردیا کہ اب وہ اپنے تمام مشاغل سیر و تفریح چھوڑ چھوڑ کر علمی باتوں کے شوق میں اس کے پاس پہنچتے ہیں۔ لیکن اس عام خیال کے برعکس کے تو ابتدا سے تقریر بازی کا مخالف تھا کہ کہیں یہ لسانی اور خوش بیانی کا جوش نو عمر رومیوں کو گمراہ نہ کردے اور وہ لفاظی اور شوکتِ بیان کے آگے نیزہ و تلوار اور اعمالِ صالحہ کو فراموش کر بیٹھیں۔ پھر جب ان فلسفیوں کا شہرہ اور بڑھا نیز کے اس اسی لیس جیسا معزز شخص مجلس میں ان کی پہلی پیشی پر ترجمانی کی خدمت ادا کرنے کھڑا ہوا تو کے تو نے کسی بہانے سے ان یونانی حکما سے شہر خالی کرانے کا عزم بالجزم کرلیا اور مجلس میں آکر حکامِ وقت پر سخت نکتہ چینی کی کہ ان وکیلوں کو اب تک بے کار ٹھیرائے رکھا ہے حالاں کہ یہ اس قسم کے لوگ ہیں کہ اپنے اثر سے شہر والوں کو جس طرف چاہیں، لگا دیں۔ پس ان کی درخواست کا جلد سے جلد فیصلہ کردینا چاہیے تاکہ یہ بلا تاخیر اپنے گھر اور ان کی درس گاہوں میں پہنچ کر یونانی بچوں کی تعلیم

و تربیت میں مصروف ہوجائیں اور رومی لڑکوں کو ان کے حال پر (اپنے قوانین اور حکّام کا فرماں بردار) چھوڑ دیں۔

اس کوشش میں جیسا کہ بعض لوگوں کو غلط گمان ہے، کارنیادیس سے کوئی ذاتی کاوش پنہاں نہ تھی، بلکہ واقعی کےتو سرے سے فلسفے ہی کو ناپسند کرتا تھا اور تمام یونانی علم ادب اور اس کی تعلیم کی ازرہِ تبختر تضحیک کرتا تھا۔ مثلاً حکیم سقراط کو کہتا کہ "وہ محض بکّی اور فسادی شخص تھا جس نے سارے ملک کو اپنے کلّے میں دبانا چاہا تھا۔ پُرانے رسوم و رواج کی بیخ کنی کے درپے تھا اور لوگوں کو بہکا سکھا کے قوانین رائج الوقت کے خلاف خیالات پھیلاتا تھا" حکیم ایسوکریتیس کے حلقۂ درس کی تضحیک میں بھی وہ کہا کرتا تھا کہ "دیکھو اس کے شاگرد پڑھتے پڑھتے بڈھے ہوگئے اور اب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی لیاقت اور منطق عالم ارواح میں جاکے مینوس[1] کی کچہری میں دکھائیں گے"۔

اپنے بیٹے کو یونانی زبان سے ڈرانے کے واسطے کےتو ایسے جوش سے جو اس کی عمر کے سراسر ناموزوں تھا اور ملہمانہ انداز سے کہا کرتا تھا کہ جس دن یونانی ادبیات کی وبا پھیل جائے، سمجھو کہ رومہ کی موت قریب ہے۔ مگر اس کی یہ پیشین گوئی زمانے نے لغو و باطل ٹھیرائی، کیوں کہ سچ پوچھیے تو یونانی علم و فضل ہی کے عہد اشاعت میں رومۃ الکبریٰ معراج ترقی پر پہنچا۔

یونانی حکما ہی پر موقوف نہیں، کےتو یونانی اطبا سے بھی

---

[1] مینوس عالم آخرت کا قاضی جو یونانی عقیدے کے مطابق اعمال کی جانچ پڑتال اور پرسش کرے گا۔ ۱۲ م

بیزار تھا۔ معلوم ہوتا ہے، اس نے کہیں سُن لیا تھا کہ جب بقراط کو شاہ ایران نے بہت سا مال و زر دے کر اپنے ہاں بلوایا تو اس نے جواب دے دیا کہ "مَیں یونان کے ہر دشمن بدیسیوں کی کوئی خدمت کرنی نہیں چاہتا۔" اسی پر کے تو کا قول تھا کہ سارے یونانی طبیب آج کل بقراط کی تقلید کرنے کا حلف اٹھاتے ہیں اور اس نے بیٹے کو اسی بنا پر تاکید کر دی تھی کہ ان سے بچے اور ہمیشہ ہوشیار رہے۔ خانداں میں جو لوگ بیمار ہوتے، ان کے علاج معالجے کے واسطے خود اس نے ایک چھوٹی سی کتاب نسخوں کی بنا رکھی تھی۔ اس کا قاعدہ تھا کہ مریض کو کبھی فاقہ نہ کراتا بلکہ ترکاری یا بط، کبوتر یا خرگوش کے بچے کا گوشت کھانا تجویز کرتا تھا۔ یہ اس کی دانست میں ہلکی اور بیماروں کے لیے عین مناسب غذائیں تھیں۔ البتہ جو انھیں کھاتا، اُسے خواب ذرا زیادہ نظر آتے۔ وہ کہتا تھا کہ اس قسم کی حکمت سے مَیں نے نہ صرف اپنے آپ کو اور گھر والوں کو اچھا کیا بلکہ انھیں تن درست رکھا۔ لیکن ان تنبیہوں کی سزا پائے بغیر وہ نہ رہ سکا، کیوں کہ اس کی بیوی اور پھر بیٹا دونوں اس کے سامنے مرے۔ مگر اپنی کاٹھی مضبوط ہونے کے سبب وہ خود عرصے تک زندہ رہا۔ اور بڑھاپے میں بھی عورتیں بلاتا تھا بلکہ ایک مزے دار جُل دے کے اس وقت کہ جوانی اور عہدِ تعشق کی حدود سے بہت دُور نکل آیا تھا، ایک کم سن عورت سے شادی رچائی، اس کا قصہ اس طرح یہ ہے کہ اس کی پہلی بیوی مر چکی تھی اور بیٹا بہو بیاہ لایا تھا پھر بھی کے تو کی ہوس قائم تھی، اور ایک نوجوان عورت خفیہ طور پر اس کے پاس

آیا جایا کرتی تھی۔ مگر گھر مختصر تھا اور اب اس میں بہو بھی رہتی سہتی تھی لہٰذا یہ کارروائی بہت دنوں تک نہ چھپ سکی۔ چناں چہ ایک مرتبہ جو کے تو کی داشتہ ذرا زیادہ دلیری کے ساتھ گزری تو اس کے نوجوان بیٹے کو بہت ناگوار ہوا، زبان سے وہ کچھ نہ بولا مگر گھور کے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ اس حال کی بڈھے کے تو کو بھی خبر ہوگئی کہ اس کی حرکتیں ناپسند کی جانے لگی ہیں۔ تب بغیر لڑے جھگڑے وہ حسبِ معمول اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُس دن چوک کی طرف گیا اور وہاں ایک شخص سالوٹیس کو جو اس کے ماتحت منشی بھی رہ چکا تھا، پکار کے بلایا اور پوچھنے لگا کہ تم نے اپنی بیٹی کی شادی کردی؟

سالونیس نے کہا "نہیں۔ نہ آپ کے مشورے بغیر کرنے کا ارادہ۔"

کے تو نے کہا "میں نے تمھارے لیے بڑا اچھا داماد ڈھونڈا ہے بہ شرطے کہ تم اس کی عمر کا خیال نہ کرو۔ اور سب طرح تو وہ بالکل مناسب ہے البتہ اس کی عمر بہت زیادہ ہوگئی ہے۔"

سالونیس نے پھر بھی یہی کہا کہ "جو کچھ آپ فرماتے ہیں، مجھے منظور ہے، میری بیٹی آپ ہی کی کنیز ہے اور آپ اس کی خیرخواہی اور سرپرستی نہ کریں گے تو کون کرے گا؟"

یہ سُن کر کے تو نے رمز و کنایے بالائے طاق رکھے اور صاف صاف کہہ دیا کہ میں خود اس لڑکی کو بیاہنا چاہتا ہوں۔

ان الفاظ نے ظاہر ہے، بے چارے سالونیس کو بے حد متحیر کیا۔ کے تو کے اس قدر عمر رسیدہ ہونے کے علاوہ اس کے خواب میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ ایسا نام ور شخص جو قنصل رہ چکا ہے اور

جلوس فتح کا اعزاز پا چکا ہے، اس کے ہاں پیوند کرنا منظور کرے گا۔ بہرکیف جب اس نے دیکھا کہ واقعی کے تو ایسا چاہتا ہے تو بہ خوشی رضامند ہوگیا اور اس وقت ان دونوں نے فورم (یعنی "قاضی کی عدالت) میں جاکر اس معاملے کی باضابطہ تکمیل کر دی۔

جس وقت یہ شادی ہو رہی تھی، کے تو کا بیٹا اپنے چند دوستوں کو ساتھ لے کر اس کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ "کیا ہم سے آپ کسی وجہ سے ناراض ہو گئے ہیں کہ سوتیلی ماں لانے کا خیال پیدا ہوا؟" لیکن کے تو نے چلا کے جواب دیا "واللہ بچے یہ تو خیال بھی دل میں نہ لانا کہ تم سے میں ناراض ہوں۔ البتہ میں چاہتا ہوں کہ میرے بہت سے بیٹے ہوں اور اپنی حکومتِ قومی کے لیے تم جیسے کئی وطن پرست چھوڑ جاؤں۔" یہی جواب سنا ہے ایتھنز کے ظالم بادشاہ پی سسٹیس تراسوس نے اپنے بیٹوں کو دیا تھا جن کے جوان ہونے کے بعد اس نے دوسری شادی کی تھی بعد اسی سے اس کے دو بیٹے یوفن اور تھالس ہوئے تھے۔

اس دوسری بیوی سے کے تو کے ایک بیٹا ہوا جس کا نام اس کی ننھیال پر اس نے سالونیس رکھا۔ اسی زمانے میں اس کا پہلا بیٹا صدرِ عدالت (پریٹر) کے عہدے پر پہنچ کر فوت ہوگیا۔ کے تو اپنی کتابوں میں جگہ جگہ اس کی شرافت و لیاقت کی ستایش کرتا ہے لیکن اس کی موت پر اس نے رشتۂ ضبط کو ہاتھ سے نہ دیا، بلکہ اس غم کو حکیمانہ انداز سے برداشت

کیا۔ نہ اس رنج سے دل فگار ہوکر اس نے قومی معاملات سے کوئی بے توجہی کی ۔ وہ دوسروں کی طرح بڑھاپے میں سست یا مضمحل نہیں ہوا تھا۔ نہ یہ سمجھ کے کہ خدمتِ قومی ایک وقتی فریضہ ہوتا ہے، اس سے کنارہ کش ہوگیا تھا۔ نہ سی پیو کی مانند حاسدوں کے حملوں سے متاثر ہوکر لوگوں کی جانب سے اس نے منہ پھیر لیا تھا کہ باقی ماندہ عمر بے کاری سے گوشہ نشیں رہ کر گزار دے بلکہ اس شخص کی رائے کے مطابق جس نے ڈیونی سیوس کو جتا دیا تھا کہ دنیا میں سب سے معزز مقبرہ بنانا چاہے تو فرض کی ادائی میں جان دے، کے تو بھی اسی بڑھاپے کو قابلِ عزت سمجھتا رہا جو آخر تک لوگوں کی خدمت میں صرف کیا جائے ۔ اسی مصروفیت میں کبھی فرصت ملتی تو وہ خانہ داری اور تصنیف و تالیف کے شغل سے جی بہلا لیتا۔ چناں چہ کئی کتابیں اور تاریخیں اس نے لکھی ہیں۔ اوائلِ جوانی میں وہ زیادہ تر زراعت سے رُپیہ کمانے کی فکر میں رہا تھا، کیوں کہ وہ کہا کرتا تھا کہ میری آمدنی کے صرف دو ذریعے ہیں: زراعت یا جُز رسی ۔ سو اب بڑھاپے میں بھی زراعت ہی کو مشغلہ بنایا اور اسی کے مضمون کا مطالعہ بھی کیا. ایک کتاب اس نے دیہاتی معاشرت پر بھی لکھی جس میں اپنے اظہار شوق و تجسس کی غرض سے ادنا ادنا چیزیں اور فروعی باتیں تفصیل سے بیان کی ہیں، حتیٰ کہ روٹی پکانے کے طریقے اور پھل کو عرصے تک اچھی حالت میں رکھنے کی تدابیر کی جزئی تفصیلیں بھی نہیں چھوڑیں۔

گاؤں پر رہنے کے زمانے میں کےتو کا دسترخوان بڑی رونق کا ہوتا تھا۔ وہ روز مرہ دوست احباب اور آس پاس والوں کی دعوتیں کرتا اور ہنس بول کے بڑے لطف سے وقت گزارتا۔ اسی باعث جوان اور بوڑھے ہر عمر والے کے لیے اس کی صحبت دلچسپ تھی۔ اس کی باتیں حقیقت میں سننے کے لائق ہوتی تھیں کیوں کہ بہت سی باتوں اور کاموں کا اُسے ذاتی تجربہ تھا اور اپنے قصّے بڑے مزے سے بیان کیا کرتا تھا۔ غرض دسترخوان پر کےتو کا جلسہ بے تکلف جمتا تھا اور یہیں دلیر اور قابل تعریف محبانِ وطن کے ذکرِ خیر اور افسانے دُہرائے جاتے مگر ذلیل اور نالائقوں کا مطلق تذکرہ نہ ہوتا کیوں کہ اپنے سامنے کےتو کو ان کی تعریف ہو یا ہجو، کچھ سُننا گوارا نہ تھا۔

بعض لوگوں کے خیال میں کےتو کی سب سے بڑی خدمت وطن قرطاجنہ کا استیصال کرانا ہی۔ گو اس سلطنت کا فیصلہ سی پیو اصغر کے زبردست ہاتھوں سے ہوا مگر لڑائی چھڑی زیادہ تر کےتو ہی کے صلاح و مشورے سے۔ تفصیل اس کی یہ ہو کہ جب مسی نیسا شاہ نومیدیا اور اہل قرطاجنہ میں جنگ چھڑی تو کےتو بناے مخاصمت دریافت کرنے کی غرض سے بھیجا گیا۔ یہ بادشاہ رومیوں کا اول سے دوست تھا مگر جب سے سی پیو اعظم نے قرطاجنہ کا زور توڑا، مقبوضات چھین لیے اور بڑا بھاری خراج ان کے ذمے ڈالا تب سے وہاں والے بھی رومیوں کے حلیف ہو گئے تھے لیکن کےتو کا قرطاجنہ پہنچنے پر خیال ہی بدل گیا۔ اس نے

وہاں دولت اور اسلحہ کی کثرت دیکھی، اہل حکومت کو بھی قابل اور ترقی کرنے پر کوشاں پایا۔ اس وقت رومیوں کی غلط فہمی اس پر کھُلی جو اپنے قدیم حریف کو ایک دفعہ کچل کر مطمئن ہوئے بیٹھے تھے۔ لہذا اس کے نزدیک روما کا مسی نیسا اور قرطاجنہ کے بیچ میں (بہ غرضِ صلح) پڑنا بالکل بے محل تھا۔ اس نے سوچا کہ زیادہ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ روما اپنے پشتینی دشمن کی روز افزوں قوت توڑنے کی فکر کرے، مبادا آگے چل کر وہ از سرِ نو انتقام کے درپے اور روما کے لیے خطرہ بن جائیں۔ یہ سوچ کر وہ بہت جلد وطن کو واپس پھرا اور مجلس میں آکر ارکانِ سلطنت کو بتایا کہ پچھلی ہزیمتوں نے قرطاجنہ کا زور اتنا نہیں توڑا ہے جتنا کہ اس کی حماقتوں اور بلند پروازیوں کو کم کر دیا ہے یعنی بجائے کم زور ہونے کے وہاں والے اب زیادہ تجربے کار اور جنگ سے واقف ہو گئے ہیں اور نومیدیا سے چھیڑ بھی انھوں نے محض لڑائی کی مشق کرنے کی خاطر نکالی ہے تاکہ آیندہ روما سے لڑنے کے لیے ان کے ہاتھ پاؤں کھل جائیں اور ان کی مصالحت کا بھی اصلی مقصد صرف التوائے جنگ ہے کہ تیاریوں کی مہلت مل جائے اور مناسب موقع ملتے ہی پھر لڑائی چھیڑ دیں۔

اس کے بعد کہتے ہیں اس نے اپنی عبا کو جھٹک کر افریقہ کی کچھ کھجوریں مجلس کے سامنے گرا دیں اور جب انھیں دیکھ کر بعض ارکانِ مجلس نے تعریف کی کہ یہ کیسی خوش نما اور بڑی ہیں تو کے تو نے فوراً کہا:

کی بحری مسافت پر واقع ہے!"

اور یہیں تک نہیں بلکہ بعد میں جب کبھی کوئی گفتگو وہ کرتا یا کسی معاملے میں مشورہ دیتا تو ہمیشہ آخر میں اس فقرے پر تان توڑتا کہ:

"نیز میری رائے میں قرطاجنہ کو بالکل فنا کر دینا چاہیے"۔

مگر سی پیو ناسیکا بھی ہمیشہ اپنی رائے اس کے بالکل برعکس ان الفاظ میں دیا کرتا تھا کہ میری دانست میں قرطاجنہ کا سلامت رہنا بہ درجۂ اولا مناسب ہے!

اس کی وجہ یہ تھی کہ ناسیکا اپنے ہم وطنوں کی حالت دیکھتا تھا کہ روز بروز ابتر ہوئی جاتی ہے۔ دولت اور خوش حالی نے انھیں اتنا مغرور و سرکش کر دیا کہ مجلس کی اب وہ ذرا پروا اور اطاعت نہیں کرتے، پس اس کے خیال میں ایک حریف کا خوف ان کے دل میں قائم رکھنا ضروری تھا تاکہ اہلِ شہر حکومت کے قابو سے باہر نہ ہو سکیں اور سرکش جمہور کو بھی یہی خوف اپنے اربابِ حکومت کا محتاج رکھے۔ اب قرطاجنہ ہی ایسا مدِ مقابل تھا جس میں رومہ کو مغلوب کرنے کی تو قوت تھی نہیں مگر ساتھ ہی اس کی جانب سے، اہلِ رومہ بے پروا اور بے خوف بھی نہ ہو سکتے تھے۔ دوسری طرف کیتو اس کو نہایت اندیشہ ناک جانتا تھا کہ ایک ایسی سلطنت جو ہمیشہ سے پُرعظمت مانی جاتی تھی اور اب مصائب سہنے کے بعد پہلے سے زیادہ ہوشیار ہوگئی تھی، یوں زندہ سلامت چھوڑ دی جائے کہ رومیوں کی تاک میں رہے اور جونہی ان کی بدعنوانیاں اور غلط کاریاں موقع دیں، ان پر ٹوٹ پڑے۔ پس کیتو اپنی بہترین مدافعت اسی کو سمجھتا تھا کہ

کہ جب اندرونی حالات مخدوش ہونے جاتے ہیں تو کم سے کم بیرونی خطرات ضرور دور کردینے چاہییں۔

اس طور پر بیان کیا جاتا ہی کہ قرطاجنہ سے تیسری اور آخری لڑائی کا اشتعال کے تو نے دلایا۔ لیکن اس کے چھڑتے ہی اس کا پیغامِ اجل آگیا اور وہ اس شخص کی نسبت جو ابھی بالکل کم سن تھا، یہ پیش گوئی کرکے مرگیا کہ فتح و نصرت کا سہرہ اسی کے سر رہے گا۔ کیوں کہ ابتدائی معرکوں ہی میں ٹریبون کی حیثیت سے وہ ایسی بہادری کے ساتھ لڑا کہ دھاک بیٹھ گئی اور اس کی خبر جب روما پہنچی تو کے تو نے یہ شعر پڑھا ؎

"وہ صاحبِ تدبیر ہی ہیں اس پہ رکھتا ہوں یقیں
باقی ہیں سب پرچھائیاں، جھل مل دکھائی اور گئیں!"

چناں چہ سی پیو نے یہ پیشین گوئی اپنے کارہائے نمایاں سے بہت جلد صحیح ثابت کردی۔

کے تو نے سالونیس کے سوائے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ پہلے بیٹے سے اس کے ایک پوتا ہوا تھا، وہ کم عمری میں مرگیا۔ سالونیس بھی صدرِ عدالت ہونے کے بعد فوت ہوگیا البتہ اس کے بیٹے مرقس نے قنصلی کے عہدے تک ترقی پائی اور اسی مرقس کا پوتا وہ حکیم کے تو ہوا جو اعمالِ صالحہ اور نام وری میں اپنے عہدے کا ممتاز ترین فرد گزرا ہی۔

ارس تی دیس اور مرقس کےتو کا موازنہ

ان نام ور بزرگوں کے بڑے بڑے واقعات زندگی بیان کرنے کے بعد اگر ہم ان کا باہم موازنہ کریں تو اس قدر مماثل حالات ملیں گے کہ ان میں سے وہ چیزیں چُن کر نکالنا دشوار ہوگا جن سے ان کا باہمی فرق اور کمی بیشی معلوم ہوسکے۔ بایں ہمہ اگر ان کی سوانح کا ایسی باریک بینی اور تفصیل کے ساتھ امتحان کیا جائے کہ جس طرح کسی تصویر یا نظم کا کیا جاتا ہے تو ان میں پہلی بات یہ مشترک نظر آئے گی کہ دونوں نے ذاتی محنت و لیاقت سے ترقی پائی اور اپنی اپنی دستوری حکومتوں میں اعلا ترین اعزاز و مناصب حاصل کیے؛ مگر اس میں بھی اتنا فرق قابلِ لحاظ معلوم ہوگا کہ جب ارس تی دیس سیاسی میدان میں داخل ہوا تو خود ایتھنز ثروت و اقبال کے معراج کمال پر پہنچا ہوا نہ تھا اور اس وقت کے اکثر مشاہیر و حکام تقریباً مساوی اور متوسط درجے کے دولت مند تھے چناں چہ سب سے بڑی جاگیر داری ان کی سمجھی جاتی تھی جن کے پاس پانسو میڈم زمین ہو دوسرے نمبر کے جاگیردار

"صاحب الفرس" (نایٹ) کہلاتے تھے اور تیسرا گروہ زیوگیتی کا تھا جن کے پاس تین سو اور دو سو میڈم زمین ہوتی تھی۔ اس کے برعکس کے تو ایک چھوٹے گاؤں کی دیہاتی زندگی سے نکل کر قومی حکومت کے میدان میں داخل ہوا اور کہنا چاہیے کہ ایسے وقت ایک ذخار سمندر میں کودا جب کہ دومہ میں کیودی، فبریسی اور ہوسٹلی جیسے (کم مایہ) اشخاص حکم راں نہ تھے اور نہ اونا مزدوروں کو ہل اور پھاوڑا چلاتے چلاتے اعلا ترقیوں یا ملکی مناصب و اعزاز پانے کی کوئی توقع ہو سکتی تھی، بلکہ شہر میں امتیاز صرف اُن کو حاصل ہوتا تھا جو مشہور خاندانی یا بڑے دولت مند ہوں اور نہایت دریا دلی کے ساتھ لوگوں کی خاطر مدارات میں روپیہ صرف کر سکیں۔ علاوہ ازیں مغرور اہلِ شہر کی رضا جوئی بھی ضروری تھی جو ہر طلب گارِ منصب کو اپنا دستِ نگر سمجھتے اور اس کے اظہار میں بھی باک نہ کرتے تھے۔ غرض سچ یہ ہی کہ تمس طاکلیس جیسے کم نسب اور کم حیثیت حریف کے مقابلے میں بازی لے جانا (کیوں کہ کہتے ہیں، طاکلیس نے پہلے پہل امورِ ملک داری میں قدم رکھا تو اس کی چار پانچ ٹیلنٹ سے زیادہ کی بضاعت نہ تھی) ایسی بڑی اور دشوار بات نہ تھی جتنی کہ کسی سی پیو افریکانوس یا سروی اس گلبا اور یا فلے می نی نس کی رقابت۔ خاص کر ایسی حالت میں جب کہ ان کے مدِ مقابل کے پاس ایک آزاد و حق کوش زبان کے سوا کوئی دوسری قوت اور سہارا نہ ہو۔

اس کے علاوہ ارس تی دیس، میراتھن اور پلاٹیا، دونوں لڑائیوں کے موقع پر من جملہ دس سپہ سالاروں کے ایک تھا۔

حالاں کہ کےتو کی قنصلی صرف ایک کی شرکت میں تھی اور وہ نہ صرف اس عہدے کے انتخاب میں کئی رقیبوں سے جیتا بلکہ منصب احتساب کے لیے بھی اسے سات صاحب ثروت دعوا داروں پر ترجیح دی گئی۔ پھر یہ کہ کوئی فتح ایسی نہیں جس کا سہرا (بہ حیثیت سپہ سالار ہونے کے) ارس تی دیس کے سر بندھے کیوں کہ جنگ میراتھن میں مل تیادیس اور جنگ سلامیس میں تمس طاکلیس کے نام فتح لکھی گئی اور پلاٹیہ کی جنگ عظیم میں، ہیرودوتس کے بہ قول، یہ اعزاز پوسے نیاس کا حصّہ تھا۔ نیز ان سب معرکوں میں سفانیز، امی نیاس، کالی ماکوس اور سنسی جیرس جیسے لوگوں نے جو پامردی دکھائی، اس کی وجہ سے فتح کے دوسرے درجے میں بھی وہ ارس تی دیس کے حریف ہیں۔ برخلاف اس کے کےتو (بہ زمانہ قنصلی) ہسپانوی محاربات میں، شجاعت و انتظام جنگ دونوں لحاظ سے اعلا سپہ سالار تھا اور جب دوسرے کی ماتحتی میں بہ حیثیت ٹریبون ان طیاکوس کے خلاف لڑا تو اس وقت بھی فتح کی عزت اسی کو حاصل ہوئی، کیوں کہ درّہ تھرموپلی پر اس کا راستہ نکالنا اور یکایک بے خبر دشمن کی پشت پر حملہ آور ہونا، حقیقت میں لڑائی کا جیتنا تھا۔ یہی وہ جلیل الشان فتح ہے جس نے یونان سے ایشیائی اقتدار کو دفع کیا اور بعد ازاں سی پیو کے لیے خود ایشیا پر چڑھائی کرنے کا راستہ نکال دیا اور یہ بھی سب کو تسلیم ہے کہ اس معرکے کا اصلی فاتح کےتو تھا۔

بیرونی معرکوں میں عام نیک نامی اور کامیابی، ارس تی دیس

اور کےتو ، دونوں کو یکساں ملی لیکن وطنی معاملات میں ارستی دیس کو اپنے دشمنوں کے ہاتھوں جلا وطنی کی تکلیف اور ذلّت اٹھانی پڑی ۔ اس کے برخلاف ، اگرچہ رومہ کے تقریباً تمام مقتدر اور ذی اختیار عمائد کےتو کے مخالف تھے پھر بھی ، وہ بڑھاپے تک ان سے کُشتیاں لڑتا رہا اور کسی سے زیر نہ ہوا ۔ ہزاروں ہی مقدمات اس نے لڑے ، کبھی مدعی بنا اور کبھی مدعا علیہ ، مگر ان میں اکثر فتح اسی نے پائی ۔ بہت سے حریفوں کو مغلوب کیا اور خود ہمیشہ صاف بچ کر نکل گیا ۔ اُسے یہ ساری کامیابی اپنی خوش بیانی کی بدولت حاصل ہوئی اور محض خوش نصیبی اور حُسنِ اتفاق سے نہیں ، بلکہ اسی مضبوط مورچے اور زبردست حربے کی وجہ سے وہ آخر تک صحیح و سالم رہا اور کوئی زک نہ اٹھائی ۔ واقعی فنِ خطابت اور قوتِ بیان بھی بڑی نعمت ہے اور انٹی پاٹر نے بجا طور پر حکیم ارسطو کی وفات پر جہاں مرحوم کی اور خوبیوں کا تذکرہ کیا ہے ، وہاں اس وصف کی بھی بڑی تعریف لکھی ہے کہ ارسطو میں جو بات چاہتا ، وہ منوا دینے کی خدا داد طاقت تھی ۔

یہ سب مانتے ہیں کہ آدمی کی سب سے بڑی خوبی اپنے وطن کی خوش حالی چاہنا ہے اور تونگری یا دولت پیدا کرنے کی کوشش بھی اسی کا ایک جزو سمجھی جاتی ہے کیوں کہ شہر یا سلطنت خاندانوں اور گھروں کے مجموعے کا نام ہے اور اس کی فلاح و سرسبزی انھی شہریوں کی خوش حالی اور ثروت پر منحصر ہے ۔ لکرگس نے اسپارٹہ سے چاندی سونا دفع کرکے فقط بگڑے ہوئے لوہے کا سکّہ اس لیے جاری نہ کیا تھا کہ اس کے ہم وطن اپنے خانگی اور اقتصادی معاملات سے بے پروا ہو جائیں بلکہ درحقیقت اس کا منشا عیاشی ، تن پروری اور کثرت

دولت سے جو بد اخلاقیاں پیدا ہو جاتی ہیں، ان کا سدِّ باب کرنا تھا ورنہ ہر شخص کے لیے ضروری سامانِ زیست بہ افراط مہیا کرنے میں جو کوششیں اور تدبیریں اس نے کیں، وہ کسی دوسرے مقنّن سے کم نہ تھیں، کیوں کہ ایک متکبر دولت مند آدمی سے لکرگس کو اس قدر اندیشہ نہ تھا جتنا کہ ایک محتاج اور تہی دست فردِ قوم سے۔ علیٰ ہذا کیتو بھی خانگی انتظام و انصرام میں اتنا ہی منتظم و منصرم تھا جتنا کہ ملکی امور میں۔

اس نے اپنی خاندانی جایداد میں معقول اضافہ کیا اور کفایت شعاری اور خوش انتظامی کا دوسروں کو سبق دیا۔ چناں چہ اپنی تحریروں میں بھی بہت سی کام کی باتیں لوگوں کے فائدے کے لیے چھوڑ گیا ہے۔ برخلاف اس کے ارس تی دیس نے اپنی تنگ دستی سے عدل گستری کو بھی داغ لگایا اور گویا یہ ثابت کیا کہ جو لوگ ایسی نیکیوں سے دُنیا کو فائدہ پہنچاتے ہیں، وہ خود ننگے بھوکے اور ان کے اہل و عیال افلاس کی بلا میں مبتلا رہتے ہیں، حالاں کہ ہسیود نے جہاں انصاف اور راست بازی کی تاکید کی ہے، وہاں گھر کی خبر گیری پر بھی بہت زور دیا ہے اور لکھا ہے کہ بے کاری، بے ایمانی کی جڑ ہے۔ دوسری طرف ہومر نے ایک عمدہ پیرایے میں یوں تحریر کیا ہے کہ:

"نہ مجھ کو کام سے اُلفت نہ فکر کچھ گھر کا
کہ کس طرح سے پھلے پھولے خانداں میرا
ہمیشہ میری خوشی یہی ہے کہ میں دیکھوں
جہاز، جنگ و جدل، تیغ و تیر کا چلنا"

گویا جنھیں اس قسم کی چیزوں کا شوق ہوتا ہے، وہ اپنے

خانگی کاروبار سے ہمیشہ بے پروا ہوتے ہیں اور ان کا گزارا ہی ظلم اور دوسروں کی لوٹ مار پر ہوتا ہے۔ مگر یہ کچھ خوبی کی بات نہیں ہے کہ آدمی دوسروں کی رفاہ اور بہبود کا اس قدر خیال رکھے اور اپنی ذات اور ذاتی معاملات کی طرف سے بالکل بے خبر ہو اور اس کی خاصیت تیل کی سی ہو جو بہ قول طبیبوں کے جسم کے اوپر ہی اوپر ملا جائے تو نافع مگر پیٹ کے اندر اُتار لیا جائے تو مضر ہے۔ لیکن اس معاملے میں ارس تی دیس کا نقص نمایاں ہے اور اکثر مصنفین کے بیان سے ثابت ہے کہ اُس نے اپنے بیٹوں کے لیے ایک حبّہ بھی نہیں چھوڑا۔ انتہا یہ کہ مرنے کے بعد اس کے پاس اتنا بھی نہ نکلا کہ اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ تو چل جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ کےتو کے مقابلے میں جس کے پوتے اور پروتے چوتھی نسل تک اعلا ترین مناصب پر سربلند ہوتے رہے، ارس تی دیس کے بعض اہل خاندان شعبدہ بازیوں سے پیٹ پالتے اور بعض خیرات پر بسر کرتے تھے۔ بہ الفاظ دیگر یونان میں سب سے بڑا آدمی ہونے کے باوجود اس نے ایسے وسائل نہ مہیا کیے کہ اس کی اولاد سرسبز ہوتی اور اپنے کارناموں سے اس کا نام روشن کرتی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ افلاس فی نفسہ کوئی عیب نہیں، بلکہ یہ صرف اُس وقت مذموم ہے جب کاہلی، بے اعتدالی، تن آسانی یا بے فکری اس کا باعث ہو۔ ایک ایسے شخص کے لیے جو متقی پرہیزگار بھی ہو، دلیر و جفاکش، نہایت راست باز اور عادل بھی ہو، افلاس بڑی بلند حوصلگی اور عالی ظرفی

کی دلیل ہے۔ کیوں کہ وہ، جو چھوٹے چھوٹے معاملات میں منہمک
ہو، بڑے بڑے کاموں کے لیے وقت نہیں نکال سکتا اور نہ وہ
جس کی ضرورتیں خود بہت بڑھی ہوئی ہیں، دوسروں کی ضرورتیں رفع
کرسکتا ہے۔ پھر وہ شے جو سب سے زیادہ کسی شخص کو مخلوق کی
خدمت کے قابل بناتی ہے، دولت مندی نہیں ہے بلکہ قناعت
اور آزادی ہے کہ رفاہِ عام کی طرف اُس کی توجہ میں (جیسے سامانِ تکلف
سے استغنا ہے) کبھی انتشار نہ پیدا ہوگا۔ احتیاج سے بالکل منزا
اور ماورا خدا کی ذات ہے اور انسانی صفات میں بھی وہ صفات جن
میں سب سے کم احتیاج ہے، سب سے کامل اور سب سے زیادہ
ربانی ہیں، کیوں کہ جس طرح ایک صحیح و تن درست جسم کو کسی
اعلا غذا یا قیمتی پوشاک کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح ایک ہوشمند
انسان اور اچھے گھر کو بھی بہت مختصر سامان کافی ہوجاتا ہے۔ دولت
کے متعلق لازم ہے کہ ہم جتنا اس سے کام لیتے ہیں، اُسی مناسبت سے
اُس کو مفید سمجھیں، کیوں کہ وہ جو کم کام لیتا ہے اور زیادہ سمیٹتا ہے،
اعتراض سے نہیں بچ سکتا۔ اس لیے کہ اگر وہ ان چیزوں کے لیے
روپیہ جمع کرتا ہے جن کی اُسے احتیاج اور خواہش نہیں، تو احمق ہے اور
اور اگر چاہتا ہے مگر خست کی وجہ سے ضرورتیں پوری نہیں کرتا تو
منحوس بخیل ہے۔ اب اگر ممکن ہوتا تو خود کیتو سے میں یہ سوال
کرتا کہ دولت جمع کرنے سے لطف و انبساط مقصود ہے تو پھر اُسے اپنے
تمول کے ساتھ قناعت اور سادہ زندگی پر فخر کیوں ہے؟ لیکن اگر شرافت
اور بزرگی اس میں ہے کہ (فی المثل) موٹی جھوٹی روٹی اور اپنے

نوکروں کے ساتھ اُٹھی کی شراب پر بسر اوقات کی جائے اور صندلا لگے ہوئے مکان یا قاقم و سنجاب کی ہوس نہ ہو تو پھر ہم کہیں گے کہ ارس تی دیس ، اپامنن دس وغیرہ ایسی ہوس نہ رکھتے تھے اور جن چیزوں کی انھیں خواہش نہ تھی، ان کی فراہمی کی بھی وہ دردسری نہ اٹھاتے تھے۔ یقیناً جس کی مرغوب غذا گوبھی ہو اور اُسے خود بیٹھ کر اُبالے اور اپنی بیوی سے روٹیاں پکوائے، اسے کسی طرح شایاں نہیں کہ بار بار اپنی دولت پر فخر کرے یا حصولِ تونگری پر کتاب لکھے کہ کس طرح آدمی تھوڑے دن میں زیادہ سے زیادہ روپیہ کما سکتا ہو ، کیوں کہ قانع ہونے کا اصلی فائدہ تو یہی ہو کہ آدمی تکلفات کی قیود سے آزاد ہو جائے اور اس لیے دولت بھی اس کی نظر میں کوئی خاص دل کشی نہ رکھتی ہو۔ چناں چہ کالیاس کے مقدمے میں اسی بنا پر ارس تی دیس نے کہا تھا کہ عسرت پر شرم انھیں آنی چاہیے جو اپنی تمنا اور خواہش کے خلاف مفلس ہوں ، ورنہ جو اپنی تنگ دستی پر خوش اور قانع ہیں، ان کے لیے افلاس باعثِ عار نہیں ، قابلِ فخر ہو۔ واقعی ارس تی دیس کی نسبت یہ سمجھنا کہ وہ نکمّے ہونے کی وجہ سے مفلس تھا، سراسر لغو ہو۔ وہ چاہتا تو ایرانیوں کے کسی ایک خیمے کی لوٹ یا ایک قیدی کا مالِ غنیمت ہی اُسے مالا مال کر سکتے تھے ، مگر اس بحث پر اتنا ہی لکھنا بہت ہو۔

واضح رہے کہ کےنو کی مہمات نے رومی سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں کیا ۔ وہ ایک معنی کر کے پہلے ہی اس قدر بڑھ چکی تھی کہ اب اس میں مزید توسیع کی گنجایش باقی نہ تھی لیکن ارس تی دیس کے کارنامے یعنی میراتھن ، سلامیس اور پلاٹیہ کی لڑائیاں ،

ایسے شان دار، پُر شکوہ اور یادگار واقعات ہیں جن کی کوئی نظیر تاریخ یونان میں نہیں مل سکتی۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ انطیا کوس یا ہسپانوی شہروں کی فصیلوں کی شکست دارائے عجم کی لکھوکھا فوجوں کی بری اور بحری ہزیمتوں کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتی اور ان سب دلیرانہ معرکوں میں ارس تی دیس کا رُتبہ کسی سے پست نہیں ہی، اگرچہ فتح کی شہرت اور سہرا رُپے پیسے کی طرح اس نے ان کے واسطے چھوڑ دیا جنھیں ان کی احتیاج اور ہوس تھی۔ میں کے تو کو اس لیے الزام نہیں دیتا کہ وہ ہمیشہ اوروں کے سامنے اپنی شیخیاں اور بڑائیاں مارا کرتا تھا (اگرچہ ایک مرتبہ خود اس نے ایک تقریر میں کہا ہی کہ آدمی کا اپنی خود ستائی کرنا ایسا ہی مہمل ہی جیسا اپنی مذمت کرنا) تاہم میرے نزدیک وہ، جو کسی سے اپنی ستایش کا خواہاں نہیں، اُس سے کہیں افضل ہی جو ہمیشہ اپنی صفت و ثنا کے راگ گاتا پھرے۔ جاہ طلبی سے آدمی کا بری ہونا ملکی معاملات میں بے غرضی اور بردباری کا ضامن ہی۔ برخلاف اس کے ایسی ہوس بڑی سخت دلی اور حسد کو سب سے زیادہ بڑھانے والی چیز ہی، جس سے ارس تی دیس بالکل پاک اور کے تو اس کا تابع تھا۔ ارس تی دیس نے نہایت اہم معاملات میں طاکلیس کی اعانت کی اور گویا اس کا ماتحت بن کر بھی ایتھنز کو ترقی دیتا رہا۔ کے تو نے سی پیو سے دشمنی کی اور قرطاجنہ کی مہم روکنے اور برباد کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی، حالاں کہ اسی مہم میں سی پیو نے ہنی بال کا، جو اُس وقت تک کسی سے زیر نہ ہُوا تھا، زور توڑا۔ مگر اس

فتح مندی کے بعد بھی کے تو سی پیو کی دشمنی سے باز نہ آیا اور برابر تہمتیں لگاتا اور اس کی نسبت طرح طرح کے شبہات پیدا کراتا رہا حتی کہ وہ شہر سے نکل گیا۔ پھر کے تو نے اس کے بھائی کو سرکاری روپے اڑانے کے جرم میں سزا دلا کر ذلیل کیا۔

آخری شے وہ پاک بازی ہے جس کی کے تو پکار پکار کے حرف تلقین کرتا تھا مگر عملاً اور بے داغ اسے رکھا تو ارس تی دیس نے بلکہ اس معاملے میں اپنی شان اور سن و سال کے اقتضا کے خلاف کے تو کا شادی کر لینا اس کے چال چلن پر حرف لاتا ہے، کیوں کہ اس عمر میں بیٹے اور بہو کے سامنے معمولی منشی کی بیٹی بیاہ کر لانا کوئی پسندیدہ بات نہ تھی۔ اور اس کی وجہ نفس پروری ہو یا بیٹے سے ناراضی، یہ واقعہ اور اس کا عذر دونوں نازیبا تھے۔ بیٹے سے اس نے جھوٹا حیلہ کیا اس لیے کہ اگر وہ اچھی اولاد بڑھانے کا خواہاں تھا تو اسے شادی اچھے خاندان میں کرنی چاہیے تھی۔ دوسرے خبر نہ ہونے تک ایک عورت سے سے بغیر شادی کے تعلق رکھنا نہ چاہیے تھا۔ اور جب کھل گیا تو ایسے خسر کا انتخاب نہ کرنا چاہیے تھا جو بلا دقت بیٹی دینے پر تیار ہو جائے بلکہ شایان شان رشتہ تلاش کرنا چاہیے تھا +

فیلوپی من

کلیان ڈر شہر ماٹینیہ کا بڑا عالی نسب اور صاحب اقتدار شخص تھا لیکن حوادثِ روزگار سے اپنے وطن میں نہ رہ سکا اور یہاں سے نکل کر کروگی پاس چلا گیا جو فیلوپی من کا باپ اور شہر مگالوپولس کا نہایت مشہور و معزز آدمی تھا۔ کلیان ڈر کی کروگی کے ساتھ بڑی گہری دوستی تھی اور اسی وجہ سے وہ اس مقام پر بس گیا اور جب تک اس کا دوست زندہ رہا، اُسے کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ جب کروگی نے وفات پائی تو کلیان ڈر نے اپنے مرحوم دوست کی شفقت اور میزبانی کا یہ بدل کیا کہ اس کے یتیم بچے کو اپنی نگرانی میں لے لیا اور "جس طرح" ہومر کہتا ہے کہ اکی لس کو فی نکس نے تربیت کیا تھا، اُس نے فیلوپی من کو تعلیم دی اور بچپن سے اس کے دل میں بلند خیالات اور حوصلے پیدا کر دیے۔ لیکن طفولیت سے گزرنے کے بعد فیلو کی تربیت زیادہ تر اگڈی موس اور ڈیموفان کے ہاتھوں میں رہی جو اُسی کے ہم وطن اور مذہب افلاطون کے فاضل تھے۔ وہ حکیم ارکے سی لوس کے دوستوں میں تھے اور اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ انھی نے فلسفہ کو ایک عملی شے بنایا تھا اور اُس کو انسان کے افعال اور ملکی معاملات پر منطبق کرتے تھے۔ انھی نے ارسٹوڈیمس کو قتل

کرایا اور اُس کی موت کے بعد اپنے وطن کو حکومتِ شخصی سے نجات دلائی تھی۔ پھر جب سپہ سالار اراطوس نے علاقہ سکیان سے نی کوکلس جابر (یعنی حاکم مطلق العنان) کو نکالا تو یہ اراطوس کے مددگار تھے۔ اسی طرح اہلِ سایرینیہ (موجودہ علاقہ طرابلس افریقہ) کی درخواست پر یہ لوگ سمندر پار اُن کے شہر میں گئے جو اس وقت کمال بے انتظامی اور بدامنی کی حالت میں تھا اور اُن کے ملکی جھگڑے نہایت خوبی سے رفع دفع کرنے کے بعد بہت اچھی جمہوری حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اب انھی قابلِ تعریف کاموں میں فیلوپی من کی تربیت کا کام بھی تھا جسے خود وہ اپنے بہترین کارناموں میں شمار کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اُسے حکمت کی تعلیم دے کر انھوں نے سارے یونان کے ساتھ بھلائی کی ہی۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام یونان فیلوپی من کو دل سے محبوب رکھتا تھا اور اسے مادرِ وطن کی، جس نے پہلے ایسے ایسے نامی فرزند جنے تھے، گویا بڑھاپے کی اولاد تصور کرتا تھا اور اس کی نام وری کے ساتھ اس کی قوت و بالا دستی کو بڑھاتا تھا۔ رومیوں میں سے ایک شخص نے از راہِ ستایش اُسے "آخری یونانی" خطاب دیا ہی جس کا مطلب یہ ہی کہ گویا اُس کے بعد یونان سے کوئی بڑا آدمی نہ اٹھا اور نہ ایسا جو یونانی کہلانے کا مستحق ہوتا۔

فیلوپی من کی نسبت بعض لوگوں کا یہ گمان کہ اس کی شکل بگڑی ہوئی تھی، صحیح نہیں ہی کیوں کہ ڈیلفی میں اب تک اس کی شبیہ موجود ہی۔ باقی مگارا میں اُس کی ایک میزبان سے جو غلطی ہوئی ہی، اس کی وجہ محض

اُس کی سادگی اور مزاج کی بے تکلفی معلوم ہوتی ہو۔ اس خاتون کی نسبت مشہور ہو کہ جب اُسے اکائیہ کے سپہ سالار (یعنی فیلوپی من) کے آنے کی اطلاع ہوئی تو اُس کا شوہر گھر پہ نہ تھا اور وہ بڑی عجلت میں اپنے معزز مہمان کے کھلانے پلانے کا انتظام کر رہی تھی۔ اسی اثنا میں فیلوپی من ایک سیدھا سادا لبادہ پہنے آ پہنچا۔ اسی بیوی نے اسے نہ پہچانا بلکہ یہ سمجھ کر کہ فیلوپی من کا کوئی نوکر ہو اور پہلے سے بھیج دیا گیا ہو، اسے بھی اپنے گھر کے کام میں لگا لیا۔ فیلو حکم کے ساتھ اپنا لبادہ پھینک کر ایندھن کے لیے لکڑیاں کاٹنے لگا، اور صاحبِ خانہ نے واپس آکر اس کو اسی حال میں دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا کہ ”ہائیں! فیلوپی من یہ کیا کر رہے ہو؟“ فیلو نے اپنی ڈوری بولی میں جواب دیا ”کچھ نہیں، میں صرف اپنی بدصورتی کا جرمانہ ادا کر رہا ہوں“۔

ٹی ٹس فلے می نی نس نے بھی ایک دن مزاحاً اس سے کہا تھا کہ ”تمہارے ہاتھ پانو بہت اچھے ہیں مگر پیٹ نہیں ہو“۔ فیلو کی کمر تھی بھی پتلی۔ لیکن ٹی ٹس نے جو ہنسی کی تھی، اس میں دراصل اس کی ناداری پر چوٹ تھی کیوں کہ اس کی سوار و پیادہ فوج تو بہت اچھی تھی مگر اُن کی خور و نوش اور تنخواہ کے لیے رُپے کا وہ اکثر محتاج رہتا تھا۔ فیلوپی من کی نسبت یہ محاضرات عام طور پر مشہور ہیں۔

اس کے مزاج میں حصولِ عزت و امتیاز کا شوق، رقابت کی آمیزش سے پاک تھا۔ وہ سب سے زیادہ اپامننڈس کی

مثال اپنے سامنے رکھتا تھا اور واقعی فہیم اور محنتی ہونے کے اعتبار سے یا دیانت و راست بازی میں اس سے کچھ زیادہ پیچھے نہ تھا لیکن اس کی آتش مزاجی اسے بارہا اعتدال، اطمینان اور مروّت کی ان حدود میں نہ رہنے دیتی تھی جو اپاسنن دس کی نمایاں صفات تھیں اور اسی وجہ سے شہری کی بجائے وہ جنگی اوصاف کا نمونہ سمجھا جاتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بچپن سے وہ سپاہیانہ زندگی کا شیدا تھا اور بڑے ہوکر سپاہ گری اور اس کے متعلق تمام فنون کی اس نے تعلیم حاصل کی تھی اور گھوڑے کی سواری یا اسلحہ کا استعمال اس کے سب سے مرغوب مشغلے تھے۔ پہلوانی کے لیے بھی اس نے بڑا موزوں جسم پایا تھا اور اسی خیال سے استادوں اور بعض دوستوں نے اسے صلاح دی کہ وہ کشتی گیری اور پہلوانی کسرتوں کی جانب توجّہ کرے۔ لیکن سب سے پہلے اُس نے یہ دریافت کیا یہ کہ کسرتیں اُس کے ایک عمدہ سپاہی بننے میں تو حارج نہ ہوں گی۔ تب انھوں نے جو سچ بات تھی، وہ کہہ دی یعنی بتایا کہ یہ دونوں بالکل علاحدہ اور آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور ان کی ورزشیں، رہنے کے طریقے اور جیسا کہ جسم ان میں ہونا چاہیے، یہ سب ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ورزشی آدمی تو بہت سوئے اور بہت زیادہ کھائے، اپنے آرام اور کسرت کے اوقات کا نہایت پابند ہو اور پھر ذرا اپنے معمولی ضابطے کے خلاف چلا یا رُکا تو اس کی ساری محنت اکارت ہوئی۔ برخلاف اس کے سپاہی کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر حالت اور

بے قاعدگی کی عادت ڈالے اور خصوصاً خواب و خورش کی عدم میسری کو بلا دقت برداشت کرنے کا خوگر ہو۔ یہ باتیں سن کر فیلوپی من نے پہلوان بننے کے سارے خیالات دل سے نکال ڈالے اور نہ صرف اس وقت بلکہ جب سپہ سالار ہوا تب بھی ایسی زندگی کی مذمت کرتا اور ہر ممکن طریقے سے لوگوں کو اس سے روکتا کہ گویا وہ ایسی شئے ہے جو اچھے اور قابلِ جنگ اشخاص کو بالکل نکما اور ضروری موقعوں پر لڑائی کے ناقابل بنا دیتی ہے۔

جب فیلوپی من کا زمانۂ تعلیم ختم ہوگیا اور وہ اپنے ہم وطنوں کی اُن یورشوں میں شریک ہونے لگا جو وہ اسپارٹہ کے علاقے میں قتل و غارت گری کی غرض سے کیا کرتے تھے تو ان میں فیلوپی من ہمیشہ سب سے آگے چلتا اور سب سے اخیر میں واپس ہوتا تھا۔ اس قسم کے مشغلوں سے فرصت ملتی تو وہ اپنا وقت جسم کو سخت بنانے میں صرف کرتا اور اپنی آراضی میں مشقت مزدوری یا شکار کے ذریعے اسے مضبوط اور جفاکشی کا عادی بناتا تھا۔ آبادی سے چوبیس فرلانگ کے فاصلے پر اُس کی ایک معقول جاگیر تھی اور دن رات کا کھانا کھانے کے بعد وہاں وہ روزانہ جاتا اور جب رات آتی تو رستے میں جو سب سے پہلے چٹائی اُسے نظر آتی، وہیں اپنے مزدوروں میں مل کر سو رہتا۔ صبح ہوتے ہی سب کے ساتھ اُٹھتا اور ہل چلاتا یا تاکستان میں کام کرتا اور پھر آبادی میں آکر اپنا وقت دوست احباب یا حکام کے ساتھ سرکاری کاروبار میں گزارتا تھا۔ لڑائیوں میں جو کچھ لوٹ اس کے ہاتھ آتی، اسے

وہ اسپ و اسلحہ کی خریداری میں صَرف کرتا یا قیدیوں کو فدیے دے کر چھڑانے میں۔ لیکن اپنی ذاتی جائے داد کو صرف کاشت کاری کے ذریعے ترقی دیتا تھا، جو کہ سب سے اچھا اور جائز ذریعہ ہے۔ اور اس کام کو وہ سرسری یا محض تفریح کے طور پر نہ کرتا تھا بلکہ اپنا فرضِ منصبی جانتا تھا کہ اپنی جائے داد کا عمدہ انتظام رکھے تاکہ طمع سے دوسروں کی حق تلفی کرنے کا خیال نہ پیدا ہو۔

فیلوپی من نے اپنا بہت سا وقت (علم ادب) فصاحت اور فلسفے پر بھی صَرف کیا لیکن کتابیں انھی مصنّفین کی پڑھتا تھا جن سے اوصافِ حمیدہ سیکھنے میں فائدہ پہنچ سکے اور جنھیں اس نے خود منتخب کیا تھا۔ ہومر کی داستانوں میں وہی حصے اُس کو پسند تھے، جن کا مطالعہ اس کے نزدیک جوش اور حوصلے کو بڑھاتا تھا۔ کتابوں میں اُسے ایوان جلوس کی کتاب (خدعاتِ جنگ کی شرح) سب سے زیادہ پسند تھی اور اسی طرح اوقاتِ فرصت میں سکندرِ اعظم کی تاریخیں پڑھ کر بہت خوش ہوتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر ایسا مطالعہ تفننِ طبع یا گفتگوے لاحاصل کی غرض سے ہو، تب تو اور بات ہے ورنہ کام کرنے والوں کے واسطے یقیناً سود مند ہوگا۔ جنگی معاملات میں قیاس آرائی کے وقت بھی اس کی عادت تھی کہ نقشے اور شکلیں بنانے پر توجہ نہ کرتا بلکہ ہر دعوے یا نظریے کا خود میدانوں میں عملی ثبوت چاہتا تھا۔ راستہ چلنے میں اس کا دماغ انھی خیالات میں سرگرداں رہتا اور وہ اپنے ہم راہیوں سے یہی بحث کرتا کہ دریا، پہاڑ، یا اونچی نیچی زمین ہو تو یہ دقتیں پیش

آئیں گی اور اس طرح پھیلی یا ملی ہوئی صفوں میں کوچ کیا جائے تو یہ صورت پیش آئے گی اور فلاں طریق پر لڑایا جائے تو یہ نتیجہ نکلے گا وغیرہ۔ واقعی بات یہ ہے کہ جنگ و جدال یا فوجی معاملات میں اُسے حد سے زیادہ شغف تھا اور جنگ کے میدان ہی کو وہ تمام اعلا اوصاف انسان کا تختۂ مشق تصور کرتا تھا۔ جو لوگ سپاہی نہ ہوں ان کو وہ نکھٹو اور حکومتِ ملّی میں ناکارہ بتا کے سخت مذمت کیا کرتا تھا۔

فیلوپی من کی عمر تیس برس کی تھی کہ کلیومن شاہ اسپارٹہ نے (اس کے وطن) مگالوپوس پر شب خون مارا اور زبردستی اندر گھس کے بازار پر قابض ہوگیا۔ خطرے کی آواز سُن کر فیلوپی من بھی باہر نکل آیا اور کمال جاں بازی کے ساتھ لڑا لیکن غنیم کو باہر دھکیلنے میں کام یابی نہ ہوئی تاہم یہ ضرور ہُوا کہ غنیم کو اس نے اتنی دیر تک روکے رکھا کہ سارے شہر والے بچ کے نکل گئے اور پھر سب کے آخر میں کئی زخم کھا کے اور اپنا گھوڑا کٹوا کے وہ بھی بہ ہزار دقت و خرابی نکل آیا۔ مگالوپولس سے نکل کر اس کے ہم وطنوں نے مسینہ میں پناہ لی اور وہیں کلیومن کا پیام آیا کہ وہ ان کی املاک اور شہر واپس دینے پر تیار ہے یہ دیکھ کر کہ اس خبر نے انھیں نہایت خوش اور واپسی پر آمادہ کر دیا، فیلو نے ایک تقریر کی۔ انھیں واپس جانے سے روکا اور سمجھایا کہ کلیومن کا شہر واپس دینا غالباً خود شہریوں کو قابو میں لانے کی ترکیب ہے کیوں کہ بغیر ان کے وہاں پڑا رہنا

خالی مکانوں اور در و دیوار کی پاسبانی کرتا ہے - خود یہ تنہائی اسے بہت جلد وہاں سے نکل جانے پر مجبور کر دے گی - ان دلائل نے اہلِ مگالوپولس کو واپس جانے سے باز رکھا لیکن ساتھ ہی کلیومن کو گویا ایک حیلہ مل گیا اور اس نے شہر کے بڑے حصے کو تاراج و برباد کر دیا اور بہت سا مالِ غنیمت لوٹ کے اپنے ساتھ لے گیا -

تھوڑے ہی عرصے بعد انٹی گونس (شاہ مقدونیہ) اہلِ اکاٹیہ کی امداد کو آ پہنچا تو خود وہ کلیومن کے خلاف بڑھے، جو اس وقت سلاشیہ کی پہاڑیوں پر تمام گھاٹیاں قبضہ میں کر لینے کی وجہ سے بہت عمدہ مورچہ سنبھالے ہوئے تھا - انٹی گونس نے اُس کے بہت قریب پہنچ کر صف آرائی کی اور انھی مورچوں میں اُسے دبا لینے کا عزم کیا - فیلو اس دن اپنے ہم وطنوں کے ساتھ سوار فوج میں متعین تھا اور انھی سے ملے ہوئے اہلِ الّی دیہ کے کثیر التعداد دلاور پیادے تھے جو اہلِ اکاٹیہ کے ساتھ فوج محفوظ میں رکھے گئے تھے اور انھی پر صف جنگ ختم ہوتی تھی - انھیں حکم تھا کہ فوج کے دوسرے بازو سے پہلے جہاں بادشاہ لڑ رہا تھا، جنگ نہ کریں اور جب تک انھیں لال کوٹ برچھی کی نوک پر رکھ کر نہ دکھایا جائے، اپنی جگہ پر جمے رہیں - اکاٹیہ والوں نے تو اس حکم کی پوری پابندی کی اور اپنی جگہ پہ قائم رہے لیکن اہلِ الّی دیہ کے سرداروں نے اپنے سپاہیوں سے حملہ کرا دیا اور انھیں سوار فوج سے علاحدہ جاتا دیکھ کر کلیومن کے بھائی یوکلی دس نے اپنے بہترین ہلکے دستے کو حکم دیا کہ چکر کھا کے

غیر محفوظ اہل الی ریہ پر عقب سے حملہ کریں۔ جس وقت یہ حملہ ہوا اور صفوں میں یہ بے ترتیبی پیدا ہوئی تو فیلوپی من یہ سمجھ کر کہ ان نیم مسلح حملہ آوروں کو سوار آسانی سے پسپا کر سکتے ہیں، پہلے شاہی سرداروں کے پاس گیا اور انھیں اس موقع کی ضرورتیں سمجھائیں لیکن انھوں نے اس کی طرف کچھ التفات نہ کی اور "خرگوش دماغ" کہہ کر اس کی تحقیر کی (واقعی اب تک وہ اس قدر مشہور نہ ہوا تھا کہ ایسے اہم معاملات میں اس کا دخل اچھا یا اس کی تجویز وقیع سمجھی جاتی پس فیلو نے خود اپنی رائے سے ہم وطنوں کے ساتھ غنیم پر حملہ کیا اور پہلے ہی آویزش میں اسے پریشان و بے ترتیب کر دیا اور پھر تھوڑی دیر میں شدید نقصان پہنچا کر بھگا دیا۔ پھر بادشاہی فوج کو ہمت دلانے اور دشمن پر پورا دباؤ ڈالنے کی غرض سے فیلوپی من اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور بھاری زرہ بکتر ہی میں پیادہ پا لڑنے لگا، حالاں کہ زمین نہایت ناہموار تھی، جگہ جگہ نالے اور کٹاؤ پٹے ہوئے تھے اور سب سے بڑھ کر اس کا لباسِ جنگ اس کے لیے مصیبت تھا۔ اسی حال میں اس کی دونوں رانیں مجروح ہوئیں اور ایک دستی برچھی اس زور سے ران میں لگی کہ ایک طرف سے دوسری طرف نکل آئی۔ یہ اگرچہ مہلک نہ تھا مگر شدید زخم تھا جس نے اسے یکایک بے قابو کر کے اس طرح ٹھیرا دیا جیسے کوئی کسی کو جکڑ دیتا ہو۔ برچھی میں ایک چمڑے کی پٹی بندھی ہوئی تھی اور اس کی گرہ زخم کے اندر گھس گئی تھی جس کے سبب برچھی کو کھینچنا دشوار تھا، کسی کو کھینچنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ لیکن عین اس وقت جنگ بھی پوری

زور پر آگئی تھی ۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ جلد اس کا پلہ ایک نہ ایک فریق کی طرف جھک جائے گا ۔ پس فیلوپی من کے جذبہ جنگ جوئی نے اسے ایسا مغلوب کیا کہ وہ دیوانہ وار بڑھنے کی جد و جہد کرنے لگا اور ایک ٹانگ آگے رکھتا تھا اور دوسری پیچھے ، یہاں تک کہ اسی کشاکش میں برچھی کی ڈانڈ ٹوٹ گئی اور اس کے ٹکڑے باہر نکال لیے گئے ۔ اس طرح رستگاری پاتے ہی وہ تلوار لے کے لڑائی کی سب سے اگلی صفوں میں جھپٹا اور اپنے سپاہیوں میں جوش و خروش کی آگ بھڑکا دی ۔

فتح حاصل ہونے کے بعد جب انٹی گونس نے بطور آزمائش اپنے آدمیوں سے دریافت کیا کہ ہمارے سواروں نے کس طرح بلا حکم نشانی دکھانے سے پہلے حملہ کر دیا تھا ؟ اور جب اُنھوں نے جواب دیا کہ اس کی وجہ مگالوپولس کا ایک نوجوان تھا جس نے وقت سے پہلے حملہ کر کے ہمیں بھی خلاف منشا لڑنے پہ مجبور کیا ، تو انٹی گونس مسکرا کر کہنے لگا کہ اس نوجوان نے آزمودہ کار سپہ سالار کا سا کام کیا ۔

اس واقعے سے قدرتی طور پر فیلوپی من مشہور ہو گیا اور انٹی گونس نے بڑی آرزو کے ساتھ اسے اپنی خدمت میں لینا چاہا اور عہدہ و تنخواہ دونوں لحاظ سے نہایت عمدہ شرائط پیش کیں ۔ لیکن فیلو نے جو اپنی طبیعت سے واقف تھا کہ وہ کسی دوسرے کی ماتحتی گوارا نہیں کر سکتی، ان کو قبول نہ کیا ۔ تاہم بے کاری کو ناقابل برداشت سمجھ کے اور جزیرہ قریطش میں لڑائیوں کا حال سن کے وہ مشق کی غرض سے اس طرف چلا گیا اور کچھ عرصے تک انھی لوگوں میں رہا جو نہایت جنگ جو اور اسی کے ساتھ کمال محتاط اور معتدل مزاج تھے اور جن میں رہنے سے اسے ہر قسم کا تجربہ اور بہت کچھ فائدہ حاصل ہوا ۔

چناں چہ وہاں سے واپس آیا تو اس قدر مشہور تھا کہ بہت جلد اہل اکائیہ نے اسے اپنے سواروں کا سردار بنا دیا۔ ان دنوں یہ سوار نہ کچھ بہادر تھے اور نہ تجربہ کار۔ وہ کوچ کے وقت جیسا بُرا بھلا اور سستے سے سستا گھوڑا دست یاب ہوتا، اُسے لے آتے اور بالعموم اپنی بجائے اجیر باہر بھیجتے اور خود گھروں پر رہتے تھے۔ ان کے سابق سردار ان بے قاعدگیوں پر چشم پوشی سے کام لیتے تھے کیوں کہ اکائیہ میں یہ خدمت معزز سمجھی جاتی تھی اور ان سواروں کو سلطنت میں بڑا رسوخ حاصل تھا اور جس کسی کو جی چاہے، فائدہ یا نقصان پہنچا دینا ان کے قبضۂ قدرت میں تھا۔ یہ کیفیت دیکھ کر فیلوپی من کو پہلی حالت کا قائم رہنا گوارا نہ ہوا اور وہ خود قریہ بہ قریہ گیا اور وہاں کے ایک ایک نوجوان شہری سے گفتگو کی اور ان میں حصولِ عزت و امتیاز کا ولولہ پیدا کرنے کی کوشش کی اور جہاں کہیں ضروری معلوم ہوا سزائیں بھی دیں۔ اور پھر عام فوجی مقابلوں اور ورزشوں اور جائزوں کے ذریعے جو کثیر التعداد تماشائیوں کی موجودگی میں ہوتے، اس نے تھوڑے ہی عرصے کے اندر ان میں حیرت انگیز جفاکشی اور دلیری پیدا کر دی اور انھیں نہایت پھرتیلا اور چالاک سپاہی بنا دیا جو کہ فوجی ملازمت میں بہت ہی اہم اور کار آمد بات سمجھی جاتی ہے۔ مشق و محنت کی بدولت وہ ایسے کامل اور اعلا درجے کے سوار ہو گئے اور اس خوبی کے ساتھ مڑتے تڑتے اور گھومتے تھے کہ گمان ہوتا تھا کہ گویا تمام رسالہ ایک جسم ہے اور ایک ہی شخص کی مرضی پہ حرکت کر رہا ہے۔ اس جنگ عظیم میں جو دریائے لاری سس کے کنارے وہ اطولیہ اور ایلیہ والوں کے ساتھ لڑے، خود افیلوپی من نے شجاعت کی ایک مثال قائم کی۔ یعنی جس وقت ایلیہ کے سپہ سالار داموفان طوس

نے فیلو کو تاک کر اس کی طرف گھوڑا سرپٹ دوڑایا تو وہ اُس کا پھر کر انتظار کرتا رہا اور قریب آتے ہی اس کا وار ہونے سے پہلے حملہ آور ہوا اور نیزے کی ایک ہی ضربِ محکم سے اسے مار کر زمین پر گرا دیا۔ سپہ سالار کے گرتے ہی غنیم نے بھی راہِ فرار اختیار کی۔ پھر تو فیلوپی من کا نام ہر شخص کی زبان پر تھا، ہر طرف اس کی دھوم تھی کہ ایسا بہادر سپاہی اور عمدہ سپہ سالار کوئی نہ ہوگا جو دست بدست لڑنے میں دلیر سے دلیر نوجوان پر اور فوج کے عمدگی سے لڑانے میں بوڑھے سے بوڑھے سپہ سالار پر فوقیت رکھتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مختلف اکائی شہروں کو ایک سلطنت میں متحد کر کے اور ان میں ایک ہمدرد اور حقیقی یونانی حکومت کی بنا ڈال کے، سب سے پہلے اراطوس نے اہلِ اکائیہ کو (جو اس وقت بہت متبذل حالت میں تھے) بامِ شہرت و اقتدار پر پہنچایا تھا اور پھر جس طرح بہتے پانی میں مٹی کے چند اجزا رُک جائیں تو اور بھی اُن کے ساتھ آملتے ہیں اور ایک دوسرے کو قوت پہنچا کے وہ سب ایک ٹھوس اور مضبوط جسم بن جاتا ہے۔ یونان کی شکستہ حالی کے زمانے میں بھی جب کہ ہر طرف عام انحطاط و بربادی کے آثار تھے، ہر شہر جُدا اور صرف اپنے پر بھروسا رکھتا تھا اور سارے ملک کا رفتہ رفتہ شیرازہ بکھرتا جاتا تھا، اول اہلِ اکائیہ متحد ہوئے اور پھر قرب و جوار کی ریاستوں کو اپنے سے ملانے لگے جن میں بعض تو اپنی رضامندی اور باہمی مفاہمت سے اُن کے ساتھ متحد ہوگئیں اور بعض کی انھوں نے حمایت کی یا مطلق العنان حاکموں کے پنجے سے چھڑا کر انھیں اپنے اتحاد میں شریک کرلیا اور اس طرح آخر میں سارے جزیرہ نما پلوپونی سس کو ایک احاطے میں لے لینے کی تدبیر کرنے لگے

ان کا بہت کچھ مدار اہل مقدونیہ کی اعانت پر تھا، اور پہلے بطلیموس کی اور پھر انٹی گونس اور فیلقوس کی استمالت کرتے رہے اور یہ تینوں یونان کے ہر معاملے میں ہمیشہ دخل دیتے رہے۔ مگر جب فوج کی قیادت فیلو کے ہاتھ میں آئی اور اہل اکائیہ اپنے خیال میں طاقت ور سے طاقت ور دشمن کے مقابلے کے لائق ہو گئے تو اس وقت وہ غیر ملکی اعانت سے بھی اجتناب کرنے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ اراطوس جیسا کہ ہم نے اس کی سوانح عمری میں لکھا ہے مزاج کا ایسا جنگ جو نہ تھا بلکہ جو کچھ اس نے کیا، وہ زیادہ تر اس کی حکمتِ عملی اور شاہانِ غیر سے دوستی کا نتیجہ تھا۔ اس کے برعکس فیلوپی من کی سرداری نے جو اعلا درجے کا سپاہی اور لڑنے لڑانے دونوں میں طاق تھا اور اپنی ابتدائی کوششوں میں خوش قسمتی سے کام یاب رہا، اہلِ اکائیہ کا حوصلہ اور زور بہت بڑھا دیا کہ اس کی قیادت میں وہ فتح پانے کے عادی ہو گئے تھے۔

لیکن پہلا کام اس نے یہ کیا کہ ان کی اسلحہ اور طرزِ جنگ میں جو خرابیاں تھیں، وہ دور کیں۔ اب تک وہ بہت ہلکی اور باریک زرہیں پہنا کرتے تھے اور اتنی چھوٹی کہ پورا جسم بھی ان سے نہ ڈھک سکتا تھا۔ ان کی دستی برچھیاں جنھیں پھینک کر مارتے ہیں، معمولی نیزوں سے بھی کہیں چھوٹی ہوتی تھیں۔ اور اس طرح گو وہ دور کی لڑائی خوب لڑتے تھے مگر دست بہ دست جنگ میں سراسر نقصان میں رہتے۔ فوج کے میدان میں آنے کا ڈھنگ بھی ناقص تھا کہ نہ تو ان کی صف باقاعدہ حصوں میں تقسیم ہوتی نہ حفاظت کی غرض سے برچھے لیے ہوئے پرا جماتی اور نہ مقدونوی پرے کی مثل سپاہی ایک دوسرے سے بھڑ کے اور ڈھالیں ملا کے کھڑے

ہوتے۔ پس غنیم کا حملہ ہوتے ہی اُن کی صفیں کھُل کر ٹوٹ جاتی تھیں۔ ان سب باتوں کی فیلوپی من نے اصلاح کی اور ان کی چھری اور چھوٹی برچھیاں (سانگ) بڑی بڑی ڈھال اور لمبے نیزوں سے بدلوائیں۔ ان کی رانیں، پنڈلیاں اور سر و جسم محفوظ کیے اور بچے بچے جنگ کرنے کی بجائے قدم قدم پر جم کر لڑنا سکھایا۔ اس طرح جب انھیں عمدہ اسلحہ کی قدر اور ان کی وجہ سے اپنی قوت بازو پر زیادہ اعتماد ہوگیا تو بالواسطہ ان کے اسراف اور فضول خرچیوں میں کمی پڑی، اور نمایشی اور بیہودہ کاموں پر خرچ ہونے کی جگہ ان کے زر کا ایک عمدہ اور سپاہیانہ مصرف نکل آیا۔ درحقیقت یہ لوگ پہلے اپنے لباس مکانوں کے فرش فروش یا پُر تکلف ضیافتوں میں ایک دوسرے پر فوق لے جانا ہی شانِ امارت سمجھتے تھے اور رواجِ عام نے اس بیماری کو ایسا لاعلاج بنا دیا تھا کہ اب اس کے جانے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ لیکن فیلو نے آخرکار ان کا مذاق بدلا اور فضول تکلفات کی بجائے انھیں مفید مردانہ نمود کی طرف مائل کیا کہ وہ خرچ کم کریں اور ان کی سب سے بڑی خوشی اعلا درجے کے ہتھیار سجانا اور شان و شوکت کے ساتھ میدان میں آنا ہو۔ پس آیندہ سے وہاں کی تمام دُکانوں اور بازاروں میں سوائے اس کے کچھ نظر نہ آتا کہ ہر طرف برتن توڑے یا پگھلائے جا رہے ہیں، چار آئینوں پر صیقل ہو رہا ہے اور زرہ بکتر میں چاندی کی پھول پتیاں جڑی جا رہی ہیں۔ جنگی مشق و ورزش کے میدانوں میں نوجوان فوجی ورزشیں، شمشیر و نیزہ بازی میں مصروف نظر آتے اور یا لوگ گھوڑے سدھانے ہیں۔ عورتوں کے ہاتھوں میں بھی کچھ نظر نہ آتا بجز خودوں کے یا.

پَر دار کلغیوں کے کہ انھیں رنگا جائے ، اور سواری کے لباسوں ، یا تفتاقوں کے کہ ان پر زری کا کام بنایا جائے ۔ اور ان تمام مشغلوں کا صرف دیکھنا ہی ان میں بہادری کا جوش بھڑکاتا اور ہمت و ولولہ پیدا کرتا تھا کہ خطروں سے نہ ڈریں اور مشکل سے مشکل کام پر لپکیں ۔ کیوں کہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر قسم کے تکلفات خواہ کسی قدر مسرت بخش ہوں ، بالضرور آدمی کو کم زور کر دیتے ہیں ۔ جسمانی خواہشوں کا پورا ہونا دل کی قوت کو گھٹاتا ہے لیکن یہ سپاہیانہ شان و نمایش ایسی شے ہے جو ہمت کو اُبھارتی اور تقویت پہنچاتی ہے جس طرح ہومر نے اکی لِس کو دکھایا ہے کہ نئے ہتھیار دیکھ کر وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا اور بے تاب ہو جاتا تھا کہ اُن سے کام لے ۔ القصہ جب فیلوپی من نے اس طرح سپاہ گری کا شائق اور بہ خوبی مسلح کر لیا تو پھر انھیں قواعدِ جنگی کا ماہر بنانے پر توجہ مبذول کی اور بار بار جمع کرنا اور قواعد لینا شروع کیا جس میں وہ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اس کی پیروی کرتے ، کیوں کہ اب انھیں اپنے نئے طرزِ جنگ میں لُطف آنے لگا تھا اور یہ باہم بستہ و پیوستہ سپاہیوں کی صفیں انھیں ناقابلِ شکست معلوم ہوتی تھیں ۔ وہ اسلحہ جو اب حسن و زیبایش کے لیے وہ لگا لگا کے نکلتے تھے ، کثرتِ کار سے انھیں ہلکے پھول اور استعمال کرنے میں آسان معلوم ہونے لگے تھے اور اب انھیں سوائے اس کے کسی چیز کا شوق نہ تھا کہ حقیقی جنگ اور دشمن پر ان اسلحہ کی آزمایش ہو ۔

اکائی علاقے کے لوگوں کی ان دنوں اسپارٹہ کے جابر حاکم مکانی دس کے ساتھ لڑائی چھڑی ہوئی تھی جو ایک زبردست فوج رکھتا تھا اور ہمیشہ پلوپونی سس پر قبضہ کر لینے کے موقعے تلاش کرتا رہتا تھا ۔

جب اہلِ مانٹینیہ پر اس کے حملہ آور ہونے کی خبر ملی تو فیلو نے فوراً فوج آراستہ کی اور اس کی طرف بڑھا۔ فریقین کا مانٹینیہ کے قریب سامنا ہوا اور اسی شہر کے سامنے اُنھوں نے اپنی صفیں جمائیں۔ دونوں طرف متعدد حلیف شہروں کی تمام جمعیتوں کے علاوہ بہت سے تنخواہ دار سپاہی بھی تھے اور انھی کی مدد سے مکانی دس نے پہلے حملے میں ٹارنٹم کے نیزہ برداروں کو دبا لیا جنھیں فیلو نے سب سے آگے کھڑا کیا تھا۔ لیکن جب اُسے قلبِ سپاہ پر دھاوا کرنے کی ضرورت تھی، وہ شد و مد کے ساتھ صفِ اوّل کے تعاقب میں بڑھا چلا آیا اور اہلِ اکائیہ پر جو مضبوطی سے اپنی جگہ ایک دوسرے سے سٹے کھڑے تھے، اُس نے حملہ نہ کیا بلکہ انھیں وہیں چھوڑ کر آگے نکل گیا۔ ایسے نرالے آغاز کو دیکھ کر (اکائی) اتحادیوں کی ہمتیں پست ہوگئیں اور وہ اپنے تئیں ہار میں سمجھنے لگے لیکن فیلو نے اسے بہت معمولی بات ٹھیرایا اور جب اسے دشمن کی غلطی نظر آئی کہ وہ اصل فوج کو چھوڑ کر محض ایک دستے کے تعاقب میں مصروف ہے اور خود اپنا بازو غیر محفوظ کیے دیتا ہے تو اُس نے پہلے کوئی مزاحمت نہ کی بلکہ اس کے بہت دُور جانے تک خاموش کھڑا رہا مگر جب مکانی دس اور اسپارٹی رسالہ فاصلے پر نکل گیا اور ان کی پیادہ فوج کے دونوں بازو کھلے رہ گئے تو اس وقت یکایک وہ ان پر جا پڑا اور اس حال میں کہ وہ یقین رکھتے تھے کہ ہم نے لڑائی جیت لی، اُن پر حملہ آور ہوا اور اسی بے خبری میں کہ ان کا سپہ سالار تک ان میں موجود نہ تھا، انھیں شدید نقصان کے ساتھ شکست دی (لوگوں کا بیان ہے کہ اس مقام پر چار ہزار اسپارٹی مارے گئے) پھر گھوم کر مکانی دس کی طرف بڑھا جو اپنے اجیر سواروں کو لیے

ہوے تعاقب سے واپس آرہا تھا۔ اتفاق سے ان دونوں سپہ سالاروں کے درمیان ایک گہری کھائی آگئی اور تھوڑی دیر تک دونوں حریف آمنے سامنے کنارے کنارے چلتے رہے۔ اور ایک گھوڑا اُڑا کر دوسری جانب آنا چاہتا تھا تو دوسرا اُس کی مزاحمت کرتا تھا۔ اس طرح ان دونوں کی جنگ، لڑائی سے زیادہ ایسی حالت سے مشابہ تھی جس میں کوئی جنگلی درندہ دب کر اپنی جان بچانے کے لیے کش مکش کر رہا ہو اور چابک دست شکاری یعنی فیلوپی من اُسے گھیر کر کونے میں لے آیا ہو۔ لیکن شاہ جابر کا گھوڑا بہت زبردست اور مضبوط تھا اور جب پہلوؤں میں خونی مہمیزیں گڑیں تو وہ ہمت کر کے کھائی کودا۔ تاہم اُس کے صرف اگلے پانو دوسرے کنارے تک پہنچے اور انھی کی مدد سے وہ باقی جسم ابھارنے کی جدوجہد کر رہا تھا کہ فیلوپی من کے ساتھی سمنیاس اور پولی نس اس کی جانب بڑھے لیکن ان دونوں سے پہلے فیلوپی من اپنے حریف کے سر پر جا پہنچا اور یہ دیکھ کر کہ گھوڑے کا سر سامنے ابھرا ہوا ہی اور مکانی دس کا جسم اس کی آڑ میں آگیا ہی، فیلو نے اپنا گھوڑا تھوڑا سا پھیر لیا اور اپنی برچھی کو بیچ میں سے پکڑ کے اس قوت کے ساتھ مارا کہ مکانی دس مر کر لڑھکتا ہوا کھائی میں جا پڑا۔ یہی موقع اور حالت تھی جس میں فیلوپی من کی برنجی مورت اہلِ اکائیہ نے بنوائی اور اس روز اس کی عمدہ سپاہ سالاری اور اس تنہا مقابلے کی یادگار میں ڈلفی میں نصب کرائی ہی۔

اس فتح کے کچھ عرصے بعد نمیہ کی مذہبی نمایش کے زمانے میں فیلوپی من دوسری مرتبہ سپہ سالار تھا اور اُسے جنگی مہمات سے بھی فرصت حاصل تھی تو اس نے پہلی مرتبہ اپنی یونانی فوج اور اُس کی جنگی قواعد

لوگوں کو دکھائی۔ صف آرائی سے لے کے تمام کام جو لڑائی میں کرنے پڑتے ہیں، ایسی خوبی اور صفائی کے ساتھ انجام دیے کہ دیکھنے والے عش عش کرنے لگے۔ پھر جب وہ تماشا گاہ میں گیا، جہاں انعامی مقابلے کی غرض سے گانا ہو رہا تھا تو اُس کے نوجوان سپاہی، جوانی کے زور میں بھرے ہوئے اور قرمزی کفتانوں پر زرہیں لگائے، فوجی لبادے پہنے، مودبانہ اپنے سپہ سالار کے پیچھے تھے۔ مگر اس انکسار کے ساتھ ان کے چہروں سے وہ جلادت و اعتماد ٹپک رہا تھا جو بہت سے شان دار معرکوں میں نصرت و فتح مندی حاصل کرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ ان کے داخلے کے وقت اتفاق سے پای لادس مطرب، تی موتی اس کے "ڈراما" "اہالیِ ایران" کا یہ مصرع اُسی آہنگِ بلند کے ساتھ جو شاعر کے سیاقِ شاہانہ کے مناسب ہے، گا رہا تھا:۔

"یونان قیادت میں اس کی، منصور رہا، آزاد رہا"

تو سارے تماشائی مُڑ مُڑ کر فی لوپی من کو دیکھنے اور خوشی سے تالیاں بجانے لگے کہ اس کی موجودگی نے پھر اُن کے خیالات میں وہ زور و بلندی پیدا کر دی تھی جو عہدِ رفتہ کی حوصلہ مندیوں سے تقریباً ہم سطح تھی اور اسی کی بدولت انھیں جسارت ہوتی تھی کہ اپنے وطن کی گزشتہ عظمت حاصل ہونے کی امید لگائیں۔

ان دنوں اکائیوں کا حال کچھ اُن بچھیروں کا سا ہو گیا تھا جو اپنے پُرانے سواروں کے ساتھ خاموش رہتے ہیں، لیکن اجنبی آدمی کے سوار ہوتے ہی بے چین اور بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اکائیہ کے سپاہی بھی جب کسی مہم پہ جاتے اور فی لوپی من ان کا سردار نہ ہوتا تو افسردہ دل ہو جاتے اور ان کی آنکھیں اسی کو ڈھونڈتیں اور پھر جوں ہی وہ دوبارہ اُن

میں آتا، اُن کی ہمتیں بھی از سر نو تازہ ہو جاتیں کیوں کہ انھیں یقین تھا کہ وہی ایسا سپہ سالار ہے جس کے مقابلے کی غنیم تاب نہیں لا سکتا بلکہ نام سُن کر ہی خوف سے ہراساں ہو جاتا ہے اور اس کا کئی بار تجربہ ہوا حتی کہ خود شاہ مقدونیہ بھی یہ سمجھ کر اس کے قتل کرانے کے درپے ہو گیا کہ اگر فیلوپی من کا قصہ پاک ہو جائے تو اکائیہ پر بہ آسانی اپنا رعب داب اور حکومت جمائی جا سکتی ہے۔ چناں چہ اس کام کے لیے چند آدمی بھی اُس نے مقرر کیے لیکن یہ سازش کھل گئی اور اس کی وجہ سے خود اس بادشاہ کا وقار جاتا رہا اور اس کی بڑی رسوائی ہوئی۔ اسی طرح اہلِ بیوشیہ نے مگارا کا محاصرہ اور قلعے کو دھاوے سے تسخیر کرنے کا ارادہ کیا تو وہاں ایک بے بنیاد افواہ پھیل گئی کہ فیلوپی من مگادا کی امداد کو پہنچا چاہتا ہے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ حملہ آور اپنے چڑھائی کے زینے فصیل کے پاس چھوڑ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ واقعتاً ایک اسی قسم کا واقعہ اسپارٹہ کے جابر نابیس کے ساتھ بھی پیش آیا جو مکانی دس کا جانشین تھا اور چھاپہ مار کے مسینہ پہ قابض ہو گیا تھا۔ فیلو ان دنوں برسر عہدہ نہ تھا لہذا سپہ سالار وقت لائی سی پس کو اس نے آمادہ کیا کہ مسینہ کو بچائے۔ مگر جب اس نے عذر کیا کہ غنیم قلعے کے اندر پہنچ چکا ہے اور اب وہاں سے اس کا نکالنا ممکن نہیں تو اس وقت فیلو نے سرکاری حکم و احکام کے بغیر از خود چڑھائی کرنے کا تہیہ کیا اور صرف اپنے وہ ہم وطن ساتھ لیے جو اُسے قدرت کی طرف سے اپنا سپہ سالار سمجھ کر ہمراہ ہو گئے تھے۔ نابیس کو جب اس کی آمد کا علم ہوا تو ہر چند اُس کی فوج شہر کے اندر مقیم تھی، تاہم اُسے وہاں ٹھیرنا مناسب نہ معلوم ہوا اور وہ چُپکے سے شہر کے باہر

نکل گیا اور اپنا سلامتی سے بچ آنا ہی بڑی خوش نصیبی سمجھا بے شک وہ بچ گیا مگر مسینہ کو نجات مل گئی۔

اب تک تو ہر موقع پر فیلوپی من کی ستایش اور عزت افزائی ہوئی لیکن جب اہل گورٹای نیہ کی درخواست پر وہ ان کا سپہ سالار ہوکر قریطش چلا گیا حالاں کہ خود اس کے وطن پر نابیس اُن دنوں زبردستیاں کر رہا تھا تو اس پر بے موقع جاہ پسندی یا بُزدلی کا الزام عائد ہوئے بغیر نہ رہا۔ کیوں کہ خود اکائیہ میں اہل مگالوپولس کی حالت یہ تھی کہ مغلوب ہوتے ہوتے وہ اپنے شہر کی چار دیواری میں گھر گئے تھے اور کمال مجبوری کے باعث گلی کوچوں میں کاشت شروع کردی تھی مگر فیلوپی من تھا کہ اس زمانے میں سمندر پار سپہ سالار بنا ہوا ایک غیر قوم کی لڑائیاں لڑ رہا تھا اور اپنے بدخواہوں کو طعن وتشنیع کا موقع دے رہا تھا۔ بعضوں کی رائے تھی کہ اس نے گورٹای نیہ والوں کی ملازمت صرف اس وجہ سے قبول کی کہ اہل اکائیہ نے دوسرے سپہ سالار منتخب کر لیے تھے اور رہا اس عہدے کے فیلو سے خالی نہ بیٹھا گیا اور جہاں اسے یہ کام ملا، وہیں چلا گیا۔ اس راے کی بالواسطہ تائید فیلوپی من کے ایک قول سے بھی ہوتی ہی جو اُس نے شاہ بطلی موس کی نسبت کہا تھا۔ یعنی جب کسی نے بطلی موس کی تعریف کی کہ جنگی قواعد اور ورزش کی بدولت وہ اپنی فوج کو نہایت عمدہ حالت میں رکھتا ہی تو فیلو نے جواب دیا ”اس عمر کے بادشاہ کی یہ کیا تعریف ہی کہ ہمیشہ تیاریوں میں مصروف ہی مگر کرتا کچھ نہیں؟“

بہرحال مگالوپولس کے لوگ اسے بے وفا سمجھ کر اس قدر ناراض تھے کہ ایک مرتبہ اُسے جلاوطن کرنے پر آمادہ ہوگئے، لیکن اہل اکائیہ

نے انھیں اس ارادے سے باز رکھا اور اپنے جرنیل اریس تیوس کو مگالوپولس بھیجا۔ یہ سردار اگرچہ ملکی معاملات میں فیلو سے بہت اختلاف رکھتا تھا مگر اس کی جلاوطنی کو اس نے کسی طرح جائز نہ رکھا۔ اُدھر اُن کی یہ مخالفت دیکھ کر فیلو نے قرب و جوار کی بستیوں کو بھڑکایا کہ مرکزی حکومت کی اطاعت نہ کریں اور حجت کریں کہ ہم ابتدا سے کسی اکائی قانون کے پابند نہیں اور نہ کوئی محصول ادا کرتے ہیں۔ پھر جب انھوں نے شورش مچائی تو فیلو نے ان کی علانیہ طرف داری کی اور اکائی حکومت خاص کر شہر مگالوپولس سے مخالفت پیدا کردی۔ لیکن یہ باتیں کچھ دن بعد کی ہیں۔

اہلِ گورٹائی نیہ کی ملازمت کے زمانے میں فیلوپی من کھلی میدان کی لڑائیاں نہیں لڑا بلکہ یہاں اُس نے بھی اسی مکر و خدع سے کام لیا جو اہلِ قریطش میں عام تھا۔ اور اس طرح انھی کے ہتھیاروں سے لڑکر دکھلا دیا کہ مہارتِ جنگ کے مقابلے میں محض چالاکی سے کچھ کام نہیں چلتا اور یہ کہ وہ ایک تجربے کار سپاہی کے سامنے بچے ہیں۔ پھر بہادری دکھلانے کے بعد اور بہت مشہور ہو کے فیلو نے اپنے وطن کی طرف مراجعت کی اور یہاں اُس وقت پہنچا جب شاہ مقدونیہ، رومیوں سے شکست کھا چکا تھا اور نابیس، اکائی اور رومی دونوں سے برسر جنگ تھا۔ اس کے آتے ہی لوگوں نے اسے اپنا سپہ سالار مقرر کرلیا مگر فیلو نے اس موقع پر وہی غلطی کھائی جو اپامنن دس نے کھائی تھی یعنی بحری لڑائی کی جسارت کر بیٹھا جس کا نتیجہ ناکامی ہوا اور خود اس کی شہرت سابقہ پر اس سے بڑا حرف آیا۔ اپامنن دس اور فیلوپی من کی ناکامی

میں بھی فرق ہے اور بعض لوگوں کا بیان صحیح ہو تو پہلے نے عمداً لڑائی میں کوتاہی کی تھی کہ اُس کے اہلِ وطن سمندر کے فائدوں پر مائل نہ ہو جائیں اور رفتہ رفتہ اچھے اچھے سپاہیوں کی جگہ افلاطون کے لفظوں میں "بُرے ملاح" نہ بن جائیں۔ پس وہ جان بوجھ کر انشیاے کوچک اور جزائر ایجین سے واپس لوٹ آیا تھا۔ برخلاف اس کے فیلوپی من سمجھا تھا کہ اس کی مہارتِ جنگ پانی پر بھی وہی کام دے گی جو خشکی میں دیتی رہی لیکن اب اسے یہ سبق ملا کہ کسی شے سے کام لینے میں اس سے واقف و مانوس ہونا ضروری ہے اور تجربہ دلاوری کا جزوِ اعظم ہے کیوں کہ تجربہ نہ ہونے کے باعث بحری مقابلے میں جو کچھ مصیبت اس پر آئی، وہ تو ایک طرف، خود وہ جہاز جس میں وہ روانہ ہوئے، بہت پُرانا تھا۔ چالیس برس پہلے اس کی شہرت ضرور تھی، لیکن اب جو وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر چلا تو وہ تھوڑی سی دیر میں اُلٹ پلٹ ہو کر ڈوبنے لگا اور سب غرق ہونے سے بال بال بچے۔ لیکن جب پہلی شکست کے بعد اسے معلوم ہوا کہ فتح مند غنیم نے گیتھم کا محاصرہ کر لیا ہے اور ازراہِ غرور اب میدان کو خالی سمجھے ہوئے ہے تو اس نے فوراً لنگر اٹھایا اور یکایک ان بے خبروں پر جو فتح پا کے بالکل مطمئن اور منتشر ہو گئے تھے، راتوں رات [illegible] فوج اُتار کے حملہ کیا اور اُن کی لشکر گاہ میں آگ لگا کے بہت سے آدمی مار ڈالے۔ اس واقع کو زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ایک غیر ہموار علاقے سے گزرتے میں اس کا اچانک نابیس سے مقابلہ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر اس کے ساتھی گھبرا گئے اور ایسی دشوار گزار زمین میں دشمن کو تمام عمدہ موقعوں پر قابض دیکھا تو انھیں بہ خیریت نکل جانے کی بھی امید نہ رہی۔ مگر فیلو نے فوج کو ٹھیرا کر میدان کا معائنہ کیا اور پھر چند قدم بڑھ کے صفیں

ایسی مناسب آراستہ کیں کہ جنگ کا نقشہ بدلا ہوا نظر آنے لگا اور ثابت ہوگیا کہ لڑائی میں صف آرائی کتنی اہم چیز ہے۔ پھر دشمن کی زد سے ہر طرح محفوظ ہو کے خود اُس نے دھاوا کیا اور انھیں مار کر بھگا دیا۔ لیکن جب دیکھا کہ وہ شہر کی طرف نہیں بھاگے بلکہ منتشر ہو کے میدانوں میں نکل گئے جہاں نشیب و فراز، جھاڑی اور چٹان اور نالے کھڈوں کی وجہ سے گھوڑوں کا جانا مشکل ہے تو اُس نے فوج کو واپس ہونے کا حکم دیا اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ وہ اس بات کو تاڑ گیا تھا کہ دشمن کے سپاہی آبادی میں دستہ دستہ رات کے وقت داخل ہوں گے پس اُس نے اپنے آدمیوں کی معقول جماعتیں آبادی کے چاروں طرف پھیلا دیں اور شہر پناہ کے آس پاس کھائیوں اور ڈھلانوں میں اُنھیں تعینات کر دیا، چناں چہ نابیس کے بہت سے آدمی اُن کے ہاتھ آئے کیوں کہ وہ ایک جا ہو کے واپس نہیں ہوئے تھے۔ پس شہر میں داخل نہ ہونے پاتے تھے کہ چڑیوں کی طرح پکڑے جاتے تھے۔

ان کارناموں پر تمام یونان میں اس کا شہرہ ہوگیا اور وہ ہر جگہ عزت و محبت کے ساتھ یاد کیا جانے لگا۔ البتہ رومی قنصل، ٹی ٹس فلے می نی نس جو بالطبع اپنی نام آوری کا خواہاں تھا، اس سے حسد کرتا اور چاہتا تھا کہ سلطنت رومہ کے علا عہدے دار اور ایک یونانی ریاست کے معمولی شہری میں کچھ نہ کچھ فرقِ مراتب رہے اور اہل اکائیہ اپنے ملکی سپہ سالار سے بڑھ کر اُس کا پاس و لحاظ کریں۔ خصوصاً اس لیے کہ اسی نے مقدونیہ کے پنجے سے یونان کو چھڑایا تھا۔ پس ٹی ٹس کے خیال میں فیلوپی من کے کام اس احسان کے سامنے کچھ قابلِ وقعت نہ تھے۔

اس کے کچھ مدت بعد ٹی ٹس نے شاہ نابیس کے ساتھ صلح کر لی مگر نابیس اہل اطولیہ کے ہاتھوں میں پھنس کر مارا گیا اور تمام اسپارٹہ میں ایک ہل چل پیدا ہو گئی۔ فیلو نے یہ موقع بہت غنیمت جانا اور فوج لے کے اسپارٹہ جا پہنچا اور بعض کو صلاح و فہمایش سے اور بعض کو ڈرا دھمکا کے رضامند کر لیا کہ وہ اکائی اتحاد میں شریک ہو جائیں۔ مجلس اکائیہ کے اتحاد میں اسپارٹہ کا شامل ہونا کچھ معمولی بات نہ تھی اور اسی لیے ایک طرف تو اکائیہ میں اس کی بے انتہا تعریفیں ہوئیں کہ ایسے طاقت ور شہر کو حلیف بنا کے اپنی قوت میں اضافہ کیا، اور اُدھر شرفائے اسپارٹہ بھی اس کے کچھ کم احسان مند نہ ہوئے کہ اس اتحاد کی بدولت انھیں اپنی آزادی قائم رکھنے کی امید بندھ گئی۔ پھر انھوں نے اسی کے صلے میں نابیس کا مکان اور اسباب بیچ کر ایک سو بیس ٹیلنٹ جمع کیے اور شہر کی طرف سے ایک وفد بھیج کر یہ رقم فیلوپی من کو نذر کرنی چاہی۔ لیکن اس موقع پر ثابت ہوا کہ فیلوپی من کی دیانت ایک خالص اور حقیقی وصف ہے کیوں کہ جس کسی کے سپرد وہ یہ کام کرنا چاہتے تھے، وہی عذر کر دیتا تھا۔ حتیٰ کہ یہ خدمت تمولوس کو دی گئی، جس کے ہاں فیلوپی من قیام اسپارٹہ کے زمانے میں آن کے ٹھیرا تھا۔ چناں چہ وہی میگالوپوس گیا اور فیلوپی من کا مہمان ہوا۔ لیکن اس کی باوقار طرزِ زندگی اور اعلا اخلاق اور سادگی دیکھ کر اس قدر متاثر ہوا کہ مذکورہ بالا پیش کش دینے کی اسے جسارت نہ ہو سکی، اور اسے یقین ہو گیا کہ میرا میزبان حرص و طمع سے بہت ارفع ہے، لہٰذا اپنے آنے کا کچھ اور بہانہ بنا کے اور اس ڈیوٹی کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے نکالے بغیر واپس چلا آیا۔ اہل اسپارٹہ نے اسے دوبارہ بھیجا

تو پھر وہی ہوا جو پہلے ہوا تھا۔ لیکن تیسری مرتبہ اس نے بہت ڈرتے ڈرتے اپنے آنے کا مدعا ظاہر کیا اور فیلوپی من کو اسپارٹہ کے احسان مندانہ ہدیے کی اطلاع دی۔ فیلو نے یہ باتیں خوشی اور شکرگزاری کے ساتھ سنیں اور پھر خود اسپارٹہ آیا اور انھیں نصیحت کی کہ "اپنے خیر خواہوں اور شریفوں کو رشوت نہ دیں کہ وہ تو ہمیشہ بغیر معاوضہ ہی ان کے ساتھ بھلائی کریں گے۔ البتہ ہو سکے تو خود اپنے بدخواہ شہریوں کی دہن دوزی کا انتظام کریں جو عوام الناس میں باغیانہ تقریروں سے شورش پھیلا دیتے ہیں، کیوں کہ دوستوں کی نسبت دشمنوں کا منہ بند کرنا بہر حال اولا ہے۔" اس واقع سے ظاہر ہوتا ہے کہ فیلوپی من ہر قسم کی رشوت سے کس قدر ماورا تھا۔

اس کے بعد جب ڈیوفان اکاڈیہ میں سپہ سالار منتخب ہوا اور اسے اطلاع ہوئی کہ پھر اسپارٹہ کے لوگ بغاوت اور فتنہ و فساد کے منصوبے باندھ رہے ہیں تو اس نے انھیں قرار واقعی سزا دینے کا ارادہ کیا۔ ادھر انھوں نے بھی لڑائی پر کمر باندھی اور تمام پوپونی سس میں آتش جنگ بھڑکانے لگے۔ اس موقع پر فیلوپی من نے جہاں تک ہو سکا، دیوفان کو لڑائی سے روکا اور سمجھایا کہ اس وقت جب کہ رومی اور شاہ انطیاکوس قلب یونان میں بڑی بڑی فوجوں کے ساتھ نبرد آزما ہیں، تم جیسے ذمے دار شخص کا فرض خود ملک میں امن قائم رکھنا اور باہمی جھگڑوں کو بھلا کر اس مقابلے کا نتیجہ دیکھنا ہے۔ لیکن دیوفان پر ان مشوروں کا کچھ اثر نہیں ہوا اور وہ ٹی ٹس کی شرکت میں براہ راست اسپارٹہ پر بڑھا، تب فیلو نے غصے میں وہ کارروائی کی جو ہر چند نہ درست تھی نہ

موافقِ قانون تاہم اس کی دلیری اور حوصلہ مندی کی گواہ تھی۔ یعنی تنہا شہر میں گمس کے رومی قنصل اور اکائی سپہ سالار کسی کو اسپارٹہ میں داخل ہونے کی اُس نے اجازت نہ دی، حالاں کہ وہ کوئی منصب یا عہدہ نہ رکھتا تھا۔ پھر اُس نے شہر کی اندرونی شورش و نزاع دُور کی اور انھی شرائط پر اسے مجلسِ اتحاد میں دوبارہ شریک کرا دیا جو پہلی مرتبہ قرار پائی تھیں

مگر عجیب بات یہ ہے کہ کچھ عرصے بعد جب سپہ سالار منتخب ہُوا تو اُسی نے کسی جُرم کی سزا میں اسپارٹہ کے تمام جلاوطن بہ جبر وہیں آباد کرا دیے اور پولی بیس کے بقول اسّی لیکن ارستوکراتس کی روایت کے بموجب تین سو پچاس شہریوں کو قتل کرا دیا۔ پھر شہر پناہ تُڑوا کے اُن کی بہت سی اراضی مگالوپولس کے علاقے میں شامل کر لیں اور شاہانِ اسپارٹہ نے جن لوگوں کو اپنی رعایا بنا لیا تھا، انھیں زبردستی وہاں سے اُٹھوا کے اکائیہ لے آیا، سوائے تین ہزار نفوس کے جو کسی طرح اپنا نیا وطن چھوڑنے پر رضامند نہ ہوئے، اور جنھیں اس نے غلام بنا کے بیچ ڈالا اور پھر اس رقم سے، شاید اظہارِ فخر و مسرت کے لیے ایک دالان تعمیر کیا۔ ان مظلوموں کے ساتھ اس کی آخری اور سب سے ناروا اور حاسدانہ زیادتی یہ تھی کہ قوانین لکرگس کو منسوخ اور بچّوں کی تعلیم اور طریقِ معاشرت میں اہلِ اکائیہ کی تقلید پر مجبور کیا۔ گویا اس کے نزدیک جب تک لکرگس کے قوانین باقی تھے، اہلِ اسپارٹہ کی قوت و حوصلہ مندی بھی کم نہ ہو سکتی تھی۔ واقعی شخصی بادشاہوں کی طرح اس کا یہ جابرانہ حکم عداوت و بے رحمی پر مبنی تھا جس کی ان بدنصیب محکوموں نے محض بے بسی کی وجہ سے پیروی کی اور عالمِ مجبوری میں اپنے قومی آئین کی رگیں کٹتی دیکھتے رہے۔ لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ

انھیں رومیوں کی امداد حاصل ہوگئی اور جب وہ اکائیہ کے اثر سے نکل گئے تو جہاں تک ان کی حالت نے اجازت دی، انھوں نے پھر لکرگس کے قوانین کو تازہ کیا اور اس عبرت ناک زوال میں بھی اُس آئینِ کہن کو نہ بھلایا۔

یونان میں انطیاکوس اور رومیوں کے درمیان لڑائی کے وقت بھی فیلوپی من برسرِ عہدہ نہ تھا اور رہ رہ کر افسوس کر رہا تھا کہ انطیاکوس بےکار بڑا وقت ضائع کر رہا ہی۔ خود عشق بازی اور شادیوں میں مصروف ہی اور اس کے سپاہی بے ترتیب و بے ضابطہ اِدھر اُدھر دیہات میں منتشر ہیں اور اپنے عیش و نشاط کے سوائے کسی شے سے واسطہ نہیں رکھتے۔ وہ خود صاحبِ اختیار نہ ہونے پر پچھتاتا اور بار بار کہتا تھا کہ "رومیوں کی فتح پر مجھے حسد آتا ہی۔ اگر خوش نصیبی سے اس وقت میں سپہ سالار ہوتا تو ساری فوج کو شراب خانوں ہی کے اندر اچانک گھیر کے مار لیتا۔"

جب انطیاکوس مغلوب ہوگیا تو رومیوں نے یونان کو اور بھی دبانا شروع کیا اور اکائیہ کے چاروں طرف ان کی فوجیں پھیل گئیں اور اس حال میں شہروں کے جمہوریت پسند روسا بھی ان کے آگے جھک گئے اور وہ نتیجہ (یعنی رومیوں کی محکومی) جو گردشِ ایام نے یونان کی قسمت میں لکھ دیا تھا، بہ سرعت تکمیل کو پہنچنے لگا۔ اس نازک موقع پر فیلوپی من ہی اپنے وطن کا وہ ہوشیار ناخدا تھا جو طوفانی سمندر میں کبھی بادبان کا رُخ بدلتا، کبھی ایک طرف کو دبتا مگر جہاز کو سلامتی کے ساتھ کھیے لیے جاتا ہو اور جس نے ہر صاحبِ وجاہت و اثر شخص کو، ایک مرکز پر مجتمع کرلیا ہو کہ سب مل کر اپنی محبوب و مشترکہ آزادی کو بچائیں۔

اسی زمانے کا ذکر ہی کہ ارسطی نوس جو میگالوپولس کا باشندہ اور

اور اکائیہ میں بڑا مانا ہوا شخص تھا اور ہمیشہ رومیوں کی طرف داری کیا کرتا تھا، ایک دن مجلس میں کہنے لگا کہ ہمیں ہرگز رومیوں کو بگاڑنا اور اُن سے لڑائی مول لینی نہ چاہیے، فیلوپی من بڑی بے صبری سے اس کی باتیں سنتا رہا اور آخر ضبط نہ کرسکا تو طیش میں آکے بولا "کم بخت! تجھے یونان کا خاتمہ دیکھنے کی ایسی جلدی کیوں ہو۔" اسی طرح جب رومی قنصل ماتی اس نے اکائیوں سے درخواست کی کہ جن لوگوں کو زبردستی اسپارٹہ سے اٹھوا کے اپنے ہاں بسالیا ہو، انھیں واپس جانے کی اجازت دے دیں، تو اس وقت فیلوپی من نے اس کی شدید مخالفت کی اور محض اس لیے کہ وہ لوگ اس کام کو رومیوں کے دباؤ سے نہ تصور کریں۔ انھیں اس وقت نہ جانے دیا حالاں کہ وہ تجویز کا مخالف نہ تھا۔ بلکہ بعد میں خود سپہ سالار ہوا تو اُس نے بہ طور خود اکائیہ والوں کی جانب سے انھیں واپس جانے کی اجازت دے دی۔ اُس سے معلوم ہوتا ہو کہ اس کی طبیعت کس قدر آزادی پسند تھی اور کسی کی اطاعت ماننے سے اسے کتنا عار آتا تھا۔

اب اپنی آٹھویں سپہ سالاری اور عمر کے تین بیسی اور دسویں سال میں اس کی آرزو تھی کہ نہ صرف سپہ سالاری کا ایک سال بلکہ باقی ماندہ عمر گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر گزار دے کیوں کہ جس طرح مشہور ہو کہ ہماری جسمانی قوت میں جتنی کمی آتی جاتی ہو اسی قدر ہمارے امراض کا زور بھی گھٹ جاتا ہو، اسی طرح یونان کی سیاسی عظمت کے زوال کے ساتھ ساتھ اس کے باشندوں کی جنگ جوئی میں بھی بہت فرق آگیا تھا؛ لیکن تقدیر یا غیب کے کسی انتقامی ہاتھ نے فیلوپی من کی یہ آرزو پوری نہ ہونے دی بلکہ کسی کامیاب دوڑنے والے کی مثل جو عین منزل پہ پہنچ کر ٹھوکر

کھا جاتا ہی، اُسے آخر عمر میں پٹخنی دی۔ یہ بھی سنا ہی کہ لوگوں میں بیٹھ کے جہاں ایک شخص کی اعلا سپہ سالاری سراہی جا رہی تھی، ایک دفعہ اس نے یہ کلمہ کہا تھا کہ جس شخص نے دشمن کے ہاتھ میں زندہ گرفتار ہونا گوارا کرلیا، اس کی سوانح حیات میں بڑائی کرنے کے لیے کیا دھرا ہی؟"

اس بات کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ **دی نوکرالتس** کے اکائیہ سے بغاوت کرنے کی اطلاع ملی۔ یہ شخص مسینہ کا باشندہ **فیلوپی من** کا جانی دشمن اور سخت شریر النفس تھا اور اس کی بد ذاتیوں کے سبب لوگوں کو اس سے نفرت تھی۔ اب اسی نے اپنے ہم وطنوں کو اکائیوں کے خلاف آمادہ فساد کیا تھا اور ایک چھوٹی سی بستی **کورونیس** پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ **فیلوپی من** شہر **آرگس** میں بیمار پڑا تھا۔ لیکن یہ خبر سنتے ہی فوراً **مگالوپولس** روانہ ہوا اور ایک ہی دن میں چار سو **فرلانگ** طے کرکے وہاں آ پہنچا، اور بلا تاخیر فوج لے کے **مسینہ** کی طرف بڑھا۔ فوج میں بھی شہر کے اشراف اور جری سے جری نوجوان شریک تھے جنھوں نے اس اعلا مقصد اور کچھ فیلو کی الفت کے جوش میں تلوار باندھی تھی۔ کوچ ہی میں ان لوگوں کا دوانڈر پہاڑی کے قریب غنیم سے مقابلہ ہوا اور ایک ہی حملے میں انھوں نے اُسے بھگا دیا۔ لیکن غنیم کے پان سو تازہ دم جوان جو دیر سے آئے تھے اور مضافات میں چھوڑ دیے گئے تھے، اتفاقاً اس وقت ادھر آ نکلے اور بھاگنے والوں نے ان کی مدد سے پھر پہاڑیوں کے آس پاس پانو جما لیے۔ تب اس خوف سے کہ مبادا اس کے پھیلے ہوئے سپاہی گھیرے میں آجائیں، فیلو نے از راہِ احتیاط انھیں ہٹنے کا حکم دیا۔ یہ کارروائی خدشے سے خالی نہ تھی اور عقبی فوج کو وہ خود واپس لا رہا تھا۔ اس میں بار بار اُسے پلٹنا اور

حملہ کرنا پڑتا تھا اور اسی لیے لڑائی کا سارا زور ادھر آرہا تھا۔ اگرچہ غنیم کو قریب آنے کی ہمت نہ پڑتی تھی اور وہ دور ہی سے غل مچا مچا کے دھمکیاں دے رہے تھے، لیکن فیلوپی من کو اپنے ایک ایک آدمی کا اس قدر خیال تھا کہ ہر مرتبہ اپنے گروہ سے جدا ہو جاتا تھا اور انھی کوششوں میں آخر ایک مرتبہ وہ دشمن کی سب سے گھنی صفوں میں گھر گیا۔ اس پر بھی وہ اس تک آنے کی جرأت نہ کر سکے بلکہ فاصلے پر سے پتھراؤ کرتے رہے اور اُسے رفتہ رفتہ نہایت ناہموار پہاڑی زمین میں ہٹا لائے جہاں گھوڑے کو سیدھا رکھنا بھی دشوار تھا اور فیلو بہ مشکل ایڑیاں مار مار کے اسے چلا رہا تھا۔ اس حال میں پیرانہ سالی اس کی مزاحم نہ تھی کیوں کہ مسلسل مشق و مہارت کی بدولت اس کا جسم چُست و مضبوط تھا۔ البتہ اسے بیماری نے ناتواں اور ایک لمبے سفر نے مضمحل کر دیا تھا اور جب گھوڑے نے سکندری کھائی تو وہ سخت پتھریلی زمین پر اپنے اسلحہ کے بوجھ میں دبا ہوا گرا اور بے ہوش گیا۔ اس کے دماغ کو بھی گرنے میں ایسا صدمہ پہنچا تھا کہ تھوڑی دیر تک اس کی زبان بند رہی اور دشمن اُسے مردہ سمجھ کے اُلٹنے پلٹنے اور اس کے اسلحہ اتارنے لگے۔ لیکن جب اس نے آنکھ کھولی اور سر اٹھایا تو وہ سب کے سب اُس پر آپڑے اور مشکیں باندھ لیں۔ پھر طرح طرح کے ناملائم الفاظ اور اہانت آمیز کلمات کہتے اُسے لے چلے، حالاں کہ یہ وہ شخص تھا جسے خواب میں بھی ڈی نوکراتس باندھ لانے کا خیال نہ کر سکتا تھا، کجا کہ اس کے پیادوں کی قید میں پڑا اور یہ سخت و سست گفتگو سُنی۔

فیلوپی من کے گرفتار ہو کر آنے کی خبر سُن کر اہلِ مسینہ کو بے اندازہ

خوشی ہوئی اور ان کے جم غفیر شہر کے دروازوں پر جمع تھے لیکن جب انھیں وہ ایسی حالت خراب میں نظر آیا جو اس کی فتوحاتِ جلیلہ اور کارہائے نمایاں کی سچی نام وری اور شہرت و شان کے خلاف تھی تو ان کے دل پگھل گئے اور انسانی تقدیر کی یہ غداری دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے۔ ان میں بہت سے ترس کھا کے رونے لگے اور پھر بہ تدریج آنسوؤں کی جگہ کلماتِ مہر و محبت نے لے لی اور تقریباً ہر شخص کی زبان پر یہی الفاظ تھے کہ ہمیں اس کے احسانات یاد رکھنے چاہییں کہ اسی نے نابیس کے پنجۂ ستم سے آزادی کو بچایا تھا۔ چند آدمی دی نوکراتس کی خوشامد میں یہ صلاحیں بھی دیتے تھے کہ ایسے خوف ناک اور قوی دشمن کو عذاب کے ساتھ مروانا چاہیے کہ اگر وہ چھوٹ گیا تو پھر دی نوکراتس کو جان بچانی محال ہو جائے گی۔ آخر بڑی قیل و قال کے بعد انھوں نے اسے ایک زمین دوز قید خانے میں ڈال دیا جسے وہ لوگ "خزانہ" کے نام سے یاد کرتے تھے اور جس میں باہر سے ہوا جا سکتی تھی نہ روشنی اور کواڑوں کی بجائے ایک بڑے پتھر سے اس کا منہ بند کیا جاتا تھا۔ اب اسی پتھر کو لڑھکا کے انھوں نے زندان کے منہ پر جما دیا اور نگہبان مقرر کر دیے۔

اس عرصے میں جب فیلوپی من کے سپاہیوں کے حواس درست اور انتشار دفع ہوا اور انھوں نے کہیں اپنے سپہ سالار کو نہ پایا تو اس اندیشے سے کہ شاید وہ مارا گیا، سب کے سب وہیں رک گئے۔ اور کبھی اسے بہ آواز پکارتے اور کبھی ایک دوسرے کو اس شرم ناک فراری پر الزام دیتے کہ اپنے سردار کی خبر نہ لی اور بے وفائی سے چھوڑ کر خود

بھاگ آئے جن نے محض انھیں بچانے کی خاطر اپنی جان دی۔ آخرکار جب تلاش و تفتیش کے بعد انھیں اس کی اسیری کا علم ہوا تو واپس اگر چہار طرف کارواں کے ذریعے یہ خبر بھجوائی۔ اکائیہ بھر میں اس حادثے کا سخت رنج ہوا۔ اور ایک طرف تو انھوں نے اُسے چھڑانے کی غرض سے فوج آراستہ کی اور اُدھر یہ طے پایا کہ سفیر بھیج کر اُسے طلب کیا جائے۔

اکائیہ میں یہ تدبیریں ہو رہی تھیں مگر دی نوکراتس پہلے ہی ڈرا ہوا تھا کہ دیر ہوئی تو فیلوپی من بچ کے نکل جائے گا، اور اسی لیے اکائیہ کی سلسلہ جنبانی سے پیش تر وہ اپنا کام پورا کر لینے کا عزم رکھتا تھا۔ چناں چہ جوں ہی رات نے بھیڑ کو منتشر کیا، اُس نے جلاد کو اس حکم کے ساتھ زہر دلوا کے قیدخانے میں بھیجا کہ جب تک فیلوپی من زہر نہ کھائے، وہ وہاں سے نہ ٹلے۔ قیدی اس وقت، نیند کی وجہ سے نہیں بلکہ رنج و مصیبت کی مارے نڈھال، اپنے لبادے میں لپٹا ہوا زمین پر پڑا تھا۔ لیکن روشنی اور ایک آدمی کو زہر لاتا دیکھ کر بہ مشکل سیدھا ہو بیٹھا، اور پیالہ لے کر پوچھنے لگا کہ تم نے کائی سواروں سے خصوصاً لکرٹاس کی بھی کچھ خیر خبر سُنی؟ اور جب اُس نے جواب دیا کہ ہاں اُن کا بڑا حصہ سلامت نکل گیا تو خوش ہو کے اُسے دیکھا اور سر ہلا کے کہنے لگا "شکر ہی کہ ہم ہر طرح بدنصیب نہیں رہے" پھر بغیر کچھ کہے سُنے اس نے تمام زہر پی لیا اور دوبارہ زمین پر لیٹ گیا۔ چوں کہ اُس کی ناطاقتی کے باعث زہر کو زیادہ کشمکش کرنی نہ تھی لہذا بہت جلد کام تمام ہو گیا۔

جس وقت اکائیہ میں یہ خبر پہنچی، کہرام پڑ گیا اور نوجوانوں

نے چند رؤسائے قوم کے ساتھ مگالوپولس میں جمع ہو کے بلا تاخیر انتقام لینے کا عزم بالجزم کیا۔ پھر لکرٹاس کو اپنا جرنیل بنا کے انھوں نے مسینہ پر حملہ کیا اور جو سامنے آیا، تیغ و آتش کی نذر ہوا حتیٰ کہ ان سب نے ایک زبان ہوکر امان مانگی اور اطاعت قبول کی۔ دینوکراتس اور تمام رفقا جو فیلوپی من کو سزائے موت دینے میں اُس کے ہم آہنگ تھے، خودکشی کر کے انتقام سے بچنے کی پیش بندی کر سکے۔ لیکن انھیں، جو فی لوپی من کو تکلیفیں دے کر مارنے کی صلاح دیتے تھے، لکرٹاس نے گرفتار کر لیا اور شدید تر سزا کے واسطے قید میں رکھا۔ فیلوپی من کی لاش انھوں نے جلائی اور اس کی راکھ ایک مرتبان میں لے کر وطن کو واپس چلے۔ اس شان کے ساتھ کہ سروں پر فتح کے سہرے تھے اور آنکھوں میں آنسو۔ اسیرانِ جنگ پابستہ جلو میں تھے اور اس خاموش جلوس میں نصرت اور ماتم دونوں ہم قدم دکھائی دیتے تھے۔ فیلوپی من کا بیٹا پولی بیوس مرتبان لیے ہوئے جس پر اتنے فیتے اور ہار پڑے تھے کہ بمشکل نظر آتا تھا، آگے آگے تھا اور تمام اکائی عمائد اس کے ساتھ اور پیچھے ہتھیار بند سوار تھے۔ جن کے چہروں سے نہ سوگواری ظاہر ہوتی تھی نہ فتح کی خوشی۔ راستے میں جب گانو یا قصبے کے قریب سے ان کا گزر ہوتا، لوگ اس طرح اس سے ملنے آتے کہ گویا خود فیلوپی من فتح پا کے لوٹا ہے۔ پھر مرتبان کو سلام کرتے اور جلوس کے ساتھ ساتھ ہو لیتے تھے۔ یہاں تک کہ مگالوپولس پہنچے جہاں زن و مرد بوڑھے اور بچے سب آملے اور آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ وہ خوب جانتے تھے کہ فیلوپی من ہی کی بدولت ان کی سربلندی بڑھی تھی اور اس کا مرنا ان کے لیے کیسا ناقابل تلافی

نقصان ہے، پس اسے یاد کر کر کے رونے اور دستِ افسوس ملتے تھے ۔

اس طرح اپنے مرتبے کے لائق اعزاز و اکرام کے ساتھ اس کی راکھ دفن کی گئی اور مدفن ہی کے پاس ان قیدیوں کو سنگ سار کیا گیا جو میسینہ سے پکڑے ہوئے آئے تھے ۔ مختلف شہروں نے اُس کے اعزاز میں یادگاریں قائم کیں اور اُس کے بُت جگہ جگہ نصب کیے گئے ۔ پھر جب کورنتھ کی تباہی کے بعد یونان بدترین غم و الم کا شکار تھا، ایک رومی نے فیلوپی من کو بھی روم سے عداوت کا الزام دیا اور اس طرح کہ گویا وہ ابھی تک زندہ ہے، سزا تجویز کی کہ اس کی تمام یادگاریں تڑوا دی جائیں ۔ اس پر بڑی بحث اور تقریریں ہوئیں اور پولی بیوس نے ذلیل معترض کو بہت تفصیل سے ایک ایک بات کا جواب دیا ۔ اور اگرچہ فیلو نے اپنی زندگی میں بارہا رومی قنصلوں کی مخالفت کی تھی لیکن اب اُنھوں نے اس بات کو جائز نہ رکھا کہ اتنے بڑے آدمی کے اعزاز کی نشانیاں مٹا دی جائیں ۔ واقعی اُنھوں نے حق پسندوں کی طرح نیکی اور فائدہ رسانی میں بہت اچھا امتیاز کیا کیوں کہ ایک تو وہ ہے جو بہ ذاتِ خود نیک اور اچھا ہے اور دوسرے وہ ہے جو کسی خاص گروہ یا جماعت کے لیے مفید ہو ۔ اب انھوں نے یہ سمجھا کہ وہ شخص جو کسی کے ساتھ بھلا کرے گا، واجبی ہے کہ اُسے احسان مند فریق کی جانب سے کوئی صلہ یا شکریہ حاصل ہو ۔ باقی رہا محض اعزاز ۔ تو کوئی شخص جو خود اچھا ہے وہ اچھوں کے ساتھ یہ اعزاز پیش آنے میں بخل نہیں کر سکتا ۔

بس، فیلوپی من کے بارے میں مجھے اسی قدر کہنا تھا ۔

ٹی ٹس فلامی نی نس

اپالو دیوتا کا بُت جو قرطاجنہ سے لاکر بڑے دنگل کے مقابل نصب کیا گیا ہے، اسی کے قریب ٹی ٹس کوان ٹی فلامی نی نس کا برنجی مجسمہ موجود ہے اور جو لوگ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس کی ظاہری شکل صورت کیسی تھی، وہ اس مجسمے کو جاکر دیکھ سکتے ہیں۔ اس پر یونانی زبان میں ایک کتبہ بھی کندہ ہے۔ اسی ٹی ٹس فلامی نی نس کو ہم نے فیلوپی من کے مثیل کے طور پر انتخاب کیا ہے۔ اس کے مزاج کی نسبت کہا جاتا ہے کہ غصّے اور مہربانی دونوں حالتوں میں پُر تپاک تھا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان دو اعتبار سے یکساں نہ تھا۔ یعنی سزا دیتے وقت بالکل بے رحم نہ ہو جاتا تھا بلکہ معتدل رہتا تھا۔ لیکن حُسنِ سلوک یا بھلائی کرتے وقت وہ کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا تھا بلکہ جن کے ساتھ ایک بار عنایت سے پیش آیا، پھر اُن سے ہمیشہ مہربانی کرتا رہتا تھا گویا وہ لوگ نہیں بلکہ خود یہ اُن کا احسان مند ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ وہ جن کے ساتھ بھلائی کرتا، اُنھیں اپنی سب سے عزیز متاع سمجھتا اور پھر اس کی حفاظت و بقا کی برابر کوشش کرتا رہتا تھا۔ یا یہ کہ جب کسی بڑی یا غیر معمولی بھلائی کا موقع ملتا تو عزت حاصل کرنے کی تشنگی اور نیک نامی کا جذبہ اُسے اُبھارتا تھا کہ خود سبقت کرے۔ جو لوگ عنایت کرنے کے

قابل تھے، انھیں تو نام وری کی دوڑ میں وہ اپنا حریف جانتا تھا، بجائے کہ وہ جو عنایت کے محتاج ہوں، بھلائی کا موضوع اور اس لیئے ٹی ٹس کو اور زیادہ عزیز تھے۔

اس زمانے میں رومہ کی آئے دن لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ وہاں کے نوجوان شروع سے جنگ میں حصہ لیتے اور اوائلِ عمر ہی میں سپہ سالاری کا فن سیکھ لیتے تھے۔ ٹی ٹس فلامی نی نس بھی سپاہی کے درجے سے گزر کر سرداروں میں پہلی مرتبہ اس وقت داخل ہوا، جب ہنی بال کی جنگ میں مارسلس قنصل کے ماتحت اسے ٹری بیونی کی خدمت ملی۔ پھر مارسلس دشمن کی گھات کا شکار ہوا تو ٹی ٹس کو ٹارن ٹم کی حکومت بھی دی گئی جو اسی زمانے میں دوبارہ دشمن سے چھینا گیا تھا۔ یہاں اپنے عدل و انتظام کی بنا پر اسے وہی شہرت حاصل ہوئی جیسی جنگی قابلیت کے باعث ہوئی تھی، اور نادینا اور کوسا کی دو نوآبادیاں بسانے کا کام بھی اس کے سپرد کر دیا گیا۔ ان خدمات نے اس کے حوصلے بڑھا دیے۔ اور بیچ کے عہدے چھوڑ کر وہ براہ راست قنصلی تک پہنچ جانے کی امیدیں باندھنے لگا اور آیندہ انتخاب کے لیے اپنا نام پیش کیا۔ نئی آبادیوں سے اسے پوری تائید کی امید تھی کیوں کہ وہ اُن کے مفاد کے واسطے کوشاں تھا۔ اس پر عوام کے دو ٹری بیون، فُل وِیوس اور مان یوس اور ان کی جماعت بہت بگڑی کہ ایک نوعمر آدمی جو حکومت کے نشیب و فراز اور مبادی سے بھی واقف نہیں ہے، گویا مُلکی آئین و قوانین کی تحقیر کرتا اور اعلا حکومت میں اپنی ٹانگ اڑانی چاہتا ہے۔ لیکن مجلسِ عمائد نے اسے عوام کی رائے اور مرضی پر چھوڑ دیا اور انھوں

نے اُسی کو سیکس ٹس ال یوس کے ساتھ اپنا قنصل منتخب کیا، حالاں کہ ابھی اس کی عمر تیس برس کی بھی نہ ہوئی تھی۔

اب اہلِ مقدونیہ اور شاہ فیلپ سے جنگ کرنے کا قرعہ بھی اُسی کے نام نکلا اور یہ حقیقت میں رومہ سے تقدیر کی یاوری تھی کہ وہ (ٹی ٹس فلامی نونس) اس کام کے لیے چُنا گیا۔ کیوں کہ جس قسم کے حالات اور جیسے لوگوں سے یہاں سابقہ تھا، وہ ایسے سپہ سالار کے طالب نہ تھے جو ہر وقت جبر و قوّت سے کام لینے اور شمشیر زنی کرنے پر تُلا ہُوا ہو بلکہ ایسا آدمی چاہتے تھے جو نرمی اور مصالحت کا بھی مادّہ رکھتا ہو۔ اصل یہ ہے کہ مقدونیہ کی مملکت سے اس قدر سامان تو بہم پہنچ سکتا تھا کہ رومیوں سے میدان میں مقابلے کے لیے کافی ہو لیکن ایک طویل اور رینگتی رنجھتی جنگ کرنے کے لیے وہ ملک یونان کی محتاج تھی کہ فیلپ وہاں سے رسد حاصل کرے اور ضرورت کے وقت اسی علاقے میں ہٹ سکے۔ غرض اس کی فوج کے لیے بڑا وسیلہ یونان ہی تھا۔ لہٰذا رومیوں کو نظر آتا تھا کہ جب تک یونانیوں کو فیلپ کی امداد و اعانت سے الگ نہ کر لیا جائے گا، یہ جنگ محض ایک دو معرکے جیت لینے سے فیصل نہ ہوگی۔ اور چوں کہ یونان والوں کا رومیوں سے پہلے کوئی ربط ضبط نہ تھا بلکہ اسی موقع پر اوّل اوّل میل جول ہوا، اس لیے وہ اپنے قومی سپہ سالاروں کی بجائے غیر قوم کے کسی جنگی حاکم کی اتنی جلد اطاعت کرنے پر آمادہ نہ ہوتے، اگر حُسنِ اتفاق سے یہ حاکم ایسی نرم طبیعت کا نہ ہوتا جو قوّت کی بجائے آشتی سے کام نکالنے کو ترجیح دیتا تھا اور نہ صرف دوسروں کی بات

خوش اخلاقی سے سنتا اور انھیں خوشی سے اپنے تک آنے کی اجازت دیتا تھا بلکہ خود بھی اُن سے جو کچھ کہتا، وہ ناصحانہ طریق پر کہتا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمیشہ انصاف کرنے پر تیار رہتا تھا۔ لیکن اس کے ان اوصاف کی سب سے اچھی شہادت واقعات سے ملے گی جو آگے مذکور ہیں۔

ٹی ٹس کو یونان پہنچ کر معلوم ہوا کہ اس کے پیش رو اول تو دیر تک فیلپ کے مقابلے سے دور ہی دور رہے اور اس کے بعد جب قریب پہنچے تو اس وقت بھی رسد رسانی اور اچھے مورچوں کو لینے کے سلسلے میں معمولی آویزشیں کرتے رہے یہاں تک کہ پورا سال ختم ہونے پر آیا اور دشمن سے بھڑ کر مقابلہ کرنے کی نوبت نہ آئی۔ ٹی ٹس نے ارادہ کر لیا کہ وہ اس طرح وقت ضائع نہ کرے گا کہ پہلے نمائشی لوازمات اور انتظامی تکلفات ہی میں قنصلی کا ایک سال اپنے مستقر پر گزار دے اور پھر اس ذلیل توقع پر کہ آئندہ سال اس کا سپہ سالاری لیے دوبارہ انتخاب ہو، میدان کا رُخ کرے۔ دوسرے میدان جنگ میں اپنی حکومت دکھانے کے مقابلے میں وہ قنصلی کے خانگی اعزاز و امتیاز کی کچھ وقعت نہ کرتا تھا۔ لہٰذا مجلسِ عمائد سے یہ منظوری پاکر کہ اس کے بھائی لوسی اس کو امیر البحر کی خدمت دی جائے گی، اس نے تین ہزار پیادہ سپاہیوں کو ساتھ لیا جو سی پیو کی قیادت میں اس دروبال کو ھسپانیہ میں اور ھنی بال کو افریقہ میں شکست دے چکے تھے اور ابھی تک جوان اور طاقت ور تھے، اور بہ خیریت اپی روس کے علاقے میں پہنچ گیا، جہاں رومی سردار پب لی اس دشمن کے سامنے خیمہ زن تھا۔ مگر فیلپ اپ سوس ندی کے پار ایک کھاڑی کے دوسری طرف پڑا تھا۔ اور پب لی اس سے

اس کے استحکام اور دشوار گزار مقام ہونے کے باعث کچھ بنائے نہ بنتی تھی۔ پس ٹی ٹس نے فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی اور ہپ لی اس کو برطرف کر کے خود مقام کا جائزہ لیا۔ جو فی الواقع ٹمپی کے درے سے کچھ کم مضبوط نہ تھا اگرچہ وہاں ٹمپی جیسے سرسبز درخت اور خوشگوار سبزہ زار نہ تھے۔ البتہ اپ سوس ندی جو اونچے اونچے پہاڑوں سے اترتی ہوئی آئی تھی، وہاں کی پن یوس ندی سے اپنی صورت اور تیز روی میں بہت مشابہ تھی۔ اس ندی نے یہاں پہاڑی کے دامن کو اس طرح احاطے میں لے لیا ہی کہ فوج صرف ایک پگ ڈنڈی سے بمشکل اسے عبور کر سکتی ہی ورنہ دونوں طرف چٹانیں اور پہاڑی کراڑے استادہ ہیں اور جب اسے دشمن روکے پڑا ہو تو عبور کرنا بالکل ہی محال ہی۔

اسی واسطے بعض لوگوں کی رائے تھی کہ ٹی ٹس کو چکر کھا کے لین کوس کے علاقے سے صاف اور سہل راستہ اختیار کرنا چاہیے، لیکن اسے ڈر تھا کہ اگر سمندر سے دور ملک کے اندر فوج کو لے جائے اور فیلپ جنگ سے گریز کرتا رہے تو اسے غیر مزروعہ بنجر علاقے میں سامان رسد ملنا مشکل ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ پھر ساحل کی طرف واپس آنا پڑے جیسا کہ اس کے پیش رو کو کرنا پڑا تھا۔ لہذا اس نے ارادہ کر لیا کہ پہاڑوں میں جبراً گھس پڑے۔ رومیوں کے اس اقدام کو فیلپ نے پوری فوج سے روکا اور ان پہ ہر طرف سے تیر اور پتھر برسائے۔ جگہ جگہ لڑائی بھی ہوئی جس میں دونوں طرف کے آدمی مقتول و مجروح ہوئے اور یہ معلوم ہونے لگا کہ اس طرح لڑائی ختم ہونے میں نہ آئے گی۔

اتنے میں چند آدمی جو آس پاس مویشی چرایا کرتے تھے، ٹی ٹس کے پاس آئے اور ایک نئے راستے کی خبر دی، جس پر دشمن پہرا لگانا بھول گیا تھا۔ اور ذمہ لیا کہ زیادہ سے زیادہ تین دن میں رومی فوج کو اسی چکر کے راستے سے پہاڑی کی چوٹی تک پہنچادیں گے۔ اُنھوں نے مزید یقین دلانے کی غرض سے یہ بھی کہا کہ ہمیں یہاں بھیجنے میں شاروپپ خلف مکاناس کا اشارہ ہے جو (فیلپ کے خوف سے خفیہ طور پر) رومیوں کی مدد کرتا رہتا تھا۔ ٹی ٹس نے اس کا اعتبار کیا اور ایک سردار کو چار ہزار پیادہ اور تین سو سوار دے کر ان مخبروں کے ساتھ، جن کو باندھ رکھا تھا، روانہ کر دیا۔ دن کو یہ لشکر پہاڑیوں اور جنگل کی آڑ میں چھپا رہتا اور رات کو چاندنی میں آگے بڑھتا تھا کہ یہ پورے چاند کا زمانہ تھا۔ خود ٹی ٹس اپنی اصلی فوج کے ساتھ وہیں رہا اور دشمن کی توجہ ہٹانے کی غرض سے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں جھڑپیں کراتا رہا۔ لیکن جب وہ دن آیا جس کی صبح کو چور فوج کے چوٹی تک پہنچ جانے کی توقع تھی تو اس نے بہت سویرے سے پورا لشکر تین حصوں میں آراستہ کیا اور وسطی حصے کو خود بڑھا کر دشمن سے جا بھڑا۔ اُدھر سے تیر اور فلاخن برستے رہے، اور ناہموار پہاڑیوں میں آگے بڑھنا بھی رومیوں کو دشوار ہوا تاہم جہاں جہاں ممکن تھا، وہ دست بہ دست لڑنے لگے اور دونوں پہلوؤں کی فوج بھی بہت پھرتی سے چٹانوں میں گھس گئی۔ اسی کش مکش میں سورج بلند ہوا اور اُنھیں دور سے پہاڑ کی چوٹیوں پر ہلکا ہلکا دھنواں جیسے کہر ہوتی ہے، اُٹھتا نظر آیا۔ دشمن کی اس طرف پیٹھ تھی اس لیے وہ اس دھنوئیں کو دیر تک نہ دیکھ سکے۔ ادھر خود رومی جنگ آزما کچھ دیر بڑے تذبذب

میں رہے کہ اُس دھنوئیں کا کیا مطلب سمجھیں ۔ لیکن جب دھنواں زیادہ گہرا ہوا اور پہاڑیوں پر پھیل پھیل کر اوپر چڑھنے لگا تو پھر ان کو شبہ نہیں رہا اور وہ سمجھ گئے کہ یہ آگ کا دھنواں ان کے ساتھ والوں کے پہنچ جانے کی مقررہ علامت ہے ۔ پھر تو بڑے زور سے فاتحانہ نعرے لگاتے ہوئے وہ آگے بڑھے اور دشمن کو دھکیلتے ہوئے نہایت ناہموار زمین تک لے آئے ۔ ادھر پہاڑ کی چوٹیوں سے ان کے نعروں کا اُن کے ساتھیوں نے اسی جوش و خروش سے جواب دیا ۔

تب مقدونیہ والے جس تیزی سے ممکن تھا، بھاگ کھڑے ہوئے ۔ اگرچہ پہاڑ کی چٹانوں کے باعث دو ہزار سے زیادہ مقتول نہیں ہوئے، پھر بھی رومیوں نے ان کی لشکر گاہ کو تاراج کر دیا ۔ ان کے رُپے اور قیمتی ظروف پر قبضہ جمایا اور اس درے کے ہاتھ آنے سے پورے اپی دوس میں پھیل گئے ۔ لیکن یہ فاتحانہ قبضہ پورے نظم و ضبط کے ساتھ اور ایسے اعتدال اور آدمیت سے عمل میں آیا کہ انھوں نے اس علاقے میں ذرا بھی لوٹ مار نہیں مچائی ۔ حالاں کہ وہ ساحلِ بحر اور اپنی کشتیوں سے دُور ہو گئے تھے اور ان کو ماہانہ خوراک بہت کم ملنے لگی تھی اور مفتوحہ علاقے میں ہر طرح کا سامانِ رسد کافی موجود تھا ۔ اصل یہ ہے کہ فیلپ کی نسبت خبر آئی تھی کہ وہ تھسالیہ سے کوچ کرنے کی بجائے بھاگتا ہوا گزرا اور لوگوں کو آبادیاں چھوڑ کر پہاڑوں میں پناہ لینے پر مجبور کیا ۔ پھر جو چیز لے جانی ممکن نہ تھی، اُسے فوج والوں سے لُٹوا دیا اور ان بستیوں میں آگ لگا دی ۔ گویا سارا ملک ویران کر کے رومیوں کے حوالے کر گیا ۔ پس ٹی ٹس کی خواہش تھی اور اسی کے مطابق فوج والوں

سے اس نے التجا کی کہ وہ اس علاقے میں اس طرح بڑھیں گویا وہ انھی کی ملکیت یا امانت کے طور پر ان کی تحویل میں آگیا ہی۔ اور فوج والوں کو بھی بہت جلد نظر آگیا کہ اس اعتدال آمیز اور باضابطہ طرزِ عمل میں کیا فائدہ ہی۔ کیوں کہ تھسالیہ میں قدم رکھتے ہی وہاں کے شہروں کے دروازے اُن کے لیے کھُل گئے اور تھرموپلی کی حدود کے اندر یونان کے باشندے بھی سراپا اشتیاق بن گئے کہ رومیوں سے اتحاد کریں۔ اہلِ اکائیہ نے فلیپ سے دوستی ترک کردی اور فاتح رومیوں کے ساتھ ہوکر جنگ میں شامل ہونے کی رائے قائم کی۔ اوپونتیہ کو اہلِ اتولیہ اپنی حفاظت میں لینے کے خواہاں تھے اور وہ خود بھی رومیوں کے حلیف تھے۔ لیکن اوپونتیہ والوں نے ان کی تجویز پر اعتنا نہ کی بلکہ براہ راست ٹی ٹس کو بُلا بھیجا اور اپنے آپ کو اس کی تحویل اور سپردگی میں دے دیا۔

اپی روس کے رئیس پای روس کی نسبت کہا جاتا ہی کہ جب اس نے ایک پہاڑی یا بُرج پر سے رومی فوج کا معائنہ کیا جس کی صفیں دُور سے اسے نظر آتی تھیں، تو اِن "ملیچھوں" کی صفِ جنگ میں اُسے کوئی چیز وحشیانہ نہیں دکھائی دی۔ اسی طرح جو یونانی ٹی ٹس کے قریب آئے، وہ پہلی دفعہ اسے دیکھ اسی قسم کے الفاظ کہے بغیر نہ رہ سکے۔ حالاں کہ مقدونیہ والوں نے ان میں مشہور کیا تھا کہ رومی حملہ آور ملیچھوں کی فوج لے کر چڑھ آیا ہی اور تلوار کے زور سے ہر جگہ تباہی اور غلامی پھیلا رہا ہی۔ بہ خلاف

اس کے انھوں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو عین جوانی میں حلم و انسانیت کا پُتلا تھا۔ لب و لہجہ اور بول چال میں یونانی، اور صداقت کا دل دادہ تھا۔ یہ دیکھ کر وہ نہایت متعجب اور گرویدہ ہو جاتے تھے اور جن بستیوں سے گزرتے وہاں ان میں بھی اس کی نسبت بہت اچھے خیالات پھیلاتے اور یہ اعتماد پیدا کر دیتے تھے کہ کیا عجب ہے وہ ان کا سچا محافظ اور آزادی قائم کرنے والا ثابت ہو۔ چنانچہ کچھ مدت بعد فی لپ نے صلح کی درخواست کی تو ٹی ٹس نے بھی اس شرط پہ صلح اور دوستی کا ہاتھ بڑھایا کہ فی لپ یونانیوں کے آئین و قوانین میں دخل نہ دے اور ان کے شہروں سے اپنی فوجیں ہٹا لے۔ فی لپ نے یہ شرط قبول نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونان بھر میں ، اور خود فیلپ کے حامیوں اور طرف داروں میں یہ یقین پھیل گیا کہ رومی یونانیوں سے لڑنے نہیں آئے بلکہ یونانیوں کے لیے مقدونیہ سے لڑنے آئے ہیں۔

بس تمام یونان اس کے ساتھ صلح پر تیار ہو گیا۔ البتہ بیوشیہ میں (جب وہ اس علاقے میں کوئی دشمنی کی کارروائی کیے بغیر داخل ہوا) گو شہر تھیبس کے عائد استقبال کو آئے لیکن مقدونیہ کے اتحاد پر جمے رہے اور اسی کے ساتھ یہ سمجھ کر کہ فریقین میں سے ہر ایک سے دوستی رکھیں گے، ٹی ٹس کا بھی پورا اعزاز و احترام کرنا چاہتے تھے۔ اس نے ان سے بڑے اخلاق و عنایت کے ساتھ ملاقات کی لیکن آہستہ آہستہ آگے بڑھتا اور ان سے مختلف سوال کرتا رہا۔ کبھی اپنے واقعات سنا کر خوش کرتا رہا، تاکہ فوج والے

سفر کی تکان سے زرا سستا لیں۔ پھر وہ انھی شہریوں کو ساتھ لیے ہوئے تھیبس کے اندر داخل ہوگیا اگرچہ یہ بات شہر والوں کو زیادہ پسند نہیں آئی۔ مگر وہ اپنے عمائد کو اس کے ہمراہ دیکھ کر داخلے کی ممانعت بھی نہ کر سکے۔ ادھر ٹی ٹس نے اس طریقے سے کہ گویا شہر اس کے قبضہ میں نہیں آیا ہو، اُن کے سامنے دوستانہ تقریر کی اور سمجھایا کہ وہ رومیوں کے شریکِ کار بن جائیں۔ شاہ اٹالوس نے بھی اسی مطلب کی تقریر کی اور وکالت کے جوش میں اپنی پیرانہ سالی کا بھی خیال نہ کیا حتےٰ کہ تقریر کرتے کرتے چکر کھا کے بے ہوش ہوگیا اور پھر تھوڑے دن بعد بہ ذریعۂ جہاز اسے ایشیا لے گئے جہاں اس کا انتقال ہوگیا۔ بہ ہر حال اہلِ بیوشیہ رومی اتحاد میں شامل ہوگئے۔

اس اثنا میں فیلپ نے رومہ کو سفارت روانہ کی تو ٹی ٹس نے بھی اپنے نائب بھیجے کہ وہاں مجلس عمائد سے درخواست کریں کہ اگر وہ جنگ جاری رکھنا چاہتی ہی تو اسی کو سپہ سالاری پہ کام کرنے دیں لیکن اگر جنگ ختم کرنے کا ارادہ کر لیا ہی تو پھر اُسے (یعنی ٹی ٹس کو) یہ عزت بخشیں کہ وہی صلح کی شرائط طے کرے۔ اسے خوف تھا کہ اگر اُس کی بجائے دوسرا سپہ سالار مقرر ہوگیا تو اس کی اپنی کارگزاری پر پانی پھر جائے گا، حالاں کہ ٹی ٹس کو کارگزاری دکھانے کا نہایت شوق تھا۔ ادھر اس کے حامیوں نے اس خوبی سے کوشش کی کہ فی لپ کی تجویزیں نامنظور ہوئیں اور جنگ کا انصرام ٹی ٹس ہی کے ہاتھ میں رہنا منظور کیا گیا۔ مجلس کا یہ حکم ملتے ہی وہ بڑے بڑے منصوبے دل

میں لیے ہوئے تھسالیہ کے اندر داخل ہو گیا کہ فی لپ سے جنگ کرے۔ اس کی فوج میں اتولیہ کے چھ ہزار پیادے اور چار سو سوار ملا کر کل چھبیس ہزار سپاہی تھے اور فی لپ کی سپاہ بھی تعداد میں قریب قریب اسی قدر تھی۔ دونوں فریق جنگ پر تُل گئے تھے اور ایک دوسرے کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے سقوطوسا کے قریب آمنے سامنے پہنچ گئے اور یہیں لڑائی لڑنے کا فیصلہ کیا۔ ایسے زبردست لشکروں کے مقابل ہونے سے فریقین کے سپہ سالاروں میں کسی قسم کا ہراس پیدا نہیں ہوا بلکہ ان کا جوش اور ولولہ زیادہ بڑھ گیا۔ رومیوں کے دل میں تو یہ آرزو بھڑک رہی تھی کہ وہ مقدونیہ کو فتح کریں جس کا نام سکندرِ اعظم کی بہ دولت، قوت و شجاعت میں اُن کے ہاں زباں زد تھا اور اِدھر مقدونیہ کے جوان مشتاق تھے کہ اگر رومیوں کو جو ایرانیوں سے مختلف قسم کے حریف تھے، زیر کر لیا تو فی لپ کی نام وری میں سکندر سے بھی فوقیت لے جائے گا۔ اسی لیے ٹی ٹش نے تو اپنے سپاہیوں کو جوش دلایا کہ آج دنیا کے سب سے مشہور میدان یعنی یونان میں انھیں دلیر ترین دشمن سے لڑنا ہے۔ وہ اس بہادری سے لڑیں جیسا کہ اس مقام کا تقاضا ہے۔ اور دوسری طرف فی لپ نے بھی جیسا کہ جنگ سے پہلے ہوتا ہے، اپنے سپاہیوں سے خطاب کرنا شروع کیا اور یا تو جلدی میں بغیر دیکھے بھالے یا محض سوئے اتفاق سے لشکر گاہ کے باہر ایک ایسی بلندی پر چڑھ گیا جو معلوم ہوا کہ قبرستان تھا۔ پھر یہ دیکھ کر کہ اس بدفالی سے اس کے سپاہی نہایت سراسیمہ ہو گئے ہیں، وہ بھی بہت پریشان ہوا اور تمام دن پڑاؤ سے باہر نہ نکلا اور لڑنے سے گریز کرتا رہا۔

اسی رات بارش ہوئی اور صبح کو بادل گُھر بن کر سارے میدان پر چھا گئے۔ چناں چہ دن چڑھے تک وہاں ایسی تاریکی رہی کہ فریقین ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے۔ البتہ ان کی ٹکڑیاں جو دشمن کی تلاش یا کمین میں بیٹھنے کے لیے بھیجی گئی تھیں

جگہ جگہ پہاڑیوں میں باہم دگر مقابل ہوئیں اور ان میں تلوار چلنے لگی۔ ان آویزشوں میں کبھی ایک طرف کے سپاہی دبتے اور کبھی دوسری طرف والے بھاگتے اور پھر گھات لگا کر لڑتے رہے۔ دونوں سپہ سالار جہاں تک ہو سکا اپنے آدمیوں کو کمک پہنچاتے رہے حتیٰ کہ مطلع صاف ہو گیا اور میدان پوری طرح دکھائی دینے لگا۔ پھر تو پوری فوجیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں۔ فی لپ اپنے میمنے پر تھا اور یہ جگہ بلند تھی لہذا دشمن کے میسرے پر اس کے پیوستہ پرے نے پوری قوّت سے حملہ کیا تو نیزے کے ساتھ نیزے کی ضرب اور گنجان صفوں کے دباؤ نے رومیوں کو مغلوب کر لیا اور وہ پسپا ہوئے لیکن مقدونی میسرے کی فوج پہاڑیوں کے باعث بٹی ہوئی تھی اور ٹی ٹس نے یہ سمجھ کر کہ اب وہ اپنے میسرے کو نہیں سنبھال سکے گا، دشمن کے اس دوسری جانب پوری تیزی سے حملہ کر دیا۔ یہاں مقدونی پرا پیوستہ صفوں سے فائدہ نہ اٹھا سکا اور ایک ایک سپاہی کو ایک ایک حریف سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اس موقع پر ان کے بھاری زرہ بکتر مصیبت بن گئے کیوں کہ مقدونی پرے کی اصلی طاقت کا راز یہی تھا کہ ایک مضبوط دزنا رے کی طرح پیوستہ جسم بن کر لڑے اور کسی حال میں اس کے سپاہیوں کی ڈھال سے ڈھال جُدا نہ ہونے پائے لیکن اگر وہ ایک دفعہ ٹوٹ گیا، تو پھر یہی نہیں کہ اس کی مجموعی قوت جاتی رہتی تھی بلکہ درحقیقت اس کے سپاہی علاحدہ علاحدہ اپنی قوت کھو بیٹھتے تھے جس کا سبب ان کی مخصوص ہتھیار بندی تھی غرض پرے کا ایک طرف سے ٹوٹ کر فرار ہونا تھا کہ پھر دوسرے حصّے کی صفوں میں بھی انتشار پیدا ہو گیا اور وہ ہتھیار پھینک پھینک کر بھاگنے لگے۔ میدان میں اُن کے آٹھ ہزار آدمی مقتول اور پانچ ہزار اسیر ہوئے اور فی لپ کے بچ نکلنے کو بھی اہل اتولیہ کی غفلت قرار دیا گیا کیوں کہ جس وقت رومی سپاہی تعاقب کر رہے تھے اُن کے

تعاقب کرنے والے واپس آئے تو ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

اس واقعے نے اول تو دومیوں سے ان کی تکرار اور مخالفت کرائی اور پھر انھوں نے فتح کو اپنی قوت بازو کا نتیجہ قرار دینا شروع کیا اور یونانیوں میں اس قسم کی روایتیں مشہور کر دیں جس سے ٹی ٹس کو بڑی ناگواری ہوئی لیکن شاعروں نے اس معرکے پر جو نظمیں لکھیں اور عوام الناس جو گیت گاتے تھے، ان میں اتولیہ والوں ہی کو زیادہ سراہا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر ایک یادگاری قطعہ جو بہت مقبول ہوا یہ ہے:

"بغیر گور و کفن جو پڑے ہیں اے رہ رو
یہ ہیں تھسالیہ کے سب جوان تیس ہزار
کیا ہلاک انھیں لشکرِ اتولیہ نے
جو آیا ہمرہ تی تس اطالوی سالار
دریغ دولت مقدونیہ پہ۔ حیف کہ آج
ہرن کی طرح کیا شاہ فی لپس نے فرار"

یہ قطعہ ال کیوس نے فی لپ کی ہجو میں لکھا اور مقتولوں کی تعداد میں بہت مبالغہ کیا ہے لیکن جب ہر جگہ مشہور ہوا اور قریب قریب ہر شخص کی زبان پر چڑھا تو فی لپ سے زیادہ ٹی ٹس اس سے چڑنے لگا تھا۔ فی لپ نے تو اس کے جواب میں خود ایک قطعہ لکھنا کافی سمجھا جس کا ایک شعر یہ تھا:-

"بغیر برگ یہ ہے وہ درخت اے رہ رو
صلیب جس پہ چڑھائیں گے لوگ ال کیوکو!"

لیکن ٹی ٹس جو یونانیوں میں شہرت پانے کا شائق تھا ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے بگڑتا تھا اور اسی لیے آئندہ معرکوں میں اس

نے اتولیہ والوں کو پوچھنا تک چھوڑ دیا جس سے وہ لوگ بہت جلے اور فی لپ کی سفارت ٹی ٹس کے پاس آئی اور وہ ان سے صلح کی گفتگو کرنے لگا تو اہلِ اتولیہ نے یہ کام اپنے ذمّے لیا کہ یونان کے شہر شہر میں اس قسم کی شہرت پھیلانے لگے کہ صلح سے ہماری سب امیدوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور ٹی ٹس، فی لپ کی من مانی شرطیں قبول کرلے گا حالاں کہ یہ موقع ایسا ہے کہ وہ جنگ کی جڑیں تک اکھاڑ دے اور اس طاقت کو بالکل برباد کردے جس نے یونان کو سب سے اوّل غلامی میں مبتلا کیا تھا۔ لیکن جب فی لپ نے اپنی ذات اور مملکت کو ٹی ٹس کے حوالے کرنے پر آمادگی ظاہر کی تو ایسی حاسدانہ افواہیں ازخود ختم اور لڑائی بھی ختم ہوگئی اور یونانی حلیفوں کو رومیوں سے بدظن کرنے والے بھی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے کیوں کہ ٹی ٹس نے فی لپ کو اپنی حکومت مقدونیہ میں تو بحال رکھا لیکن شرط کی کہ وہ یونان کو بالکل خالی کردے گا۔ ایک ہزار سونے کی اینٹیں[1] تاوان، اور اپنے بیٹے دِمت ری اس کو یرغمال میں رومہ بھیجے گا۔ اس نے فی لپ کے سب جہاز بھی بہ جز دس جہازوں کے ضبط کرلیے اور مستقبل کو بہت خوبی سے محفوظ کردیا۔ یہ نہایت عاقلانہ انتظام تھا کیوں کہ ہنی بال (افریقی) جو رومیوں کے نام کا دشمن تھا اپنے ملک سے نکل کر شاہ مصر انٹیوکس کے دربار میں پہنچ چکا تھا اور اس بادشاہ کو بڑھاوے دے رہا تھا کہ تقدیر کی مساعدت سے جو اب تک اسے ہر جگہ کامیاب کرتی رہی تھی پورا فائدہ اٹھائے اور اپنے لقب

---

[1] ٹے لنٹ، جو ہمارے ساڑھے تین ہزار روپے کے مساوی ایک قدیم سکّہ تھا۔

"اعظم" کے شایانِ شان دُنیا پر اپنی بادشاہی کا سکّہ چلائے خصوصاً رومیوں سے تیغ آزمائی کرے۔ لہذا ٹی ٹس اگر دانائی اور دُوراندیشی سے اس وقت فی لپ کے ساتھ صلح نہ کرلیتا اور ان تیوکوس بھی اسی موقع پر فی لپ کے ساتھ ہوکر میدان میں نکل آتا تو کچھ تعجب نہیں کہ حکومت رومہ اس قسم کی مشکلات میں گھر جاتی اور اس کی حالت ویسی ہی مخدوش ہوجاتی جیسی ہنی بال کی اطالیہ پر فوج کشی کے زمانے میں ہوگئی تھی۔ لیکن اب ٹی ٹس نے عین وقت پر صلح طے کرلی اور قبل اس کے کہ آیندہ خطرہ سر پر آئے۔ خطرۂ حاضرہ کو دُور کر دیا اور گویا ان تیوکوس کی ابتدائی اور فی لپ کی آخری توقعات کو خاک میں ملا دیا +

اسی زمانے میں رومہ کی مجلس عمائد نے دس ارکان کا ایک وفد ٹی ٹس کے پاس بھیجا اور مشورہ دیا کہ مابقی یونان کو تو بالکل آزاد کردیا جائے لیکن کورِنتھ، کال کیس اور ڈِمٹ ریاس میں فوجیں متعین رہیں تاکہ ان تیوکوس اس طرف دست درازی کا موقع نہ پا سکے۔ یہ سن کر اتولیہ کے رومی حلیف انہیں علانیہ الزام دینے لگے اور سب شہروں میں انہوں نے شورش برپا کرادی کہ انھی تین چھاونیوں کو تو فی لپ یونان کی بیڑیاں کہا کرتا تھا لہذا یونانیوں کو خوش ہونا چاہیے کہ یہ بیڑیاں اگرچہ زیادہ بھاری ہوجائیں گی لیکن ان کا بھدّا پن دُور ہو جائے گا اور ان پر پہلے کی نسبت زیادہ جلا کر دی جائے گی۔ اور ٹی ٹس کی تعریف میں کیسے کچھ گیت نہ گائے جائیں گے کہ اس نے یونان کے پانو کھول دیے اور گردن کو باندھ دیا + اس قسم کے طعنے سُن سُن کر ٹی ٹس بہت جز بز ہوا اور اس نے مجلس سے درخواست کی اور قبول بھی کرالی کہ ان

تین شہروں کی فوجیں بھی ہٹا دی جائیں تاکہ یونانی اس کی جزئی نہیں بلکہ کامل عنایت کے شکر گزار ہوں ۔ اس زمانے میں خاکس نامے (کودنتھ) کا میلا ہُوا اور گھڑ دَوڑ کے گرد غیر معمولی تعداد میں تماشائی جمع ہوئے کیوں کہ ایک مدت کے بعد یونان کو طویل محاربات سے چھٹی ملی اور آزادی کی امید نظر آئی تھی اور وہ امن و اطمینان کے ساتھ میلے میں آسنے کے قابل ہوئے تھے ۔ لوگوں کو خاموش کرنے کی غرض سے تُرم بجایا گیا اور پھر منادی نے تماشائیوں کے بیچ میں بڑھ کر اعلان کیا کہ رومہ کی مجلس عمائد اور قنصلی سپہ سالار ٹی ٹس کوان ٹی اس ، شاہ فی لپ اور مقدونیہ کو شکست دینے کے بعد کودنتھ ، لوک ریہ ، فوکیہ ، یوبیہ ، اکائیہ ، ماگ نیشیہ ، تھسالیہ اور پربیہ کے باشندوں کو ان کا علاقہ ، قوانین اور آزادیاں واپس عنایت کرتے ہیں ۔ ان کے تمام خراج منسوخ کرتے ہیں اور ان کے شہروں میں جس قدر فوج تعینات ہے ، سب کو ہٹانے کا حکم دیتے ہیں ! یہ اعلان اول اول بہت سے لوگوں نے بالکل نہیں سُنا اور اکثر لوگ صاف طور پر سمجھ نہ سکے کہ کیا کہا گیا ۔ چناں چہ مجمع میں پریشانی اور بدنظمی پیدا ہوئی کہ بعض لوگ مشکوک اور بعض لوگ پوچھتے رہ گئے اور بعض چلانے لگے کہ دو بارہ منادی کی جائے ۔ لہذا جب دوبارہ خاموش کر کے نقیب نے پھر آواز بلند کی تو عام طور پر اسے سب نے سُنا اور اس نے مکرر وہی اعلان کیا ، جس پر مجمع سے احسنت و مرحبا کا شور اس زور سے بلند ہوا کہ ساحل تک اس کی گونج پہنچی ۔ سارا مجمع اٹھ کھڑا ہُوا اور میلے تماشے کو بھول کر سب کے سب دوڑ پڑے کہ یونان کے حامی اور نجات دہندہ کے سامنے پہنچ کر سلام اور شکریہ بجا لائیں ۔ آدمی کی آواز

میں عجیب قوت ہونے کی نسبت جو اکثر کہانیاں سنی گئی ہیں اس موقع پر اُن کی صحت کا ثبوت ملا کہ کوّے جو اتفاق سے میدان کے اوپر سے اُڑتے ہوئے گزر رہے تھے محض شور سے مر کر نیچے گر پڑے جس کا سبب یقیناً یہ ہوگا کہ اتنی زیادہ آوازوں اور نعروں کی شدّت نے ہوا کو پھاڑ دیا اور پرندوں کو سہارا نہ دے سکی جس سے وہ نیچے گر پڑے جس طرح خلا میں آدمی پاؤں رکھے تو نیچے گر پڑے گا۔ ورنہ پھر گمان کرنا پڑے گا کہ یہ نعرے ہی تیر و خدنگ کی طرح پرندوں کے لگے اور انھیں مار کر گرا دیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شور کی وجہ سے ہوا میں تیزی اور چکر پیدا ہوگیا ہو جیسا کہ سمندر میں گرداب آجاتا ہے۔

اب ٹیٹس کی سنیئے۔ کرتب اور کھیل کود تو ختم ہی ہوگیا تھا۔ وہ ہر طرف سے مجمع میں اس طرح گھرا کہ اگر پیش بینی سے بروقت نہ ہٹ جاتا تو لوگوں کا خیال ہے کہ اس قدر اژدہام تھا کہ وہ دن بھر اُس سے باہر نہ نکل سکتا۔ پھر لوگوں نے اس کی خیمہ گاہ کو گھیر لیا اور نعرے لگاتے لگاتے ان کے گلے پڑ گئے۔ جب رات ہوئی تو وہ پلٹے اور اپنے ہم وطنوں سے جہاں کہیں ملاقات ہوتی گلے ملتے اور مبارک باد دیتے تھے۔ پھر واپس آکر اپنے اپنے گھروں میں خوشیاں مناتے اور ضیافتیں کرنے لگے۔ اور ضرور ہے کہ ان موقعوں پر وہ یونان کی حالت پر گفتگو اور یہ یاد کرتے ہوں کہ وہ اپنی آزادی بچانے کے لیے کیسی کیسی لڑائیاں لڑتا رہا اور پھر بھی اسے شاید ایسی کامل آزادی کبھی نصیب نہ ہوئی اور نہ یہ امن و اطمینان میسّر آیا جیسا کہ اب دوسروں کی عنایت سے حاصل ہوا۔ اور بغیر خون کا ایک قطرہ بہائے یا اپنے کسی ہم وطن

کا نقصان اٹھائے آج وہ بہترین نعمت ہاتھ آگئی جس کے لیے سخت ترین جنگ کرنا جائز ہوتا + ہمت و دانائی مشکل سے جمع ہوا کرتی ہیں مگر ان سے بھی زیادہ نادر اور بہتر شئے مردِ عادل کا ملنا ہی۔ اب، لای سندر، نی کیاس، الکی بیادیس وغیرہ اس کو تو خوب جانتے تھے کہ جنگ کس طرح کی جاتی ہی اور لوگوں کو کس طرح لڑاتے اور بر و بحر میں فتوحات حاصل کرتے ہیں لیکن ان فتوحات سے، اعلیٰ مقاصد میں کیوں کر کام لیا جاتا ہی، اس کی انھیں مہارت نہ تھی۔ چناں چہ سلامیس، پلاٹیہ تھرموپلی اور سپہ سالار کی مون کی لڑائیوں کو الگ رکھ دیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ یونان جس قدر لڑائیاں لڑا وہ اپنے ہی خلاف اور اپنے ہی کو غلام بنانے کے لیے تھیں۔ ان میں فتوحات کی جو یادگاریں تعمیر ہوئیں وہ اسی کے باشندوں کی شرم و مصیبت کی نشانیاں تھیں اور اس میں جو بربادی اور ویرانی پھیلی وہ قریب قریب سب اسی کے بڑے آدمیوں کے جرم اور ہوس کی بدولت پھیلی تھی۔ لیکن اب جب اجنبی قوم نے یونان کو سخت مصائب اور خطرات سے نجات دلائی اور اس کی بستیوں کو مغرور حکام اور جابر بادشاہوں کے پنجے سے چھڑایا، وہ اپنے اسلاف کی دھندلی یادگار اور گویا ان کے بچے کھچے اوصاف کی نشانیاں تھے اور ان سے تعجب ہی تعجب تھا کہ یونان کو محض خیال یا الفاظ سے بھی کوئی نفع پہنچائیں گے۔

بہرحال اعلان سے تو اہل رومہ کی فکری اور لسانی ہم دردی ظاہر ہوئی اور ادھر ٹی ٹس نے اپنے عمل سے اس کو صحیح اور سچا کر دکھایا۔ کیوں کہ اس نے بلا تاخیر لن تولس کو ایشیا کی طرف اور

ٹی ٹی لیوس کو تراکیہ کی جانب روانہ کیا کہ وہاں کے بلاد اور جزائر کو فی لپ کی فوجوں سے خالی ہوتا ہُوا دیکھ لیں۔ ساتھ ہی پب لیوس وی لیوس کو شاہ اِن تیوکوس کے دربار میں بھیجا گیا کہ اس کے تحت میں جو یونانی ہیں ان کی آزادی کے متعلق گفتگو کرے۔ خود ٹی ٹس کان کیبس روانہ ہُوا اور وہاں سے جہاز میں بیٹھ کر میگ نیشیہ پہنچا کہ چھاونیاں توڑ کر حکومت کو باشندوں کے حوالے کرے۔ تھوڑے بعد وہ ارگوس میں نمیہ کے میلے کی صدارت کے لیے منتخب ہُوا اور اس تہوار کا بڑی خوبی سے انتظام کر کے اس نے دوبارہ یونان کی آزادی کی منادی کرائی۔ پھر شہر شہر جا کر لوگوں کو تاکید کی کہ قانون کی متابعت کریں۔ عدل و اتحاد کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور آپس میں مہر و محبت کے ساتھ رہیں۔ اس نے ان کی فرقہ بندیاں مٹائیں۔ اُن کے سیاسی جلاوطنوں کو واپس بلوایا اور یہ کام اس تن دہی سے انجام دیے کہ معلوم ہوتا تھا مقدونی فوجوں کو شکست دینے کی اسے اتنی خوشی نہ تھی جتنی یونانیوں کو یونانیوں سے دوبارہ ملا دینے میں محسوس کرتا تھا۔ پس یونانیوں کو آزادی جیسی نعمت سے دوبارہ بہرہ مند کرنا بھی اُس کی عنایات کا محض ادنیٰ جُز معلوم ہونے لگا +

قصہ مشہور ہے کہ زی نوکراتس فلسفی کو محصولِ اجانب کی عدم ادائی کی بنا پر محصل پکڑے ہوئے لیے جا رہے تھے کہ قید میں لے جا کر ڈال دیں۔ لی کرگس خطیب نے اسے اُن کے ہاتھ سے چھڑایا اور انھیں سزا بھی دلوائی کہ اس فلسفی پر ایسی تعدی کے مرتکب ہوئے تھے۔ اسی پر ایک مدت بعد زی نوکراتس نے لی کرگس کے بچوں سے کہا کہ بچو،

دیکھو ساری خلقت تمہارے باپ کے اس فعل کی تعریف کر رہی ہے۔ یہ میں ہی تو اس کی مہربانی کا بہترین صلہ اسے دے رہا ہوں!" لیکن ٹی ٹس اور اس کی قوم کو جو صلہ ان مہربانیوں کا ملا وہ فقط زبانی مدح نہ تھی بلکہ تمام قوموں کا انھیں اعتماد بھی حاصل ہوا جس نے ان کا اقتدار بڑھایا۔ کیوں کہ بہت سی ریاستوں میں نہ صرف رومی سپہ سالار بلائے جانے لگے بلکہ درخواستیں آنے لگیں کہ ہمیں بھی رومہ کی سرپرستی میں لے لیا جائے۔ یہ درخواستیں فقط آزاد شہروں یا جمہوری حکومتوں ہی کی طرف سے نہیں آئیں بلکہ بادشاہ بھی جن کو دوسرے بادشاہ ستاتے تھے انھی محافظ ہاتھوں کا سہارا ڈھونڈھنے لگے۔ حتیٰ کہ تھوڑی سی مدت میں ساری دنیا ان کے آگے سر نیاز خم کرنے لگی اور ہوسکتا ہے کہ ربانی اثرات کو بھی اس میں دخل ہو۔

خود ٹی ٹس یونان کی آزادی دلانے کو اپنے سب کارناموں میں افضل و برتر سمجھتا تھا جیسا کہ اس کے کتبے سے ظاہر ہوتا ہے جو اس نے چاندی کی چند چھڑیوں اور اپنی ڈھال پر جنھیں اپالو کے ڈیلفی مندر پر چڑھایا کندہ کرایا تھا۔ کتبہ یہ ہے:۔

"اسپارٹہ کے ٹین ڈاریو، عطارد کے توام بیٹو!
وہ جو اسپ دوانی کے عاشق تھے۔ اِنیاس اعظم
کی نسل سے، ٹی ٹس، آزادیٔ یونان کی یادگار میں یہ
نذر تمھاری درگاہ میں پیش کرتا ہے۔"

اُس نے اپالو دیوتا کے لیے ایک سونے کا تاج بھی چڑھایا جس پر یہ کتبہ تھا:

”اے لتونہ کے مقدس بیٹے!
تاجِ زر کاکلِ ربانی پر
تیرے رکھا کہ برابر چمکے۔
نسلِ اِن یاس کے رکنِ اکبر،
ٹی ٹس نام آور نے
اے خداوندِ عطا تو بھی اِسے
شہرت و عزت و شرف بخشش دے!“

واضح رہے کہ یونانیوں کے لیے یہ آزادی کا پیام دو مرتبہ اسی شہر کورنتھہ میں سنایا گیا۔ پہلے تو ٹی ٹس نے جس کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں اور دوبارہ ہمارے زمانے میں قیصر نیرو نے۔ اور دونوں دفعہ ایک ہی تہوار کے موقع پر۔ لیکن ٹی ٹس نے تو اپنے حسبِ مرضی قوانین بنانے اور اُن پر عمل کرنے کی آزادی کا اعلان بہ ذریعہ منادی کرایا تھا اور نیرو نے عام جلسے میں ممبر پر چڑھ کر خود تقریر کی، اور اہلِ یونان کی آزادی کا اعلان کیا۔ مگر یہ بہت زمانے بعد کی بات ہے۔

اعلانِ آزادی کے بعد ٹی ٹس کو اسپارٹہ کے جابر بادشاہ نابیس کے ساتھ جنگ کرنی پڑی۔ یہ قوم لک دِمونی کا سب سے بے باک و اوباش رئیس گذرا ہے اور انصاف و حق رسی کا تقاضا تھا کہ اسے سزا دی جائے۔ لیکن اہلِ یونان کو بڑا افسوس ہوا کہ جب ٹی ٹس نے اسے گھیر لیا اور گرفتار کرسکتا تھا، اس وقت جان کر طرح دے گیا اور صلح کی شرطیں طے کر لیں اور اسپارٹہ کو شرمناک

غلامی میں پڑا رہنے دیا۔ اس کا سبب یا تو یہ اندیشہ تھا کہ جنگ نے طول کھینچا تو ممکن ہی رومہ سے دوسرا سپہ سالار بھیج دیا جائے اور اس کی شہرت چھن جائے اور یا اُسے فی لوپی من کا رشک و حسد ہوا کہ وہ ہر موقع پر یونانیوں میں ممتاز رہا تھا اور اس جنگ میں خصوصیت کے ساتھ اصابت رائے اور دلاوری کے ایسے کارنامے دکھائے تھے کہ اکائیہ والے سانگ تماشوں میں انھیں خوب بڑھا چڑھا کے دکھاتے اور فلی ٹس کے برابر لائقِ فخر بتاتے تھے۔ ممکن ہی اس بات کا ٹی ٹس کو صدمہ ہُوا ہو کہ ایک معمولی ارکےڈی جو اپنے ہی علاقے کی سرحدوں پر چند لڑائیاں لڑا، اُس رومی قنصل کے ہم رُتبہ قرار دیا جائے جو سارے مُلک یونان کی حفاظت کے لیے جنگ کر رہا تھا۔ لیکن ایک معقول عُذر یہ بھی ہوسکتا ہی کہ ٹی ٹس نے اس جابر بادشاہ سے اس واسطے صلح کرلی کہ اسے نظر آتا تھا کہ نابیس کی کامل تباہی میں بہت سے اسپارٹہ والوں کی بربادی لازم ہوگی۔*

اکائیہ والوں نے بھی ٹی ٹس کے اعزاز و مدح میں مختلف تجویزیں منظور کیں لیکن وہ اس کے کارناموں کے مقابلے میں کم وزن تھیں۔ البتہ انھوں نے اسے ایک ہدیہ ایسا دیا جس سے وہ نہایت خوش ہُوا۔ واقعہ یہ ہی کہ ہنی بال کے محاربات میں ہزاروں رومی قیدی بنے اور غلام بنا کے مُلک مُلک میں فروخت کر دیے گئے تھے۔ ان بدنصیبوں کی خاصی بڑی تعداد یونان میں تھی۔ یعنی بارہ سو رومی غلام مختلف مقامات میں بٹے ہوئے تھے۔ ان کی حالتِ زار قابلِ رحم

تو تھی ہی لیکن جیسا کہ ہونا چاہیے ، اس موقع پر جب رومیوں نے فوج کشی کی تو انھیں اور بھی زیادہ صدمہ ہوا کہ انھی غلاموں کے بعض بھائی بیٹے رومی حملہ آوروں میں شامل تھے اور اپنے مجبور و اسیر عزیزوں سے ان کی یونان میں ملاقات ہوئی ۔ ٹی ٹس کو ان ہم وطن غلاموں کا بہت رنج تھا بہ ایں ہمہ اس نے ان کے یونانی مالکوں پر کوئی جبر نہیں کیا لیکن اب اہلِ اکائیہ نے ان سب کو فی کس پانچ پانچ اشرفی دے کر چھڑایا اور ایک مقام پر اکٹھا کر کے عین اس وقت جب ٹی ٹس جہاز میں روانہ ہو رہا تھا ، ان سب کو بہ طور ہدیہ پیش کر دیا ۔ یہ ایک بہادر سپہ سالار اور محبِ وطن شخص کے لیے اس کی عنایات اور فیاضانہ کاموں کا بہترین صلہ تھا جس نے ٹی ٹس کو بہت ہی مسرور و مطمئن کیا ۔ اور جب وطن پہنچ کر اس کا جلوس فتح نکلا تو اس میں بھی سب سے زیادہ قابلِ فخر حصہ یہی گروہ تھا جو رومی دستور کے مطابق (کہ جو غلام آزاد کیا جائے وہ سر منڈاتا اور بالوں کی ٹوپی پہن لیتا تھا) آزاد کردہ غلاموں کی وضع میں جلوس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے ۔ جلوس کی شان و شوکت بڑھانے کے لیے ، یونانی خودوں ، سپروں ، مقدونی زرہوں اور لمبے برچھوں کی بھی کمی نہ تھی اور دوسری غنائم کے علاوہ زرِ کثیر کی بھی جو لوٹ میں ہاتھ آیا ، نمایش کی جا رہی تھی ۔ مصنف تودی تانوس کا بیان ہے کہ تین ہزار سات سو تیرہ رطل خالص سونا ، تینتالیس ہزار دو سو ستر رطل چاندی اور ساڑھے چودہ ہزار طلائی سکے جنھیں فی لیپی کہتے تھے ، اس جنگ کی نقد لوٹ تھی ۔ علاوہ اس کے ایک ہزار سونے کی اینٹوں کا فی لیپ بہ طور تاوان دین دار تھا ۔ لیکن اس

قرضے کو زیادہ تر ٹی ٹس ہی کی وکالت سے رومیوں نے معاف کر دیا۔ اور اس کے بیٹے کو جو یرغمال میں آیا تھا، واپس بھیج کر فی رپ کو اپنا حلیف اور اتحادی قرار دیا۔

زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ انتیوکوس بڑا بھاری بیڑا اور طاقت ور فوج لے کر یونان پہنچا اور وہاں کی ریاستوں کو فتنہ و فساد کی ترغیب دی۔ اس میں وہاں والوں نے بھی تائید کی مگر اتولیہ کے لوگوں نے سب سے بڑھ کر ساتھ دیا کیوں کہ ان کے دل میں رومیوں کی طرف سے کینہ تھا۔ یہ انھی کی تحریک تھی کہ انتیوک آزادیٔ یونان کا علم بردار بن کر آئے اور اسی کو رومیوں سے جنگ کا حیلہ بنائے۔ حالاں کہ یونانیوں کو اس کی بالکل ضرورت نہ تھی اور وہ پہلے ہی آزادی سے بہرہ مند تھے، البتہ حملہ آور بادشاہ کے پاس اور کوئی معقول سبب نہ تھا۔ اِدھر اہلِ رومہ نے کچھ مدت پہلے یونان میں شورش و فساد کی بھنک پاکر، اپنے قنصل مانیوس اکی لیوس کو سپہ سالاری تفویض کی تھی جو سپہ گری میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ پھر اہلِ یونان کی خاطر سے ٹی ٹس کو بھی نائب بنا کر روانہ کیا چناں چہ اس نے آتے ہی بہت سے یونانیوں کو رومہ کی حمایت میں پختہ کر دیا اور بہت سے جو مذبذب تھے ایک مریض کی طرح اس کی محبت کی مقوی دوا کھاتے ہی سنبھل گئے اور غلطی میں پڑنے سے پہلے ابتدا ہی میں ٹی ٹس نے ان کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ البتہ تھوڑے سے لوگ ایسے تھے جن پر اتولیہ کا جادو چل چکا تھا اور وہ اس قدر مسموم ہو چکے تھے کہ ٹی ٹس کی کوئی کوشش مفید نہ ہوئی۔ اس پر بھی جنگ ختم

ہوتے ہی، باوجود غیظ و غضب کے، اس نے اُن کی حفاظت کی اور انھیں بچا لیا۔ کیوں کہ ان تیوکوس تو ایک ہی معرکے میں تھرموپلی پر شکست کھا کر نہ صرف میدان سے بھاگا بلکہ بہت جلد جہازوں میں بیٹھ کر ایشیا چل دیا اور مانیوس نے اتولیہ پر خود حملہ کیا اور باقی ریاستوں کو تسخیر کرنے کی فی لپ کو اجازت دے دی۔ یہ دونوں فوجیں باغی یونانیوں کے علاقے تاراج کر رہی تھیں اور اب ان کو روما کے پنجۂ انتقام سے بچانے والا کوئی نہیں رہا تھا۔ اس موقع پر بھی ٹی ٹس کی یونان سے محبت نے جوش کیا اور وہ جنوب سے جہاز میں بیٹھ کر اپنے قنصل کے پاس پہنچا جو اُن دنوں ہراکلیہ کو ویران کر کے نوپاکٹس کا محاصرہ کر رہا تھا۔ ٹی ٹس نے اس کی خوب خبر لی کہ اوّل تو جنگ کا فیصلہ محض تلوار پر چھوڑ دیا اور پھر اپنے آپ تو ایک، دو شہروں کے فتح کرنے میں مصروف رہا اور مقدونیہ والوں کو اجازت دی کہ کئی بڑی حکومتوں اور ریاستوں پر فوج کشی کر کے انھیں وہ تسخیر کر لیں۔ وہ یہ باتیں کر رہا تھا کہ محصور قلعے والوں نے اس دیکھ لیا اور دیکھتے ہی اُسے پکارنے اور ہاتھ بڑھا بڑھا کر مدد کی التجائیں کرنے لگے۔ ٹی ٹس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے مگر اس وقت وہ خاموش وہاں سے چلا گیا۔ لیکن بعد میں اُس نے پھر مانیوس کے ساتھ ایسی پُر اثر بحث و گفتگو کی کہ بالآخر اس جنگ جو سردار کا غصہ فرو ہو گیا اور اُس نے ہنگامی صلح کر کے اجازت دے دی کہ اتولیہ والے روما کو اپنا وفد بھیج دیں جو مجلس عمائد میں

نرم شرطوں پر صلح کی کوشش کرے ۔

لیکن اتولیہ سے بھی زیادہ دشواری ٹی ٹس کو کال کیس کی وکالت کرنے میں پیش آئی ۔ اس ریاست سے مانیوس بہت جلا ہوا تھا کیوں کہ یہاں ان تیوکوس نے زمانۂ جنگ ہی میں شادی رچائی تھی ۔ اور اپنی پیرانہ سالی اور جنگ وجدال کے بے محل موقع کا بھی خیال نہیں کیا تھا ۔ کہتے ہیں کہ یہ لڑکی جس کے باپ کا نام کلیوپ تول مس تھا ، بہت کم سن اور نہایت حسین تھی ۔ ان تیوک اس پر عاشق ہوگیا اور شادی کرلی ۔ کال کیس کے لوگ بھی یہ رشتہ ہو جانے کے باعث جوش و خروش کے ساتھ اس کے حامی بن گئے اور اجازت دی کہ انھی کا شہر جنگ کا مرکز بنا لیا جائے اور یہیں سے فوجیں اور سامانِ جنگ آگے روانہ ہوا کرے ۔ جب ان تیوکوس شکست کھا کر فرار ہوا تو سیدھا کال کیس گیا اور وہاں سے اپنی نئی دُلھن اور اپنا زر و مال اور دوست احباب کو ساتھ لے کر ایشیا روانہ ہوا ۔ یہی وجہ تھی کہ اب مان یوس بھی غصے میں بھرا ہُوا بہ عجلت کال کیس پہنچا اور ادھر اُس کے پیچھے پیچھے ٹی ٹس بھی بھاگا ہوا وہیں گیا کہ رومی سپہ سالار کی منت سماجت کرکے اس کا غصہ فرو کرے ۔ چناں چہ آخر میں وہ مان یوس اور دوسرے رومی عمائد کو سمجھانے بجھانے میں کام یاب ہوگیا ۔

اس طرح کال لیس والوں کی جاں بخشی ٹی ٹس کی بہ دولت ہوئی تو وہ بھی اس کے جان و دل سے احسان مند ہو گئے اور اپنی تمام بڑی بڑی عمارتوں پر اس کا نام کندہ کرایا ۔ چناں چہ آج بھی

اس قسم کے کتبے نظر آتے ہیں جیسے : "قوم یہ ورزش گاہ ٹی ٹس اور ہرقل کے نام پر معنون کرتی ہے۔" یا "یہ دیول، ٹی ٹس اور ہرقل کے نام سے وقف کیا جاتا ہے۔" اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہمارے زمانے تک ٹی ٹس کا (دیوتا بنا کے) ایک پروہت منتخب کیا جاتا تھا اور قربانیوں وغیرہ کے بعد ایک مقررہ بھجن گاتے تھے جس کا بڑا حصہ طوالت کی وجہ سے ہم حذف کرتے ہیں اور ذیل میں صرف آخری بیتیں نقل کیے دیتے ہیں :-

"ہم بہت دن سے کر رہے ہیں ادا
دینِ روما کو اپنی نذر نیاز
اب ہیں پہلے سے بھی سوا مسجود
روم، ٹی ٹس و جوو ذی اعجاز
ہاں، ذرا اُٹھ کے اپنا بھاؤ بتا
دیوتائی حسینۂ طنّاز!
ہم پہ احسان ہے روما دیوی کا
اور ترا، ٹی ٹس، اے غریب نواز!"

یونان کے دوسرے مقامات نے بھی اس کے شایانِ شان اعزاز و اکرام کیا۔ اور ان مظاہروں کو جس چیز نے سچا اور خالص بنایا، وہ اہلِ یونان کی حیرت انگیز عقیدت و محبت تھی جو ٹی ٹس کے اعتدال اور حُسنِ سیرت نے حاصل کی تھی۔ کیوں کہ اگر معاملات میں کسی سے اختلاف ہوا یا کبھی رشک و رقابت محرّک ہوئی (جیسا کہ فیلوپی من یا بعد میں اکائی سپہ سالار ڈیوفانس کے ساتھ ہوا) تو بھی ٹی ٹس کی

ناراضی کبھی حد سے نہیں گزری اور نہ اس کا عمل میں ظہور ہونے پایا۔ بلکہ معمولی مخالفانہ تقریروں میں، جیسا کہ آزاد شہری کر لیا کرتے ہیں، دل کی بھڑاس نکال کر وہ اسے ختم کر دیا کرتا تھا۔ غرض اس کی فطرت پر بعض لوگوں نے جلد بازی اور ہلکے پن کا الزام تو لگایا، لیکن کسی نے کینہ وری یا عناد کا الزام نہیں دیا۔ عام طور پر دیکھیے تو وہ بہت خوش مزاج اور دل کش رفیق تھا اور اس کی باتیں لطف اور اثر سے خالی نہ ہوتی تھیں۔ مثلاً اکائیہ والوں کو جزیرۂ زدکین توس کی فتح سے روکنے کے سلسلے میں اُس نے یہ جملہ کہا کہ "دیکھو اگر اپنے جزیرہ نما سے زیادہ آگے تک گردن بڑھاؤ گے تو ایسے ہی خطرے میں پڑ جاؤ گے جیسے کچھوا اپنی کھال سے باہر سر نکالنے میں پڑ جاتا ہے۔"

فی لپ سے ہنگامی صلح کی گفتگو کے لیے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی تو فی لپ نے اعتراض کیا کہ تم اتنی بڑی جمعیت لے کر آئے ہو، حالاں کہ میں تنہا آیا ہوں۔ ڈی ٹس نے جواب دیا "ہاں! تم نے اپنے سب دوستوں کو قتل کرا دیا اور اب اکیلے رہ گئے ہو۔"

مسینہ کا دیموکراتس جب **رومہ** آیا تو ایک جلسے میں خوب شراب پی کر بدمست ہو گیا اور زنانہ لباس پہن کر ناچا۔ پھر دوسرے دن ڈی ٹس کے پاس اپنی اصل غرض لے کر گیا کہ اکائیہ والوں سے مخلصی دلانے میں **مسینہ** کی مدد کی جائے۔ ڈی ٹس نے کہا "آپ کی درخواست پر غور کی ضرورت ہے۔ مگر مجھے تعجب ہے کہ کوئی شخص جسے اتنے اہم کام درپیش ہوں، شراب کے جلسوں

میں گانے اور ناچ دکھانے کی فرصت کس طرح پاگیا؟"

ایک دفعہ شاہ انتیوکوس کے ایلچی اکائیہ والوں کے سامنے اپنے بادشاہ کے مختلف لشکروں کی تفصیل بیان کرنے لگے اور ان کے بہت سے نامانوس نام سُنا رہے تھے۔ ٹی ٹس نے کہا "صاحبو! ایک مرتبہ کسی دوست کی دعوت میں اس قدر بہت سے کھانے دسترخوان پر چُنے گئے کہ مجھ سے نہ رہا گیا اور مَیں نے پوچھا کہ بھائی، تم نے اتنے انواع و اقسام کے کھانے کہاں سے مہیا کرلیے۔ میرے دوست نے جواب دیا، اصل بات یہ ہی کہ یہ سب سوّر کا گوشت ہی جسے طرح طرح سے پکا کر آپ کے سامنے لگا دیا ہی۔ تو میرے اکائی دوستو! یاد رکھو یہ جو انتیوکی نیزہ برداروں اور تیر اندازوں اور پیادوں کی تفصیل تم نے سنی، اس پر حیرت نہ کرو کیوں کہ حقیقت میں یہ سب شامی سپاہی ہیں جن کو مختلف ہتھیاروں سے مسلح کر دیا گیا ہی۔"

یونان کی فتوحات اور انتیوکوس کی جنگ ختم ہونے کے بعد، ٹی ٹس محتسب مقرر ہُوا۔ یہ بہت ممتاز عہدہ تھا اور ایک اعتبار سے ملک میں سب سے بلند اعزاز یہی تھا۔ مارسلس کا (جو پانچ مرتبہ قنصل ہُوا) بیٹا، ٹی ٹس کا شریک عہدہ تھا۔ انھوں نے مجلس عمائد کے چار ارکان کو خارج کر دیا اور شہر کے تمام آزاد باشندوں کو شہری حقوق دِلوائے۔ لیکن اس میں ان کی مرضی کو اتنا دخل نہ تھا جتنا عوام کے تری بیون (یا وکیل) کولیو کی ہمہ ہمی کو جس نے امیروں سے عداوت کی بنا پر عوام کو اشتعال دلایا کہ یہ اضافہ کرائے بغیر

نہ رہیں ۔ اس وقت شہر کے دو سب سے معزز و ممتاز شخص ، یعنی سسی پیو فاتح افریقہ اور مرقس کے تو میں نزاع تھی ۔ ٹی ٹس نے سسی پیو کو مجلس کا رُکنِ اوّل نام زد کر دیا ۔ اور حسبِ ذیل افسوس ناک واقعے میں کے تو سے اس کی مخالفت ہوئی ۔ ٹی ٹس کا ایک بھائی لوسی اس فلامی نی نس تھا جو خو خصلت میں اپنے بھائی سے بالکل مختلف تھا اور عیاشی کے معاملے میں خصوصیت کے ساتھ بہت بے شرم و بے حجاب آدمی تھا ۔ وہ اپنے ساتھ ایک لڑکے کو لیے پھرتا تھا اور نہ صرف فوج کی سرداری بلکہ ایک صوبے کی حکومت کے وقت بھی یہ لڑکا اس کے پاس رہتا تھا ۔ ایک دن شراب خواری کی صحبت میں ، جب کہ یہ لڑکا لوسی اس کے ساتھ لہو و لعب میں مصروف تھا ، اُس نے یہ بھی کہا کہ دیکھو صاحب ، میری محبت کا یہ حال ہی کہ میں آپ کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم رکھتا ہوں ۔ اور اس دفعہ بھی گلا دیاٹروں[1] کی لڑائی دیکھے بغیر تمھارے پاس چلا آیا حالاں کہ میں نے آج تک کسی آدمی کو قتل ہوتے نہیں دیکھا (جس کا مجھے نہایت شوق ہی)"

لوسی اس اس اظہارِ محبت پر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا "اس کا فکر نہ کرو تمھارا یہ شوق میں پورا کر سکتا ہوں" ساتھ ہی ایک مجرم کو قید خانے سے اور جلاد کو طلب کر کے ، حکم دیا کہ قیدی کا سر اُڑا دیا جائے ، قبل اس کے کہ وہ میز پر سے اُٹھیں ۔ ان تیاس کی روایت میں صرف اتنا فرق ہی کہ لڑکے کی بجائے اُس نے لکھا ہی ،

---

[1] (Gladiators) وہ تیغ زن کشتی گیر جن کی آپس میں یا جنگلی جانوروں سے لڑائی کرائی جاتی تھی ۔ م

وہ کوئی عورت تھی جس کی اس طرح خوشی پوری کی گئی۔ لیکن مؤرخ لوی لکھتا ہے کہ کے تو نے اپنی تقریر میں مجرم کی بجائے ایک غالوی بتایا ہے جو وطن چھوڑ کر بھاگا اور اس وقت بیوی بچّوں سمیت ایوان دعوت کے دروازے پر آگیا تھا۔ اسی کو لوسی اس نے کمرے میں لاکر اپنے معشوق کی خوشی کے لیے اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ گمان غالب یہ ہے کہ اس موقع پر کے تو نے جرم کو سنگین بنانے کے لیے مبالغے سے کام لیا ہوگا۔ کیوں کہ دوسرے راویوں کو چھوڑ کر خود کے تو کا بیان سیسرو (سسرو) نے اپنے رسالے "پیرانہ سالی" میں یہی نقل کیا ہے کہ وہ مفرور نہیں بلکہ کشتنی مجرم تھا —

بہ ہر حال واقعہ صحیح تھا۔ اور کے تو نے اپنی محتسبی کے زمانے میں جب مجلس کی اصلاح کی غرض سے ارکان کی سیرت کا سختی سے محاسبہ کیا، تو لوسی اس کو بھی اسی الزام پر عمائد سے خارج کر دیا حالاں کہ وہ پہلے قنصلی کے عہدے پر فائز رہ چکا تھا اور یہ سزا اس کے بھائی کے حق میں بھی ذلت آمیز تھی۔ چناں چہ لوسی اس کے ساتھ ٹی ٹس بھی مجلس عوام میں فریادی بن کر آیا۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے جب انھوں نے درخواست کی کہ کے تو ایسے معزز خاندان پر ایسا داغ لگانے کی معقول وجہ بیان کرے۔ شہریوں نے بھی ان کی تائید کی مگر کے تو اپنے ہم عہدہ کے ساتھ اٹھا اور بغیر کسی لحاظ و شرمندگی کے، سامنے آکے ٹی ٹس سے سوال کیا کہ تمھیں دعوت کے قصے کا حال معلوم ہے؟ ٹی ٹس نے نفی میں جواب دیا۔ تب کے تو نے اُسے خود بیان کیا اور ٹوکا کہ لوسی اس

میں ہمت ہو تو اس کی باضابطہ تردید کرے۔ لوسی اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر لوگوں نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ اس کی جو تذلیل کی گئی، وہ حق بہ جانب اور مناسب تھی اور کےتو کو جلسہ گاہ سے سراہتے ہوئے بہت اعزاز کے ساتھ گھر تک پہنچانے آئے۔ پھر بھی ٹی ٹس کو اس بے عزتی کا اتنا صدمہ ہوا تھا کہ وہ اس جماعت کے ساتھ ہو گیا جو کےتو سے کاوش رکھتی تھی اور مجلس کی اکثریت کو مؤید بنا کے اُن سب ٹھیکوں، پٹّوں وغیرہ کو جو کےتو نے سرکاری طور پر منظور کیے تھے، منسوخ کرا دیا۔ اور سرکاری مالیے کے سلسلے میں اس پر طرح طرح کے مقدمے دائر کرائے۔ حال آں کہ وہ قانونی حاکم اور اعلا درجے کا محبِّ وطن شہری تھا۔ پھر، ٹی ٹس نے ایسے شخص ی خاطر یہ دشمنی کی جو اگرچہ اس کا عزیز قریب تھا لیکن خصائل کے اعتبار سے نالائق اور محض اپنے کیفرِ کردار کو پہنچایا گیا تھا۔ اور دشمنی بھی ایسی شدید کہ اس کے حملوں کو حق بہ جانب سمجھنا یا حبِ وطن پر محمول کرنا مشکل معلوم ہوتا ہو۔ مگر خود لوسی اس مجلسِ عمائد سے خارج کیے جانے کے بعد ایک دفعہ کوئی تماشا دیکھنے تماشا گاہ میں گیا تو اگلی قطار میں بیٹھنے کی بجائے جہاں ارکانِ مجلس کی نشست ہوا کرتی تھی، بہت پیچھے کسی ادنا درجے کی جگہ پر بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر لوگوں کو اتنا صدمہ ہوا کہ وہ اسے برداشت نہ کر سکے اور برابر پکارتے رہے کہ وہ آگے جائے۔ حتےٰ کہ وہ آخر کار اٹھا اور قنصلی مرتبے کی نشستوں میں جا کر بیٹھا، جہاں اس کے ساتھیوں نے اُسے اپنے

درمیان جگہ دی +

ٹی ٹس کی یہ فطری خود نمائی دنیا پر اس وقت اور بھی ظاہر ہوئی جب کہ اُن لڑائیوں نے جن کا ہم اوپر تذکرہ کر رہے تھے، اس جذبے کو بھڑکنے کا اور سامان بہم پہنچایا۔ چناں چہ اس کی قنصلی کا زمانہ ختم ہوا تو وہ جنگی تری بیون کی حیثیت سے کام کرنے لگا حال آں کہ کسی نے اس پر زور نہیں ڈالا تھا کہ یہ خدمت انجام دے۔ پھر حکومت کے عہدوں سے الگ ہونے کے بعد جب پیرانہ سالی کا ضعف اور غالب ہوا، تو اس کی کم زوریاں بھی زیادہ نمایاں ہونے لگیں اور بڑھاپے میں شہرت کا شوق ایسا بڑھا کہ جوانی کے جذبات کی طرح بے قابو ہوگیا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ ایسا ہی کوئی بے قابو جوش تھا جس کی وجہ سے اس نے ہنی بال کے ساتھ ایسی دشمنی کی کہ بہت سے لوگوں کی عقیدت مندی میں فرق آگیا۔ بات یہ ہے کہ ہنی بال اپنے ملک سے فرار ہونے کے بعد پہلے شاہ ان تیوکوس کی پناہ میں آگیا تھا لیکن جب اس بادشاہ نے فریجیہ کی جنگ کے بعد (رومیوں سے) خوشی خوشی صلح کر لی تو ہنی بال کو یہاں سے بھی نکلنا پڑا اور وہ مُلک مُلک پھرتا ہوا، آخرکار بتھی نیہ پہنچا اور وہاں کے بادشاہ پروسیاس کو اپنی خدمات پیش کیں۔ رومہ میں سب کو علم ہوگیا تھا کہ وہ کہاں ہے لیکن اب اس کے بڑھاپے اور بے سروسامانی میں جب کہ تقدیر ہی اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی، کسی کو اس کا خوف نہیں رہا تھا۔ لیکن ٹی ٹس کو مجلس کی طرف سے سفیر بنا کر بتھی نیہ بھیجا گیا تو ہر چند اس کی سفارت کی غرض

دوسری تھی، مگر ہنی بال کو شاہ پروسیاس کے ہاں مقیم دیکھ کر اسے سخت غصہ آیا کہ وہ ابھی تک زندہ سلامت موجود ہی۔ پھر پروسیاس نے بہت کچھ منت سماجت کی اور کہا سنا بھی کہ ہنی بال میرا پرانا دوست اور اس وقت ایک پناہ گزیں بن کر یہاں آیا ہی، لیکن ٹی ٹس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ سنا ہی کاہنوں کی ایک قدیم پیش گوئی تھی کہ ہنی بال کا خاتمہ "بحاسہ کی زمین میں ہوگا" اور وہ اس کا مطلب افریقہ کا لی بیہ سمجھتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ قرطاجنہ ہی میں دفن ہوگا گویا اسے اپنے وطن میں دوبارہ جانے اور وہیں زندگی پوری کرنے کا موقع ملے گا۔ لیکن بتھی نیہ میں بھی سمندر کی ریتی کے قریب ایک گانو لبحاسہ موجود ہی اور اتفاق سے ہنی بال اسی جگہ مقیم تھا۔ اسے پروسیاس کی بزدلی اور خود غرضی اور دوسری طرف رومیوں کی عداوت کا بھی اندیشہ تھا، لہذا اپنے مکان سے سات سرنگیں کھدوائی تھیں جو دور تک مختلف سمتوں میں جاتی تھیں اور باہر سے ان کا پتا نہیں چل سکتا تھا۔ چناں چہ ٹی ٹس کی فرمایش سن کر اس نے انھی زمین دوز راستوں سے نکل جانے کی کوشش کی مگر جب دیکھا کہ ان سب پہ شاہی پہرا لگا ہوا ہی تو خودکشی کا قصد کرلیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کمر کے گرد کپڑا لپیٹ کر اس نے اپنے نوکر کو حکم دیا کہ اس کے گھٹنے اسی کپڑے میں لپیٹ کر اس قدر بل دے اور کھینچے کہ وہ گھٹ کر مر جائے۔ اور ایک روایت یہ ہی کہ اس نے سانڈ کا خون پی کر جان دی جیسے تمس طاکلیس اور میڈاس نے خودکشی

کی تھی۔ مؤرخ لوی کا بیان ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے پاس زہر رکھتا تھا، اُسی سے کام لیا اور گھول کر پیالہ ہاتھ میں لیا اور یہ الفاظ کہے: "آؤ، اب آرام کریں۔ اور وہ رومی بھی، جو ایک دشمن بڈھے کی موت کا انتظار کرتے کرتے اکتائے جاتے ہیں، اپنے دائمی خوف اور پریشانی سے نجات پائیں۔ لیکن اس میں کوئی نام وری ٹی ٹس کے ہاتھ نہ آئے گی اور نہ ایسی کام یابی جو اُس کے اجداد کے شایانِ شان ہو جنھوں نے پای روس کو خود اطلاع دے دی تھی کہ چند غدار اسے زہر دینا چاہتے ہیں۔ حال آں کہ پای روس رومیوں کا دشمن بھی تھا اور اس وقت اُن کو شکستیں بھی دے رہا تھا۔"

غرض اس کی موت کی روایتیں مختلف ہیں۔ بہ ہر حال جب یہ خبر رومہ کی مجلس عمائد میں پہنچی تو بعض ارکان ٹی ٹس سے ناراض ہوئے اور اس کی مداخلت کو ظلم پر محمول کیا کہ اور کوئی بات نہ ملی تو محض شہرت حاصل کرنے کی خاطر ہنی بال ہی کو مروا ڈالا۔ حال آں کہ اب مقتول کی کیفیت یہ ہوگئی تھی جیسے ایک پرندے کے بڑھاپے میں پر گر جاتے ہیں اور وہ پرواز نہیں کرسکتا تو اسے اپنی زندگی کاٹنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں اور کوئی آزار نہیں پہنچاتا۔

اسی کے ساتھ لوگوں کو از سر نو سی پیو فاتح افریقہ کی نرم دلی اور عالی ظرفی یاد آئی اور اس کا مرتبہ اُن کی نظر میں دو بالا ہوگیا۔ کیوں کہ جب اُس نے ہنی بال کو جب کو اُس وقت

تک کوئی مغلوب نہ کر سکا تھا اور جس کے نام سے لوگ دہشت کھاتے تھے، شکست دی تو نہ اُسے جلاوطن کیا نہ اُس کے اہل وطن پر اسے حوالے کر دینے کی کوئی شرط عائد کی۔ معرکہ شروع ہونے سے پہلے ان سپہ سالاروں میں باہم گفتگو ہوی تو سی پیو نے ہنی بال سے مصالحے کے لیے خود ہاتھ بڑھایا اور پھر فتح پانے کے بعد بھی نہ اس پر کوئی سخت شرط لگائی نہ تقدیر کے اس سے پھر جانے پر اس کی تذلیل کرنے کا موقع تلاش کیا۔ یہ بھی مشہور ہی کہ ایک مدت بعد ان دونوں کی ایک اور ملاقات شہر افی سوس میں ہوئی اور جب وہ مل کر ٹہل رہے تھے تو ہنی بال نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کے اوپر رکھ دیا۔ اس کا سی پیو نے بالکل خیال نہ کیا اور اسی طرح ساتھ ٹہلتا رہا۔ پھر اُن میں سپہ سالاروں کے متعلق باتیں ہونے لگیں تو ہنی بال نے بڑے وثوق سے کہا کہ دنیا کا سب سے بڑا سپہ سالار سکندر (یونانی) گزرا ہی۔ دوسرے درجے پر پائی روس ہی اور تیسرے درجے پر خود میں ہوں۔ سی پیو نے مسکرا کر کہا "کیوں صاحب، اگر میں آپ کو شکست نہ دیتا تو آپ کی رائے کیا ہوتی؟" ہنی بال نے جواب دیا "اس صورت میں میں اپنے آپ کو تیسرے درجے پر نہ رکھتا بلکہ اول درجے کا سپہ سالار قرار دیتا۔"

اس قسم کے طرزِ عمل سے سی پیو کی بہت تعریف ہوئی اور اسی نسبت سے اب ٹی ٹس کو عام طور پر لوگ مطعون کرتے تھے کہ اس نے گویا ایک مرے ہوئے آدمی کی تذلیل کی جسے قتل بھی دوسرے

شخص نے کیا تھا۔ اسی کے ساتھ ایسے لوگ بھی موجود تھے، جنھوں نے ٹی ٹس کی تحسین کی اور جو ہنی بال کو ایسی آگ سمجھتے تھے کہ ہَوا لگتے ہی بھڑک اٹھے۔ کیوں کہ جوانی میں بھی اس کا جسم یا ہاتھ خطرناک نہ تھا بلکہ خطرے کی چیز تو اس کی اعلا قابلیت اور تجربہ تھا، جو رومیوں سے اس کی قلبی دشمنی اور عناد کے ساتھ مل کر آفتیں ڈھاتا رہا۔ اور یہ اوصاف پیرانہ سالی کی وجہ سے زائل نہیں ہوتے۔ روح کا مزاج اور میلان برابر وہی رہتا ہے اگرچہ حالات بدلتے رہتے ہیں۔ لہذا جو لوگ آخر تک دلی دشمنی رکھتے ہوں، بہت ممکن ہے کہ کوئی تازہ امید نظر آتے ہی پھر دشمنی کرنے کے لیے آمادہ ہوجائیں۔ دوسرے حق یہ ہے کہ بعد کے واقعات بھی ایک حد تک ٹی ٹس کی صفائی میں پیش کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً ارِس تونی کوس نے جو معمولی مطربوں کے خاندان سے تھا، محض اس شہرت کی بنا پر کہ وہ یومنیس کا بیٹا ہے، ساری ایشیا (: ایشیای کوچک) میں ہنگامہ اور فساد مچادیا۔ مِتھرا داتیس نے سِلا اور فیم بریا سے کتنی ہی شکستیں کھائیں اور اس کے ہزاروں سپاہی اور بہترین سردار مارے گئے، بہ ایں ہمہ کچھ مدت بعد پھر لڑنے پر تیار، بلکہ نہایت خطرناک دشمن ثابت ہوا۔ اور خشکی اور تری میں لوکیوس کے ساتھ لڑا۔ ہنی بال آخر تک ایسا زبوں نہ ہوگیا تھا جیسا ماریوس۔ بلکہ اسے ایک بادشاہ کی دوستی حاصل تھی اور اس کے بیڑے نیز پیادہ و سوار فوجوں پر اقتدار بھی رکھتا تھا۔ اس کے مقابلے میں ماریوس کی نسبت سُنا جاتا تھا کہ افریقہ میں محتاج و نادار، بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ لیکن

تھوڑے ہی دن بعد جو لوگ اس کا مضحکہ کرتے تھے، وہی دوصہ میں اس سے رحم و کرم کی التجائیں کرتے نظر آئے۔ اس کے ڈنڈے ان کی کمر پر اور اس کے تبر ان کی گردنوں پر دیکھے گئے۔ پس یہ کہنا دُرست ہی کہ مستقبل پر نظر رکھیے تو حالتِ حاضرہ کی بنا پر کسی کو بڑا یا چھوٹا نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ جب تک کسی شے کا وجُود ہی ختم نہ ہو جائے، اس کے تغیر اور دوُر میں رہنے کی قابلیت ختم نہیں ہوسکتی۔ اس لیے بعض مصنّفوں کا بیان ہی کہ ٹی ٹس نے جو کچھ کیا وہ اس کا ذاتی خیال نہ تھا بلکہ لوسی اس سی پیو بھی اس کوشش میں اس کا شریک تھا اور یہ کہ اس کی سفارت کا اصل منشا ہی یہ تھا کہ ہنی بال کا خاتمہ کرا دیا جائے۔

اس واقعے کے بعد ہمیں تاریخ میں ٹی ٹس کے اور کسی کام کا ذکر نہیں ملتا، نہ جنگ میں نہ ملکی انتظامات کے سلسلے میں۔ بجز اس کے کہ وہ طبیعی موت مرا، لہٰذا یہ دیکھنا چاہیے کہ فی لوپی من کے مقابلے میں وہ کیسا نظر آتا ہی۔

فی لوپی من کا موازنہ

ٹی ٹس فلامی نی نس کے ساتھ

سب سے پہلی چیز تو وہ فوائد ہیں جو ٹی ٹس کے ہاتھ سے یونان کو پہنچے اور اس بارے میں فی لوپی من یا اس سے بھی بہادر یونانی، کوئی ٹی ٹس کے درجے کو نہیں پہنچتا۔ وہ یونانی تھے جو آپس ہی میں لڑائیاں لڑتے تھے مگر ٹی ٹس غیر ہونے کے باوصف یونان کی خاطر لڑا۔ عین اس وقت جب فی لوپی من اپنے محصور اہل وطن کو مدد دینے کی بھی قوت نہ رکھتا تھا، اور بے سروسامانی کی حالت میں کریٹ چلا گیا تھا، ٹی ٹس نے یونان کے قلب میں فی لپ کو شکست دی اور اس کے شہروں کو اور ان کے باشندوں کو آزادی دلائی۔ اسی طرح اگر ان کی لڑائیوں کا موازنہ کیا جائے تو فی لوپی من نے ریاست اکائیہ کے سپہ سالار کی حیثیت سے جتنے یونانیوں کا خون بہایا، ٹی ٹس کے ہاتھ سے اتنے مقدونی بھی قتل نہیں ہوئے۔ کمزوریوں کے اعتبار سے ٹی ٹس کی بڑی کمزوری شہرت طلبی تھی اور فی لوپی من کی ضد۔ پہلے کو غصہ جلد آتا تھا۔ اور دوسرے کا غصہ زائل مشکل سے ہوتا تھا۔ ٹی ٹس نے فی لپ کو بھی اس کے رُتبۂ شاہی پہ بحال رکھا اور اقولیہ والوں

تک کو معاف کر دیا بلکہ ان کے ساتھ دوستی کی۔ بہ خلاف اس کے فی لوپی من اپنے ہی ملک سے بیزار ہوا تو آس پاس کے دیہات کی سیادت سے بھی اُسے محروم کر دیا۔ ٹی ٹس جس کا دوست ہو جاتا، اُسے آخر تک نباہتا اور فی لو معمولی قصور پر پہلی مہربانی کو فراموش کر دیتا تھا۔ چناں چہ پہلے اسپارٹہ والوں کا مُربی تھا اور بعد میں اسی کے ہاتھوں وہاں کی فصیلیں زمین کے برابر ہوئیں، علاقہ تباہ و تاراج ہُوا اور آخر میں پورا نظام حکومت بدلا اور برباد ہوا۔ سچ یہ ہے کہ غصے کے جوش ہی میں فی لوپی من نے اپنی جان کھوئی۔ غیر ضروری اور غیر معقول جلد بازی کے باعث، وہ مسی نیہ والوں پر جا پڑا اور اس ضبط و احتیاط سے کام نہیں لیا جو ٹی ٹس کے کاموں کی خصوصیت تھی۔

فی لوپی من بہت سے معرکے لڑا اور بہت سی غنائم حاصل کیں، جس کی بنا پر ہم اُسے جنگ کا زیادہ ماہر قرار دے سکتے ہیں۔ ٹی ٹس نے فی لپ کے ساتھ دو لڑائیوں میں فیصلہ کر لیا اور فی لو ہزاروں معرکوں میں فتح یاب ہُوا اور کسی حسنِ اتفاق سے نہیں بلکہ اپنی لیاقت اور کاردانی ہی سے یہ فتوحات حاصل کیں۔ دوسرے، ٹی ٹس کی شہرت کی پشت پر عروج پذیر دولتِ رومہ تھی اور فی لوپی من کی ترقی کا زمانہ وہ ہے جب کہ یونان زوال کی حالت میں تھا۔ لہٰذا اس کی کامیابیوں کو اسی کا کارنامہ کہا جائے گا۔ اور ٹی ٹس کی شہرت میں رومہ کو بھی حصہ دینا پڑے گا۔ گویا اس کے تحت میں بہادر لوگ تھے اور اس نے محض اپنی سرداری میں اپنے ماتحتوں کو بہادر بنایا تھا۔ اور گو فی لوپی من کی قسمت کی خرابی تھی کہ ہمیشہ اپنے

ہی ہم وطنوں سے اسے لڑنا پڑا، لیکن یہی بد قسمتی اس کی ذاتی قابلیت کا ثبوت بھی فراہم کرتی ہے۔ جب حالات یکساں ہوں تو اعلا درجے کی کام یابی اعلا درجے کی قابلیت ہی کا سبب قرار دی جائے گی۔ اور اس میں تو کچھ بھی شبہ نہیں کہ اسے کریٹا اور اسپارٹہ یعنی یونان کی دو سب سے جنگ جو قوموں سے سابقہ پڑا۔ ان میں جو سب سے مکار تھے، انھیں اپنی چالاکی سے اور جو سب سے بہادر تھے، انھیں اپنی شجاعت سے اُس نے مغلوب کیا۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ٹی ٹس کے سپاہی ایسے مسلح اور منظم تھے کہ ایک حد تک وہی اس کی فتوحات تیار کر دیتے تھے۔ بہ حالے کہ فی لوپی من کو ان کی تنظیم و تربیت خود کرنی پڑتی تھی اور اس نے انھیں ایک نئے سانچے میں ڈھالا تھا۔ پس جو چیز جنگی کام یابی میں سب سے اہم ہے، وہ اس کی لڑائیوں میں خود اس کی پیدا کی ہوئی تھی مگر ٹی ٹس کو وہ بنی بنائی ملی جس سے فائدہ اُس نے اٹھایا۔ شخصی طور پر بھی فی لوپی من نے بہت سے شجاعانہ کام کیے اور ٹی ٹس نے ایک بھی نہیں کیا۔ چناں چہ اتولیہ کے ایک شخص ارکی دِموس نے اس کی نسبت یہ لطیفہ کہا تھا کہ فی لپ کی جنگ میں، میں تو ننگی تلوار لیے ہوئے اُدھر دوڑا، جہاں سب سے گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ اور ٹی ٹس جہاں تھا، وہیں کھڑا ہوا ہاتھ اٹھائے ہوئے دیوتاؤں سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگتا ہی رہ گیا۔

ٹی ٹس نے بہ حیثیت حاکم اور سفیر اپنی خدمات بہت خوبی سے انجام دیں لیکن فی لوپی من بھی سپہ سالار یا معمولی شہری کی حیثیت سے اکائیہ کے لیے کچھ کم مفید نہ تھا۔ مسی نیہ کو نابیں کے پنجے سے

رہائی دلائی تو وہ کسی عہدے پر نہ تھا اور اسی طرح اسپارٹہ کو خود ٹی ٹس اور ڈیوفانس کے ہاتھ سے اس نے بچایا تو بھی محض ایک غیر سرکاری شہری تھا گویا اس کی سرشت حکمرانی کے لیے اس قدر موزوں بنی تھی کہ لوگوں کے فائدے کے واسطے قوانین میں تصرف کر سکتا تھا۔ اسے یہ انتظار کرنے کی ضرورت نہ تھی کہ رعایا اسے رسمی طور پر ہی حاکم منتخب کرے بلکہ ضرورت ہوتی تو وہ بغیر اس کے اپنی مرضی کے مطابق ان سے کام لینے کی قابلیت رکھتا تھا اور جانتا تھا کہ وہ جو ان کے اصلی مفاد کو سمجھتا ہے، ان کا بہت اچھا حاکم اعلا ہو سکتا ہے، بہ نسبت اس کے جسے وہ عہدے پر منتخب کریں۔ بے شبہ ٹی ٹس کی یونانیوں کے ساتھ رحم دلی اور انسانیت ایک اعلا درجے کی فیاض فطرت کا ثبوت ہیں لیکن فی لوپی من کے کام جن میں دلیری تھی اور خود رومیوں کے مقابلے میں وطن کی آزادی قائم رکھنے کے لیے کیے گئے تھے، ان میں مذکورہ بالا اوصاف سے بھی بڑھ کر شرافت و عظمت کی شان پائی جاتی ہے۔ کیوں کہ محتاج اور مظلوم کی حاجت روائی کرنا اس قدر دشوار نہیں ہے جس قدر کہ طاقت ور کے مقابلے میں کھڑے ہو جانا اور اس کا غصہ مول لینے کی جرأت کرنا۔

خلاصہ یہ کہ ایسے بحث و تبصرہ سے بھی یہ امر سہل نہیں معلوم ہوتا کہ ان دونوں کے اوصاف کا صحیح فرق ثابت اور ان میں سے کسی ایک کی ترجیح کا فیصلہ کیا جائے۔ پس کیا اس باب میں یہ فیصلہ کچھ نامنصفانہ نہ ہوگا کہ ہم جنگی مہارت اور سپہ سالاری کا تاج تو یونان کو لے جانے دیں اور انصاف و رحم دلی میں رومی کی فضیلت تسلیم کریں؟

پائی روس

بعض اہلِ تاریخ کا قول ہے کہ تس پروتی اور ملوسی قوموں میں طوفانِ کبیر کے بعد پہلا بادشاہ فتون ہوا ہے اور وہ پلاس گوس کے ساتھ علاقۂ اپی دوس (یونان) میں آیا تھا۔ ایک اور قول یہ ہے کہ دوکالیون اور پائی را نے دونا میں عطارد پرستی کو رواج دیا اور ملوسیوں میں رہنے سہنے لگے اور یہیں اکائی لس کے بیٹے نے نوآبادی بسائی اور ملک پہ قبضہ کر کے خاندانِ پائی ریہ کی بنیاد ڈالی کیوں کہ خود اس کا ایک نام پائی روس تھا اور اس کی جائز اولاد میں ایک بیوی لناسا سے ایک بیٹے کا بھی یہی نام رکھا گیا تھا۔ اس کی بہ دولت اکائی لس کا نام مقامی زبان میں اس تیوس[1] قرار پایا اور وہ دیوتاؤں میں شامل ہوا۔ ان ابتدائی بادشاہوں کے بعد ملک پہ ایسے لوگ قابض رہے جو تہذیب سے عاری اور بے حقیقت ہو گئے تھے، یہاں تک کہ تھاری پاس نے یونانی آداب و رسوم، بھلائی کے قانون اور علوم اپنی بستیوں میں جاری کیے اور اپنا نام یادگار چھوڑ گیا۔ اسی کا فرزند الکتاس ہوا جس کا بیٹا اری باس اور پوتا تروآس تھا جس کی ملکہ ایاگی دس سے تین بیٹیاں اور ایک

---

[1] عجب نہیں کہ یہ لفظ ایرانی ہیروز (: فیروز) کی یونانی شکل ہو مترجم

لڑکا پای روس پیدا ہوے۔ لیکن اسی زمانے میں حلوسی قوم میں خانہ جنگی ہونے لگی اور ایک فرقے نے حکومت کے لیے نیوپتولموس کے بیٹوں کو بُلا لیا۔ شیرخوار پای روس کی بھی مخالفین کو تلاش ہوی، لیکن اسے ان دروکلید اور ان جلوس چھپا کرسے بھاگے۔ ان کے ساتھ نوکر چاکر اور بچے کی انّا، ددا وغیرہ کئی عورتیں بھی تھیں جن کی وجہ سے راستہ جلدی طے نہ ہوسکتا تھا اور دشمن پیچھا کرتا ہوا چلا آتا تھا۔ آخر مجبور ہوکر انھوں نے بچے کو تین وفادار جوانوں کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ وہ شہر مگادا کی طرف آگے روانہ ہوں اور خود تعاقب کرنے والوں کو کچھ منت سماجت سے اور کچھ زور زبردستی سے شام تک روکا اور جب وہ لوگ واپس ہوگئے تو اپنی جماعت سے آملنے کے لیے خود بھی مگادا پہنچے۔ لیکن رات زیادہ آگئی تھی اور بستی میں پہنچنے کے لیے ایک ندی پار کرنی پڑتی تھی جس کو بارش نے ناقابلِ عبور بنا دیا تھا۔ یہ دیکھ کر انھیں بہت پریشانی ہوئی کہ بچّہ اور ساتھ کی عورتیں اُس جنگل میں رات کیوں کر گزاریں گی۔ اتنے میں ندی کے دوسری طرف چند دہقانی نظر آئے اور انھیں ان لوگوں نے مدد کے لیے پکارا اور شیرخوار پای روس کو بھی گود میں لے کر سامنے دکھایا۔ وہ دہقانی ندی کے شور میں ان کی بات نہ سمجھ سکے تب کسی کو خیال آیا اور اس نے ٹو کی چھال اُتار کر سوئے سے اس پر بچّے کا حال تحریر کیا اور اس چھال کو پتھر میں لپیٹ کر یا تیر میں چھید کر دوسری طرف پھینک دیا۔ جب اُدھر والوں نے اس پیغام کو پڑھا تو فوراً درختوں کو کاٹ کر اُن کے تنے ایک دوسرے کے دوسرے کے ساتھ باندھے اور اس ذریعے

سے ندی کے پار ہوکر پناہ گزینوں تک پہنچ گئے۔ اتفاق سے وہ شخص بھی جس نے پای روس کو گود میں لے کر ندی عبور کی، اکای لس ہی نام رکھتا تھا۔ باقی لوگوں کو دوسروں نے سہارا دے کر کنارے پر پہنچایا۔

اس طرح جب وہ دشمنوں کی دست رس سے صحیح سلامت نکل آئے تو الی دی قوم کے بادشاہ گلوکیپاس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بچے کو اس کے سامنے ڈال دیا۔ گلوکیپاس جانتا تھا کہ کساندر، ایاکی دس کا سخت دشمن ہے اور اس کے اندیشے سے وہ سوچ میں پڑ گیا۔ ابھی وہ کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ کہتے ہیں پائی روس گھٹنیاں چلتے چلتے خود بادشاہ کے قریب پہنچ گیا اور اس کا جُبّہ پکڑ کر اس کے گھٹنے تک ہاتھ لے آیا جس پر پہلے تو سب کو ہنسی آئی اور پھر ترس آیا کہ گویا وہ معصوم بچّہ خود بھی مدد کی التجا کر رہا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ پای روس قربان گاہ کا سہارا لے کر سیدھا کھڑا ہوگیا تھا، جسے شاہ گلوکیاس نے نیک شگون سمجھا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اسے بھی اپنے بچّوں کے ساتھ پرورش کرے۔ پھر دشمنوں کی طرف سے اس کا مطالبہ ہُوا اور کساندر نے دو سو ٹیلنٹ سونا معاوضے میں پیش کیا، تب بھی گلوکیاس نے بچّے کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا بلکہ جب وہ بارہ سال کا ہوگیا تو فوج لے کر خود اس کے ساتھ گیا اور اسے ایپی روس کا بادشاہ بنا کر واپس ہُوا۔ پای روس کے چہرے پر شاہی عظمت و شان کی بجائے خوف کی علامتیں زیادہ نمایاں تھیں اور اوپر کے دانت بھی الگ الگ نہیں تھے بلکہ ایک ہی سالم ہڈی کی

شکل میں تھے اگرچہ اس ہڈی پر لکیریں اسی طرح پڑی ہوئی تھیں جس طرح دانتوں کی تقسیم سے بن جاتی ہیں ۔ ایک عام عقیدہ یہ تھا کہ وہ سفید مرغ کی قربانی کر کے دائیں پاؤں سے کسی کی تلی دبائے تو طحال کے مریض کو شفا ہو جاتی تھی اور وہ ہر شخص کا ، خواہ کیسا ہی غریب ہو ، علاج کرنے کے لیے تیار رہتا تھا بلکہ سفید مرغ قربانی کے لیے لایا جاتا تو اُسے تحفہ سمجھ کر بہت خوش ہوتا تھا ۔ کہتے ہیں اس کے پاؤں کے انگوٹھے میں یہ خدا داد قوت تھی اور جب وہ مرا اور لاش جلائی گئی تو اس کا سارا جسم جل گیا مگر یہ انگوٹھا نہیں جلا اور ویسا کا ویسا سالم رہا ۔ لیکن اس کی موت کا حال اپنی جگہ ہم آگے چل کر لکھیں گے ۔

جب اُس کی عمر سترہ برس کی ہوئی اور حکومت بھی بہ ظاہر پوری طرح جم گئی تو وہ شاہ گلوکیاس کے ایک بیٹے کی شادی میں شرکت کے لیے گیا جس کے ساتھ اس کی پرورش ہوئی تھی ۔ لیکن اس کی غیر حاضری میں مُلوسیوں نے پھر بغاوت کی اور اس کے گروہ کو نکال باہر کیا اور نیوپتولموس کی اطاعت قبول کر لی ۔ پائی روس ملک نکل جانے پر بالکل بے سر و سامان رہ گیا تھا لہٰذا اس نے اپنے بہنوئی دِمِتریوس پسر انتی گونس سے مدد کی درخواست کی ۔ پھر اپ سوس کے میدان میں ، جہاں بہت سے بادشاہ لڑ چکے ہیں ، مقابلہ ہُوا تو پائی روس بھی دِمِتریوس کے پہلو بہ پہلو لڑا اور کم عمری کے باوجود جو لوگ اس کے مقابلے میں آئے انھیں مار بھگایا اور جواں مردی میں تمام سپاہیوں پر فوق لے گیا ۔ کچھ مدت بعد جب دِمِتریوس کا ستارہ زوال میں آیا تو اس وقت

پای روس نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا بلکہ یونان کے جو شہر اُس کے حصّے میں آئے تھے انھیں دِمِت رِیوس کے واسطے محفوظ کر لیا اور چوں کہ بطلیموس شاہ مصر نے دِمِت رِیوس سے اس قسم کی شرط بھی کی تھی، لہٰذا وہ خود اُس کی طرف سے یرغمال بن کر مصر گیا اور وہاں شکار اور دوسری مردانہ ورزشوں میں بطلیموس کو اپنی جرأت و قوت کے جوہر دکھائے۔ مصر میں پای روس نے یہ دیکھ کر کہ شاہ بطلیموس کی سب بیویوں میں برنی کہ زیادہ رسوخ رکھتی ہے اور اپنی نیکی اور فراست کے باعث سب سے بڑھ کر محترم ہے، خود بھی اس کی زیادہ خدمت عظمت کی۔ اس نوجوان کو بڑے بڑے لوگوں کو اپنا لینے کا ہُنر خوب آتا تھا اور اس کے ساتھ کم تر درجے کے لوگوں کو وہ بے تأمّل نظر انداز کر دیا کرتا تھا۔ پھر باتمیز اور نیک چلن ہونے کی وجہ سے بھی دربارِ مصر میں اُن دنوں جس قدر امیر زادے تھے، ان سب میں وہی اس قابل قرار پایا کہ برنی کہ کی ایک بیٹی انتی گون اس کو بیاہ دی جائے۔ جو اس کے سابق شوہر فی لپ کے صُلب سے تھی۔

اشادی نے پای روس کا رُتبہ بڑھا دیا۔ بیوی بھی بہت اچھی ملی اور اب اُس نے رُپیہ فراہم کر کے ایک فوج تیار کر لی اور ایسی تدبیریں کیں کہ اسے اپی روس جانے کی اجازت مل گئی جہاں نیوپتولموس کی مطلق العنانی اور تعدی آمیز حکومت نے بہت لوگوں کو بیزار کر رکھا تھا اور وہ سب پای روس کے آنے سے خوش ہوئے۔ لیکن پای روس کو خوف تھا کہ کہیں نیوپتولم ہمسایہ بادشاہوں سے اتحاد نہ کر لے، لہٰذا

اُس نے خود ہی اس امیر کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کر لیا اور اُس کے شریک حکومت رہنے پر رضامند ہو گیا لیکن یہ صورت زیادہ عرصے نہ نبھ سکی۔ بعض لوگوں نے ان دونوں میں خفیہ رشک و رقابت کی آگ بھڑکائی اور اس کا بڑا سبب جس نے پای روس کو مشتعل کیا، حسب ذیل ہوا :۔

وہاں رسم تھی کہ ملوسی قوم کے علاقے میں بہ مقام پیسارو، بادشاہ وقت مریخ دیوتا کی نذر نیاز ادا کرتا اور پھر اہل اپی روس کے ساتھ عہد و پیمان کی تجدید کرتا تھا کہ قانون کے مطابق حکومت کرے گا اور یہ لوگ حکومت کو قائم رکھیں گے۔ اب بھی یہ رسم دونوں بادشاہوں کی موجودگی میں ادا ہوئی اور اس تقریب پر اُن کے احباب نے دونوں کو تحائف پیش کیے۔ انھی میں نیوپتولمس کے ایک دوست جلو نے ایک جوڑی بیلوں کی پای روس کی نذر کی۔ اُس کا ساقی میرتی لوس وہیں کھڑا تھا، اُس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ یہ جوڑی مجھے عنایت ہو مگر پای روس نے اس کی بجائے کسی اور کو یہ بیل دے دیے جس پر میرتی لوس نے بہت بُرا مانا۔ جلو نے اس بات کا اندازہ کر لیا اور میرتی لوس کو اپنے ہاں دعوت میں بُلا کر اُس کی شراب خواری اور سیاہ مستی کے عالم میں گفتگو شروع کی اور اُسے بہکایا کہ نیوپتولموس کا ساتھی بن جائے اور پای روس کو شراب میں زہر دے کر ہلاک کر دے۔ میرتی لوس نے ظاہر میں تو اس تجویز کو پسند کیا لیکن علاحدہ پای روس کو خبر دے دی اور اسی کے حکم سے جلو سے کہا کہ یہ کام الکسی کرات سے لیا جائے جو پای روس کا داروغۂ شراب خانہ تھا۔ پای روس کا مطلب یہ تھا کہ اس تدبیر سے جلو کی سازش کے اور گواہ بھی ہو جائیں۔

چناں چہ جلو دھوکے میں آگیا اور خود نیوپتولموس بھی اس دھوکے میں رہا کہ سازش کام یاب ہو رہی ہے بلکہ خوشی سے ایسا بے قابو ہوا کہ ایک دفعہ اپنے دوستوں میں اس کا ذکر کیا اور ایک دفعہ اور اپنی بہن کی دعوت میں کھلے بندوں یہ باتیں کرنے لگا اور سمجھا کہ کوئی غیر اُس کی بات نہیں سُن رہا ہے۔ فی الواقع وہاں کوئی غیر شخص نہ تھا لیکن اس کے گلّہ بان سالمون کی بیوی فنارستہ البتہ دیوار کی طرف مُنہ کیے اس طرح لیٹی تھی جیسے کوئی سوتا ہو۔ مگر وہ جاگ رہی تھی اور اس نے ساری بات سُن کر دوسرے ہی دن پای روس کی بیوی انتی گون کو سب قصہ جا سُنایا جو نیوپتولم اپنی بہن سے کہہ رہا تھا۔ پای روس نے سارا حال سمجھ کر اس وقت تو کچھ نہیں کہا مگر ایک قربانی کے دن نیوپتولموس کو دعوت دی اور قتل کر ڈالا کیوں کہ اب اُس کی سازش کا یقین ہو گیا تھا اور وہ حق بہ جانب تھا کہ دشمن کے حملے سے پہلے اس پر خود وار کرے۔ اہل اپی روس کی نسبت اُسے پہلے ہی اطمینان تھا کہ وہ اُس کے دوست ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ حکومت میں محض حصے دار بن کر رہنے کی بجائے نیوپتولموس کا قصہ چُکائے اور پھر اپنے حوصلوں کے مطابق حکومت کرے۔

شاہ بطلیموس اور ملکہ برنی کہ کے اعزاز میں پای روس نے اپنے فرزند کا نام پتولمی =بطلیموس) رکھا اور ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی جسے برنی کیس موسوم کیا۔ پھر اُس نے بڑے بڑے منصوبے باندھنے شروع کیے لیکن سب سے پہلے اس کی نظر اپنے قریب کے ملک پر تھی اور مقدونیہ کے معاملات میں دخل دینے کا

ایک حیلہ بھی پیدا ہو گیا کہ وہاں کے شہزادے انتی پاتر نے اپنی ماں کو قتل اور بھائی الک زندر کو خارج البلد کر دیا۔ الک زندر نے دمِست ریوس سے مدد کی التجا کی اور پائی روس کو مدد کے لیے بُلایا۔ دمِست ریوس کو بہت سے کام درپیش تھے اس لیے آنے میں دیر ہوئی اور پائی روس پہلے جا پہنچا اور اپنی امداد کے عوض میں خود مقدونیہ کے دو ضلعے اور تین مفتوحہ شہر طلب کیے۔ وہ نوجوان شہزادہ رضامند ہو گیا تو پائی روس نے ان مقامات میں اپنی سپاہ متعین کی اور پھر مقدونیہ کے دوسرے اضلاع کو الک زندر کے واسطے تسخیر کرنا شروع کیا۔ اُس کے بھائی انتی پاتر کو لائی سی ماک نے مدد بھیجنے کا قصد کیا لیکن دوسرے کاموں میں اُلجھے ہونے کی وجہ سے فوج نہ لا سکا تو یہ سوچ کر کہ پائی روس بطلی موس کی بات رد نہیں کرے گا، اُس کی طرف سے جعلی خط پائی روس کے نام لکھے جن میں خواہش کی گئی تھی کہ انتی پاتر سے تین سو ٹیلنٹ لے کر اس مہم سے ہاتھ اُٹھا لیا جائے۔ مگر پائی روس نے پہلا خط کھولتے ہی لائی سی ماک کی جعل سازی معلوم کر لی کیوں کہ بطلی موس ہمیشہ اُسے "باپ سے بیٹے کو۔ صحت" کے الفاظ لکھتا تھا اور اس جعلی خط میں "شاہ بطلی موس کی طرف سے پائی روس بادشاہ کو۔ صحت" درج تھا۔ پائی روس نے لائی سی ماک کو سرزنش تو کی لیکن صلح پہ آمادہ ہو گیا اور یہ سب امیر ایک جگہ جمع ہوئے کہ قربانیاں کر کے حلفیہ صلح کا معاہدہ کریں۔ قربانی کے لیے بکری، ایک سانڈ اور ایک مینڈھا لائے گئے لیکن یکایک مینڈھا خود گر کے مر گیا۔ اور لوگ تو اس واقعے پر ہنسنے لگے لیکن

تھیودوتس کاہن نے پای روس کو حلف اٹھانے سے منع کیا اور کہا کہ یہ شگون ہے کہ تینوں بادشاہوں میں سے ایک مر جائے گا۔ چناں چہ پای روس نے صلح نامے کی توثیق کرنے سے انکار کر دیا۔

شہزادہ الک زندر کے معاملات سُلجھ گئے تھے کہ دِمِت رِیوس بھی آگیا حال آں کہ اب الک زندر اس کا خواہاں نہ تھا بلکہ اس کی طرف سے اندیشہ مند تھا جیسا کہ جلد ہی ظاہر ہوگیا۔ وہ چند روز ساتھ رہے تھے کہ باہمی رشک سے ایک دوسرے کے خلاف ساز باز کرنے لگے حتےٰ کہ دِمِت رِیوس نے موقع پاکر اُسے قتل کر دیا اور مقدونیہ میں اپنی بادشاہی کا اعلان کیا۔ پای روس کے ساتھ پہلے بھی اس کی اچھی مفاہمت نہ تھی اور تھسالیہ میں اس کی دست درازیوں کے علاوہ بادشاہوں کی طبعی ہوسِ ملک گیری نے بھی ان دونوں کو آپس میں بدظن کر دیا تھا اور جب سے پای روس کی بہن کا انتقال ہوا، وہ اور بھی خطرناک ہمسایے بن گئے یہاں تک کہ مقدونیہ پر قبضہ کرنے کی خواہش نے انھیں باہم لڑا دیا۔ پہلا حملہ دِمِت رِیوس کی طرف سے ہُوا اور اُس نے اتولیہ والوں کو مغلوب کر کے وہاں پن تاوکوس کو معقول فوج کے ساتھ چھوڑا اور خود براہِ راست پای روس پر فوج کشی کی۔ ادھر پای روس بھی مقابلے کے لیے چلا لیکن راستوں میں بھول ہونے سے وہ تو پن تاوکوس پر چڑھ آیا اور دِمِت رِیوس نے اپی روس میں گھُس کر بہت سا علاقہ تاراج کر دیا۔ پای روس کی لڑائی اس کے سپہ سالار سے ہوئی اور دونوں کے سپاہی بہادری سے لڑے۔ سب سے سخت معرکہ وہاں پڑا، جہاں خود ر

تھے اور پن تاوکوس نے جو اپنی جسمانی قوت، پھرتی اور ہمت و جواں مردی میں دِمِت رِیوس کا سب سے اچھا سردار مانا ہوا تھا، پای روس کو ٹوک کر مقابلے میں بُلایا اور چوں کہ اسے بھی دعوا تھا کہ میں شجاعت و نام وری میں کسی بادشاہ سے کم نہیں اور سورما اکای لس، کا نہ صرف نسب میں بلکہ جرأت کی وجہ سے سچا جانشین ہوں لہٰذا صفوں سے نکل کر سامنے آیا۔ پہلے وہ بھالوں سے لڑتے رہے اس کے بعد بھڑ کر بڑی قوت اور ہُنر مندی سے تیغ زنی کرنے لگے۔ پای روس نے زخم کھایا لیکن جواب میں دو زخم ایک ران اور دوسرا گردن کے قریب لگایا اور دھکیل کر حریف کو گرا دیا مگر اس کے دوست مدد کو آپہنچے اور وہ قتل ہونے سے بچ گیا۔ پھر بھی اپی روس والوں نے اپنے بادشاہ کی فتح پر بڑی خوشی منائی اور اسی جوش میں مقدونیہ کے پیوستہ پرے میں گھُس کر اس کے ٹکڑے کر دیے۔ اِن کے بھاگتے میں ہزاروں کو مارا اور پانچ ہزار آدمی اسیر کر لیے۔

مگر اس شکست اور سخت نقصان سے مقدونیہ والوں کو اتنا زیادہ غصہ نہیں آیا نہ پای روس سے نفرت پیدا ہوئی جتنا اس کی ہمت و شجاعت کا احترام دلوں میں جاگزیں ہُوا کیوں کہ وہ لوگ جو شریکِ جنگ تھے، اس کے کارہائے نمایاں کو جگہ جگہ بیان کرتے پھرتے تھے۔ اُن کے ذہن میں وہ شکل و صورت، اور حرکات سکنات میں سکندرِ اعظم سے مشابہ تھا اور لڑائی میں ایسی قوت و سُرعت سے لڑتا تھا کہ اسی نام وَر فاتح کی تصویر نظر آتا تھا۔ دوسرے بادشاہ محض خدم حشم اور عبا، قبا یا گردن موڑ کے نخوت سے بات کرنے

میں سکندر کے مقلد تھے لیکن جنگ جوئی اور سپہ گری میں صرف پائی روس اس کا جانشین معلوم ہوتا تھا ۔ طریق جنگ اور فن سپہ سالاری میں اس کی مہارت کی بہترین شہادت اُن تشریحات میں ملتی ہو جو وہ اپنی یادگار چھوڑ گیا ہو ۔ انتی گونس سے سوال کیا گیا تھا کہ سب سے اعلا سپاہی کون ہو ، تو سُنا ہو ، اس نے بھی یہی کہا کہ "پائی روس ، اگر وہ بڑی عمر تک زندہ رہے"! اس نے یہ رائے اپنے زمانے کے متعلق دی تھی ۔ لیکن ہنی بال تمام بڑے سپہ سالاروں میں بہ لحاظ سلیقۂ جنگ و سپہ داری پائی روس کو سب سے اوّل ، سی پیو کو دوم اور اپنے آپ کو تیسرا درجہ دیتا تھا جیسا کہ سی پیو کی سوانح میں ہم نے بیان کیا ہو ۔ حقیقت یہ ہو کہ پائی روس نے اپنا تمام دماغ و حکمت ، اسی فن کو بنا لیا تھا جسے وہ اصنافِ علم و ہنر میں بادشاہوں کے لیے سب سے موزوں سمجھتا تھا اور دوسرے کمالات کی کچھ وقعت نہ کرتا تھا ۔ کہتے ہیں کسی دعوت میں اس سے سوال کیا گیا کہ پائی تھون اور کافی سیاس میں بہتر مطرب کسے سمجھتے ہو تو اس نے جواب دیا کہ "سب سے اچھا سپاہی پولی سپرخُن ہو!" گویا بادشاہوں کو صرف یہی باتیں جاننا زیب دیتا تھا ۔

اپنے جاننے والوں کے ساتھ پائی روس کا برتاؤ نرمی کا تھا اور وہ آسانی سے غصے میں نہ آتا تھا ۔ مہربانی کا بدلہ ذوق شوق بلکہ شدت کے ساتھ دیتا ۔ چناں چہ ای روپوس مرا تو وہ بہت بے قرار ہوا اور کہنے لگا کہ موت طبعی شے ہو ، اس پر مجھے اتنا رنج نہیں جتنا اس بات پر کہ میں جیتے جی اُس کی مہربانی کا عوض نہ دے سکا

اور تاخیر کرتا رہا۔" اور سچ یہ ہے کہ ہم اپنے قرضے تو قرض خواہ کی اولاد کو ادا کر سکتے ہیں لیکن کسی کے احسان کا اس کی حالت شعور میں اعتراف نہ کر سکنا شریف طبائع کو بہت گراں گزرتا ہے۔

کسی شخص نے پای روس کی نسبت بہت بدزبانی کی اور بعضوں کی رائے میں خاطی اس قابل تھا کہ خارج البلد کر دیا جائے۔ لیکن پای روس نے کہا "بہتر ہے کہ وہ یہاں چند آدمیوں کے سامنے ہمارے خلاف بولتا رہے۔ بہ نسبت اس کے کہ جگہ جگہ بہت سے لوگوں میں جا کے بُرائی کرے۔" اسی طرح ایک دفعہ شراب خواری کے جلسے میں بعض لوگوں نے اس پہ حرف زنی کی اور اُس نے اُن سے دریافت کیا کہ کیا واقع میں انھوں نے اس کی نسبت یہ الفاظ کہے تھے تو ایک شخص نے جواب میں عرض کیا کہ "حضور، یہ سب الفاظ ہم نے کہے تھے اور اگر اور شراب ملتی تو اور زیادہ کہتے" تو پای روس ہنسا اور ان سب کو معاف کر دیا۔

انتی گون کی وفات کے بعد اس نے کئی شادیاں کیں کہ تعلقات اور اقتدار بڑھے۔ ان میں ایک شاہِ پیونیہ کی، ایک شاہ الِ ریہ کی اور ایک سیراکیوز کے امیر اگاتوکلیس کی بیٹی تھی جس کے جہیز میں اُسے کُرکای را کا شہر ملا کیوں کہ اگاتوکلیس نے اسے فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کر لیا تھا۔ انتی گون سے اس کا بیٹا بطلی موس (= پٹولمی) اور دوسری بیویوں سے الکزنڈر و ہیلی نوس پیدا ہوئے اور ان تینوں کو بچپن سے اس نے ایسی جنگی تعلیم دی کہ بڑے ہو کر نہایت جنگ جُو اور پُر جوش جوان نکلے۔ کہتے ہیں

ان میں ایک نے لڑکپن میں باپ سے پوچھا کہ اپنا مُلک کسے دوگے، تو پای روس نے کہا "اُسے جس کی تلوار سب سے تیز ہو" یہ قول اِدی پوس کی بددعا سے بہت ملتا ہو جو اُس نے اپنے بچّوں کو دی تھی کہ :

"جاؤ، قرعے سے نہیں، تیغ سے
تقسیم کرو اپنی وراثت، جاؤ!"

دُنیا کی حرص و ہوس کا خاصہ یہی ہو کہ وہ انسانیت سے عاری اور درندوں کی مثل ہوتی ہو۔

مذکورہ بالا فتح کے بعد پای روس وطن واپس آیا اور شُہرت و نام وری کا لُطف اٹھاتا رہا۔ اپی روس والوں نے اسے عقاب کا لقب دیا تو اُس نے اُن سے کہا "ہاں۔ تمھاری یہ دولت میں عقاب ہوگیا ہوں۔ اور جب تمھارے زورِ بازو میرے پروں کو قوت دیتے رہیں، تو میں عقاب کیوں نہ ہوں؟" لیکن تھوڑے ہی دن بعد یہ سُن کر کہ دِمت رِیوس سخت بیمار ہو، وہ مقدونیہ میں جا گھسا اور اگرچہ محض تاخت کے ارادے سے گیا تھا مگر قریب تھا کہ سارے مُلک پر لڑے بغیر ہی اس کا قبضہ ہو جائے کیوں کہ شہر دوی سہ تک وہ بڑھ گیا اور کسی نے مزاحمت نہ کی بلکہ ہزاروں سپاہی دشمن کی فوج سے ٹوٹ کر اس کے پاس آگئے۔ اس خطرے نے دِمت رِیوس کو اپنی علالت کے باوجود سخت بر افروختہ کیا اور اس کے دوستوں اور سرداروں نے چند ہی روز میں معقول فوج فراہم کرکے پای روس پر حملہ کیا۔ وہ محض تاخت

تاراج کی غرض سے آیا تھا لہٰذا میدان میں جم کر نہیں لڑا اور پسپائی میں اہلِ مقدونیہ نے تعاقب کر کے اس کے لشکر کا ایک حصہ کاٹ ڈالا۔ مگر اتنی آسانی سے فتح پانے اور مُلک سے نکال دینے کے باوجود دِمِٹ رِیوس نے اسے حقیر نہیں سمجھا بلکہ اس منصوبے کو پورا کرنے کے لیے کہ اپنے باپ کی پوری سلطنت واپس لے، ایک طرف تو اُس نے ایک لاکھ کا لشکر اور پانسو جنگی جہاز جمع کیے اور دوسری طرف پائی روس کے ساتھ صلح پہ آمادگی ظاہر کی کہ اُس سے لڑنے کی نہ فرصت تھی نہ ایسے جنگ جو ہمسایے کو برسرِ پیکار چھوڑنا مناسب تھا۔ اور اس طرف سے اطمینان ہونے کے بعد ہی وہ دوسرے بادشاہوں سے تیغ آزمائی کر سکتا تھا۔ صلح کی شرطیں طے ہو گئی تھیں لیکن دِمِٹ رِیوس کے ارادے اس کی وسیع تیاریوں کے باعث سب پہ ظاہر ہو گئے اور اب دوسرے بادشاہوں نے اندیشہ مند ہو کر پائی روس کے پاس خط اور سفیر بھیجے کہ تعجب ہے وہ اپنے موقع کو ہاتھ سے دے رہا ہے کہ دِمِٹ رِیوس کو خود اُس پہ حملہ کرنے کا موقع مل جائے کیوں کہ دوسری مصروفیت اور تیاریوں کے باوصف جب اُس نے پائی روس کو مقدونیہ سے نکال دیا تو فرصت اور زیادہ قوت پا کر اس کا اپی روس پر فوج کشی کرنا کیا بعید ہے۔ اور ایسا ہوا تو پائی روس کو اپنے مندر اور ہڑواڑیاں بچانے کے لیے لڑنا پڑے گا۔ یہ بات اس سے اور بھی قرینِ قیاس تھی کہ اُنھی دنوں دِمِٹ رِیوس ہی کی وساطت سے وہ اپنی ایک بیوی اور قریہ، کُرکائی را سے محروم ہو چکا تھا۔ کیوں کہ اگاتوکلیس

کی بیٹی پای روس کو غیر یونانی بیویوں کی طرف زیادہ مائل دیکھ کر ناراض ہوئی اور کُرکای دا آ کر کسی اور اور بادشاہ سے شادی کی فکر میں ہُوی تو یہ سمجھ کر کہ دِمِت ری ہی اور بادشاہوں کی نسبت شادیاں کرنے پر زیادہ تیار رہتا ہے، اسے پیام بھیجا اور وہ جہاز میں کُرکای دا پہنچا اور لناسا (بنت اگاتوکلیس) سے شادی کر کے شہر میں اپنی فوج متعین کر گیا تھا۔ غرض اِن بادشاہوں نے جہاں دِمِت ری کی جنگی تیاریوں میں طرح طرح سے رخنے ڈالے، وہاں پای روس کو بھی یہ خط لکھے۔ اُدھر بطلیموس شاہِ مصر ایک بڑا بیڑا لے کر آیا اور کئی یونانی شہروں کے سامنے لنگر ڈالے پڑا رہا۔ لای سی ماک (شاہِ تراکیہ) بھی اپنے ملک سے نکلا اور شمالی مقدونیہ کو پامال کر گیا۔ اسی موقع پر پای روس نے ہتھیار سنبھالے اور یہ سمجھ کر کہ دِمِت ری یس لای سی ماک کے مقابلے میں فوج لے گیا ہوگا، بریا (جنوبی مقدونیہ) پر فوج کشی کی۔ اسی رات اس کو خواب میں معلوم ہوا کہ سکندرِ اعظم اُسے بلاتا ہے اور جب وہ اُس کے پاس گیا تو سکندر کو بسترِ علالت پر پڑے دیکھا مگر اس بادشاہ نے پای روس کی بہت خاطر تواضع کی اور پُر جوش امداد کا وعدہ کیا۔ پای روس نے جواب میں یہ عرض کرنے کی جرأت کی کہ ”حضور، بیمار ہیں، میری مدد کس طرح کر سکتے ہیں؟“ اُس نے کہا ”اپنے نام سے“ اور پھر ایسا معلوم ہوا کہ اپنے مشہور نِی ذیای گھوڑے پر سوار ہو کر آگے آگے چل رہا ہے۔ اس خواب نے پای روس کی بہت ہمت بڑھا دی اور وہ بڑی بڑی منزلیں مارتا ہوا گرد و پیش کے علاقوں کو فتح کرتا ہوا بریا پہنچ گیا۔ اس شہر کو

لے کر اس نے اپنا مستقر بنایا اور یہیں سے اپنے سرداروں کو آگے بھیج کر باقی علاقہ فتح کیا۔ دِمت ریوس کو یہ خبریں ملیں اور ساتھ ہی اندازہ ہُوا کہ مقدونی سپاہ بغاوت پر آمادہ ہے تو وہ تھریس (تراکیہ) کی طرف بڑھنے سے رُک گیا۔ کیوں کہ لای سی ماک مقدونی قوم کا بڑا نامی بادشاہ تھا اور ڈر تھا کہ دِمت ری کے مقدونی سپاہی اُدھر جا ملیں گے۔ پس اُدھر سے مُڑ کر وہ سیدھا پای روس کی طرف چلا جو غیر شخص تھا اور مقدونیہ والے اس کے دشمن تھے۔ لیکن جب وہاں پہنچا اور بِریا کے سامنے پڑاؤ ڈالے پڑا تھا تو جو لوگ اس شہر سے آئے، اُنھوں نے پای روس کی شجاعت و جنگ جوئی کی بے حد تعریف کی اور یہ بھی کہا کہ وہ اپنے قیدیوں کے ساتھ بہت مہربانی اور انسانیت کا برتاؤ کرتا ہے۔ اِن میں بعض آدمیوں کو خود پای روس نے خفیہ طور پر بھیجا تھا اور وہ مقدونی بن کر فوج کو اغوا کر رہے تھے کہ دِمت ری کے سخت پنجے سے نکلنے کے لیے یہی وقت ہے کہ اسے چھوڑ کر پای روس کی طرف آجائیں جو بہت فیاض اور سپاہی دوست امیر ہے۔ اِن ریشہ دوانیوں سے فوج میں خاصا اضطراب پیدا ہوگیا تھا اور بعض سپاہی ہر طرف جا جا کے پای روس کا حال دریافت کرتے پھرتے تھے۔ اتفاق سے وہ بھی اُدھر آیا لیکن اپنا خود پہنے ہوئے نہ تھا اور یہ معلوم کر کے کہ مقدونی سپاہی اُسے نہیں پہچان سکے، اس نے پھر خود اوڑھ لیا جس پر اونچی کلغی اور بکری کے سینگ لگے ہوئے تھے، تب اہلِ مقدونیہ دوڑ دوڑ کر اس کے پاس آئے اور اس کے سپاہیوں کا قول ”ذلپول“ پوچھنے لگے بلکہ بعض نے تو

اُس کے ساتھی سپاہیوں کی دیکھا دیکھی برگد کی شاخیں اپنے سر پر رکھ لیں۔ دِمِتریُوس کو بھی بعض لوگوں نے خلوت میں مشورہ دیا کہ مناسب یہی ہے کہ وہ حکومت سے دست بردار ہو جائے اور فوج کو بغاوت پر آمادہ دیکھ کر اُسے بھی یہ مشورہ دُرست نظر آیا۔ بس ایک چوڑی ٹوپی اور معمولی سپاہی کا کوٹ پہن کر وہ اسی بھیس میں چپکے سے نکل گیا۔ ساری فوج بغیر لڑے پای روس کی مطیع ہو گئی اور اس کے تاج دار مقدونیہ بن جانے کا اعلان کر دیا گیا۔ مگر اسی موقع پر لای سی مک وہاں پہنچا اور دعوا کیا کہ دِمِتری کی شکست میں اُس کا بھی حصہ ہے لہذا مُلک مساوی تقسیم ہونا چاہیے۔ پای روس کو ابھی تک مقدونیہ والوں پر پورا بھروسا نہ تھا اس لیے وہ اِن تجاویز کو مان گیا اور مُلک اور مواضع کی تقسیم کر دی گئی جس سے سردست لڑائی ٹل گئی۔ لیکن آگے چل کر ثابت ہُوا کہ یہ شراکت ہی تصفیے کی بجائے نئے نئے جھگڑوں کا باعث تھی۔ ایسے لوگ جن کی ہوس کو کوہ و دشت اور سمندر محدود نہیں کر سکتے اور نہ یورپ و ایشیا کی فاصل حدود اُن کی حرص و آرزو کی روک ہو سکتی ہیں، بھلا ایک دوسرے سے اتنے قریب ہو کر کس طرح دراز دستی سے باہر رہ سکتے ہیں۔ جنگ کرنا اور حسد و دشمنی سے دوسرے پر غلبہ حاصل کرنا، ان کی فطرت ہے اور صلح و جنگ محض دو لفظ ہیں جن سے یہ سکۂ رائج الوقت کی طرح ضرورت کے وقت کام لیتے ہیں۔ حق و انصاف کے لیے نہیں بلکہ محض وقتی اغراض کے واسطے۔ پس لڑائی کرنے میں وہ زیادہ سچے اور اچھے آدمی ہوتے ہیں، بہ نسبت اس کے جب کہ محض موقع نہ ملنے کے سبب جنگ سے باز رہیں اور زیادتی نہ کر سکنے کو دوستی

اور انصاف کے برگزیدہ ناموں سے آلودہ کریں۔ اس کی ایک مثال پائی روس تھا کہ دِمِت رِی کو اس طرح دوبارہ قوت پانے سے، جیسے کسی بیمار کی صحت عَود کر آتی ہے، اُس نے روکنا چاہا اور دمت رِی کے خلاف یونانیوں کی امداد کے سلسلے میں ایتھنز تک آیا جہاں قلعہ (اک روپوس) پر چڑھ کر اُس نے ایتھنا دیوی کے نام کی قربانی کی اور اسی دن نیچے اُتر کر اہلِ ایتھنز کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اس کے ساتھ ایسی عنایت اور اعتماد سے پیش آئے لیکن انھیں نصیحت کی کہ اگر وہ دانش مند ہیں تو آیندہ کسی بادشاہ کو وہاں نہ آنے دیں گے اور شہر کے پھاٹک اس کے لیے نہ کھولیں گے۔ اس نے دِمِت رِیوس کے ساتھ صلح بھی کر لی تھی مگر جب وہ ایشیا میں چلا گیا تو پائی روس نے تھسالیہ والوں کو بغاوت پر بھڑکایا اور دِمِت رِی کے یونانی شہروں کو جا گھیرا کیوں کہ اس کو نظر آیا کہ مقدونی سپاہ امن کی نسبت حالتِ جنگ ہی میں زیادہ وفادار رہتی ہے اور خود اس کا میلان بھی امن و قرار کی طرف نہ تھا۔ بہر حال جب دِمِت رِیوس کو مُلک شام میں سخت شکست ہوئی تو لای سی ماک جسے اب فرصت مل گئی تھی، ساری فوج سے پائی روس پر پلٹ پڑا جو اُن دنوں ادیسہ میں مقیم تھا۔ لای سی ماک نے پہلے تو اُس کی رسد کا قافلہ لوٹ لیا جس سے پائی روس کے لشکر میں سامانِ خوردنی کا قحط پڑ گیا اور پھر خفیہ خطوط اور نیز افواہیں پھیلا کر بڑے بڑے مقدونی سرداروں کو اغوا کیا اور ملامت کی کہ وہ ایک اجنبی کے نوکر ہو گئے حال آں کہ آج اس کے (یعنی پائی روس کے) اجداد خود اہلِ مقدونیہ کے نوکر تھے۔ اور اب وہی شہزادہ الگزینڈر

کے قدیم دوستوں آشناؤں کو ملک سے نکالے دے رہے ہیں - اس طرح مقدونی سپاہ متاثر ہوگئی تو پائی روس اٹھی اور کمکی افواج لے کر واپس چلا گیا اور جس طرح ملک مقدونیہ پر قبضہ کیا تھا، اسی طرح اس سے دست بردار ہوگیا - ان واقعات سے ظاہر ہے کہ بادشاہوں کا جمہوری حکومتوں کو نام دھرنا کہ وہ جس طرف فائدہ دیکھتی ہیں، اسی طرف جھک جاتی ہیں، کوئی معنی نہیں رکھتا کیوں کہ اس باب میں وہ درحقیقت انھی بادشاہوں کی تقلید کرتی ہیں جو بے وفائی اور غداری میں اُن کے اُستاد ہیں اور جن کے نزدیک سب سے عاقل ہی وہ شخص ہے جو دیانت کی سب سے کم پروا کرتا ہے -

جب پائی روس مقدونیہ کو چھوڑ کر اپی روس میں چلا آیا تو قسمت نے اُسے امن و امان سے زندگی گزارنے اور اپنی رعایا پر حکومت کرنے کا موقع دیا لیکن بھلا وہ شخص جو دوسروں کو ستانے یا خود ستائے جانے کے بغیر زندگی کو بے مزا اور مکروہ جانتا ہو، اکامی لس کی طرح چین سے کب بیٹھ سکتا ہے - جو

"افسردہ و شست رہتا تھا، ان امیدوں میں
کب نعرۂ جنگ ہو بلند، کب تیغ چلے ۔ ۔ ۔"

غرض پائی روس نے بھی نئے ہنگامۂ فساد کا شوق پورا کرنے کے لیے یہ حیلہ نکالا کہ شہر تارن تم کی استدعا قبول کر لی جن سے اُن دنوں رومہ والوں کی جنگ ٹھنی ہوئی تھی - تارن تم والے جنگ کی قوت نہ رکھتے تھے - لیکن اپنے بازاری مقرروں کی حماقت و شرارت کے باعث صلح پر بھی آمادہ نہ ہوتے تھے۔ پس اُنھوں نے

تھا، اپنا قائد جنگ تجویز کیا۔ ہوش مند اور متین شہریوں نے مخالفت بھی کی لیکن زیادہ تر عوام کے شور و تشدد کی وجہ سے ان کی بات نہ چلی اور یہ رنگ دیکھ کر بہت سے اہل الرائے نے خود ہی ان جلسوں میں شرکت سے گریز کیا۔ صرف ایک شخص میتون جو پرہیزگار آدمی تھا، عام فیصلے کی توثیق کے دن مجلس میں، جب کہ لوگ آ آکر بیٹھ رہے تھے، اس طرح ناچتا ہوا آیا جیسے کوئی نشے میں مست ہو۔ مرجھائے ہوئے پھولوں کا ہار گلے میں اور چھوٹا سا چراغ اس کے ہاتھ میں تھا۔ آگے آگے ایک عورت بانسری بجاتی ہوئی چل رہی تھی۔ اور چوں کہ ایسے بڑے مجمعوں میں تہذیب و متانت کا زیادہ پاس و لحاظ نہیں کیا جاتا، بعض لوگوں نے اس کی پیٹھ ٹھونکی، بعض نے قہقہے لگائے اور منع کرنے کی بجائے عورت سے بانسری بجانے اور اس سے گانے کی فرمائش کی۔ پھر جس وقت وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ ان کی تعمیل کرے گا، میتون نے یہ تقریر کی کہ "اے ٹارنٹم کے لوگو! تم بالکل حق بجانب ہو کہ جو شخص خوشی منانی چاہتا ہو، اسے جب تک تمھارا اختیار چلتا ہے، مطلق باز نہ رکھو کیوں کہ جس وقت پائی روس یہاں آجائے گا تو تم کو اپنی روش بدلنی اور دوسرے دانے پانی پر قناعت کرنی پڑے گی۔" ان الفاظ کا شہر والوں پر بہت اثر پڑا۔ اور پراگندہ آوازیں سنائی دیں کہ اس نے بڑے موقع کی بات کہی ہے۔ لیکن بعض لوگ جن کو خوف تھا کہ رومیوں سے صلح ہوئی تو خود ان کی خیر نہ ہوگی، مجمع پر برس پڑے کہ ایک شرابی کی بات

پر اتنی جلدی رائے بدل لی۔ اور اُنھوں نے مل کر مِنتون کو جلسے سے باہر دھکیل دیا۔ غرض اس طرح وہ تجویز منظور کی گئی اور پائی روس کو سفیر، نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اطالیہ کے تمام یونانیوں کی طرف سے روانہ کیے گئے کہ شاہ پائی روس کو تحائف پیش کریں اور گزارش کریں کہ انھیں ایک نامی اور آزمودہ کار سپہ سالار کی ضرورت ہی اور وہ خود اور تین دوسری یونانی آبادیوں سے پچیس ہزار پیادہ اور ساڑھے تین سو سوار فوج فراہم کردیں گے۔ اس پیام نے پائی روس کو نہ صرف مزید تحریک دی بلکہ مہم لے جانے کا مشتاق بنا دیا۔

پائی روس کے ساتھیوں میں ایک تھسالیہ کا باشندہ اور مشہور خطیب دِموس تھنیز کا شاگرد کی نیاس تھا، جو فراست کے ساتھ خوش بیانی میں اُس وقت مشہور تھا اور اپنے نامی استاد کی قوتِ خطابت کی یاد اس طرح تازہ کردیتا تھا جیسے کسی کی تصویر دیکھ کر ہو جاتی ہی۔ پائی روس نے اپنی طرف سے کئی شہروں میں اسے بھیجا تھا اور اُس نے یُوری پدیز کے اس قول کو سچ کر دکھایا تھا کہ ؎

"تلوار فتح مند کی کر جاتی ہی جو کام
الفاظ میں ہی زور کہ دیں وہ اُسے انجام"

خود پائی روس کہا کرتا تھا کہ کی نیاس نے اپنی تقریر سے جتنے شہر تسخیر کیے ہیں، میں شمشیر سے نہیں کر سکا ہوں۔ اور ہر اہم موقع پر از رہِ اعزاز اس سے کام لیتا تھا۔ اب جو کی نیاس نے دیکھا کہ پائی روس بڑے ذوق شوق سے اطالیہ کی تیاریاں کر رہا ہی تو ایک دن فرصت پاکر یہ گفتگو کی:

”کیوں حضور، کہا جاتا ہے کہ رومی بڑے لڑنے والے ہیں اور کئی جنگ جو قوموں کو مغلوب کر چکے ہیں۔ اب اگر خدا نے ہم کو اُن پر غالب کیا تو ہم اس فتح سے کیا کام لیں گے؟“

پائی روس نے کہا ”یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ رومیوں کو ہم نے زیر کر لیا تو پھر یونانی یا اجنبی کوئی طاقت ہمیں ساری اطالیہ پر قبضہ کرنے سے نہیں روک سکتی اور اطالیہ کی وسعت اور وسائل و قوت سے کوئی دوسرا ناواقف ہو تو ہو تُم لاعلمی ظاہر نہیں کر سکتے۔“

کی نیاس نے ذرا سوچ کر کہا ”اچھا، اطالیہ کو فتح کرنے کے بعد پھر ہم کیا کریں گے؟“

پائی روس ابھی تک اس کا منشا نہ پا سکا اور جواب میں بولا ”پھر، صقلیہ ہمارے لیے آغوش کھولے کھڑی ہے۔ آباد و شاداب، دولت سے لب ریز اور سہل الحصول! کیوں کہ جب سے اگاتوکلیس نے اسے چھوڑا، وہاں نفاق و شقاق کا اور عوام فریب مفسدوں کی بے لگام زیادتی کا بازار گرم ہے۔“

کی نیاس نے کہا ”آپ نے جو کچھ فرمایا، بہت قرین عقل ہے لیکن کیا صقلیہ کے قبضے سے جنگ ختم ہو جائے گی؟“

پائی روس نے کہا ”اگر خدا نے ہمیں اس میں فتح و کامیابی عطا کی تو ہم اُسے بزرگ تر فتوحات کا پیش خیمہ بنائیں گے۔ اتنے قریب پہنچ جانے کے بعد پھر قرطاجنہ اور لی بیہ کو لینے سے کون باز رہ سکتا ہے کہ اگاتوکلیس جب سیراکیوز سے فرار ہونے پر مجبور ہوا اور صرف چند جہاز لیے قرطاجنہ کے

سمندر سے گزر رہا تھا تو اس حالت میں بھی اس شہر کو اچانک فتح کرنے میں ذرا ہی کسر رہ گئی تھی۔ ان فتوحات کی ایک دفعہ تکمیل ہوگئی تو پھر کون شخص کہہ سکتا ہے کہ ہمارے دشمنوں میں سے جو اب ہمیں حقارت سے دیکھتے ہیں، کوئی بھی ہم سے آیندہ مقابلے کی جرات کرے گا؟"

کی نیاس نے تائید کی: "ہرگز نہیں۔ کیوں کہ پھر تو ظاہر ہے کہ اتنی بڑی قوت سے ہم جب چاہیں، مقدونیہ بلکہ سارے یونان کو فتح کر سکتے ہیں۔ اچھا، جب یہ سب ہمارے زیر نگیں ہو گئے تو پھر ہم کیا کریں گے؟" پای روس نے مسکرا کے جواب دیا "عزیز من، پھر ہم چین سے رہیں گے، دل بھر شراب پئیں گے اور مزے مزے کی باتوں سے دل بہلائیں گے۔"

کی نیاس جب سوال جواب کر کے اُسے یہاں تک لے آیا تو کہنے لگا: "کیوں حضور، ہم کو چین سے زندگی بسر کرنے سے اب کون روکتا ہے۔ کیوں کہ ہم اگر چاہیں تو وہ بات ہمیں اس وقت بھی حاصل ہے جسے ہم اس قدر کُشت و خون، محنت مشقت، جوکھوں اٹھانے اور خود مصیبت میں پڑنے اور دوسروں کو ڈالنے کے بعد حاصل کرنے کی فکر میں ہیں؟"

ایسی دلیلوں سے پای روس کو تشویش تو ضرور ہوتی تھی کہ موجودہ عیش و آرام چھوڑنا پڑے گا لیکن اپنی خواہشوں اور امیدوں سے ہاتھ اٹھا لینے کی اس میں طاقت نہ تھی لہذا یہ دلیلیں اس کا ارادہ نہ بدل سکتی تھیں۔

اوّل اُس نے تین ہزار جوانوں کے ہم راہ کی نیاس ہی کو تارن تم بھیجا ۔ پھر وہاں سے بہت سی چھوٹی کشتیاں باربرداری کے لیے اور سہ طبقہ جہاز آگئے تو بیس ہاتھی ، تین ہزار سوار ، بیس ہزار پیادہ ، دو ہزار تیر انداز اور پان سو فلاخن انداز کا لشکر ان میں چڑھا کر پوری تیاری کے ساتھ لنگر اٹھانے کا حکم دیا ۔ وہ آدھے راستے آئے تھے کہ موسم کے خلاف شمال سے تیز ہوا چلی اور انھیں دوسری طرف بہا لے گئی ۔ لیکن اپنے ناخدا اور ملّاحوں کی ہوشیاری اور استقلال کی بدولت بڑی مشقت کے بعد آخر وہ خلافِ توقع ساحل تک جا پہنچا ۔ باقی بیڑا اس کا ساتھ نہ دے سکا ۔ اور بعض جہاز تو ساحل اطالیہ سے بھٹک کر ہوا کے زور سے صقلیہ اور لی بیہ کے سمندروں میں پہنچ گئے اور بعض راس جاپی گیوم کا چکر پورا نہ کر سکے تھے کہ رات نے آلیا ۔ جو جہاز اطالیہ تک پہنچے ، وہ بھی ایک خطرناک پہاڑی ساحل پر کنارے لگے اور سوائے شاہی جہاز کے سب کی حالت بہت خراب ہوگئی ۔ پھر ساحل کی طرف سے بھی جھکڑ چلا تو خود شاہی جہاز کے ٹوٹ جانے کا خطرہ پیدا ہوگیا ۔ لیکن وہاں سے ہٹ کر سمندر میں جانا اور بھی خوف انگیز تھا کہ ہر طرف طوفانی ہوا چل رہی تھی اور پانی میں سخت تلاطم تھا ۔ پاہی رُوس اُٹھ کر چلا تو تختہ جہاز پر گر پڑا اور سمندر کے سخت شور ، موجوں کے طوفان اور رات کے اندھیرے میں ساتھیوں کو اُسے اُٹھانے میں بھی بڑی دشواری پیش آئی ۔ بارے سپیدۂ سحر نمودار ہوا ۔ آندھی کم ہو چلی ، تب وہ ساحل پر اس طرح اُترا کہ سانس پھولا ہوا تھا اور جسم کمزور ہوگیا تھا لیکن

تقدیری مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کی قوت اور ہمت پہلے سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی تھی ۔ طوفان نے اُن کو مساپیہ کے ساحل پر لا پھینکا تھا ۔ صبح ہوتے وہاں کے لوگ جوق جوق آئے کہ جو ہوسکے مدد کریں ۔ بعض بھٹکی ہوئی کشتیاں جو طوفان میں دور بہ جانے سے بچ نکلی تھیں ، وہ بھی آ پہنچیں ۔ ان میں کچھ گھوڑے ، دو ہاتھی اور دو ہزار سے بھی کم سپاہی تھے ۔

پائی روس اسی جمعیت کو لے کر سیدھا تادنتم روانہ ہوا ۔ کی نیاس کو خبر ہوئی تو فوج کے ساتھ پیشوائی کو آیا ۔ شہر میں پہنچ کر شاہ اپی روس نے کوئی بات ایسی نہ کی جو اہل تادنتم کے خلافِ مزاج ہوتی ۔ یہاں تک کہ اس کے سب جہاز بندرگاہ میں آگئے اور فوج کا بڑا حصّہ بھی مجتمع ہوگیا ۔ اور اب یہ دیکھ کر کہ جب تک جبر سے کام نہ لیا جائے ، شہر والے نہ اپنے کو بچانے کی قابلیت رکھتے ہیں نہ دوسروں کو ۔ اور اس خیال میں ہیں کہ وہ تو اُن کے لیے جا کے لڑے اور وہ خود گھروں میں ورزش اور پیراکی سے دل بہلاتے رہیں ۔ اُس نے سب سے پہلے وہ اکھاڑے اور سیرگاہیں بند کیں ، جہاں وہ وقت ضائع کرتے اور گھر کے گھر میں ملکی لڑائیاں لڑتے اور محض تقریری مباحثوں میں ساری مُہمات طے کر لیتے تھے ۔ پھر اس نے میلے ٹھیلے ، راگ رنگ کے جلسے خلافِ محل اور ممنوع قرار دیئے اور اُنھیں فوج میں طلب کر کے جبری جنگی خدمات لینے میں بڑی سخت گیری اور بے مروتی سے کام لیا ۔ چناں چہ بہت سے لوگ جو حکم برداری کے معنی نہیں سمجھتے تھے ، شہر چھوڑ کر چل دیئے اور جو جی میں آئے ،

نہ کر سکنے کو محض غلامی قرار دیا۔

اب پائی رہس کو خبر ملی کہ رومی قنصل لوی نوس ایک بڑی فوج لے کر آرہا ہے اور راستہ میں لوکانیہ کو اس نے تاراج کر دیا ہے۔ تارن تم کے سب اتحادیوں کی فوجیں ابھی جمع نہ ہوئی تھیں لیکن پائی رہس حریف کے اس قدر قریب آجانے کے بعد صبر نہ کر سکا بلکہ پہلے رومیوں کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ آیا وہ اپنے اور اطالوی یونانیوں کے جھگڑے میں خود اُسے ثالث بنانے کے لیے آمادہ ہیں۔ لیکن جب لوی نوس نے جواب دیا کہ ہم نہ تمھاری ثالثی قبول کرتے ہیں اور نہ تمھاری دشمنی سے ڈرتے ہیں تو پائی رہس آگے بڑھا اور پان دوسیا اور ہرا کلیا کے درمیان کے میدان میں خیمے ڈالے۔ پھر رومیوں کو قریب ہی سی ریس ندی کے پار مقیم دیکھ کر وہ خود گھوڑے پر ان کا معائنہ کرنے آیا اور ان کی ترتیب، پہروں کا انتظام، باقاعدگی اور لشکر گاہ کی مجموعی صورت کے مشاہدے سے بہت متعجب ہوا اور اپنے ایک ندیم مگا کلیس سے کہنے لگا "جنگلیوں کی اس ترتیب میں کوئی جنگلی پن نہیں ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ جنگ میں وہ کیا کرتے ہیں؟" پھر ذرا سوچ میں پڑ گیا اور فیصلہ کیا کہ اتحادی افواج کے آنے کا انتظار کیا جائے۔ اس وقت تک رومیوں کو ندی اُترنے سے روکنے کے لیے اس نے سارے کنارے پر دُور تک سپاہی مقرر کر دیے لیکن اُنھی افواج کے پہنچنے سے، جن کے انتظار میں وہ ٹھیر گیا تھا، پیشتر حملہ کرنے کے لیے رومی پیادوں نے پایاب مقامات پر سے ندی کو عبور کرنے کی کوشش کی اور کئی جگہ سوار بھی ان کے ساتھ

تھے ۔ تب یونانی پہرہ دار گھر جانے کے اندیشے سے پیچھے ہٹے۔ پای روس یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا اور پیادہ فوج کے سرداروں کو صفیں مرتّب کرنے کا حکم دے کر خود تین ہزار سواروں کے ساتھ بڑھا اور سمجھا کہ وہ منتشر اور بے ترتیب ہوں گے، اسی حال میں ان پر حملہ کر دیا جائے۔ لیکن قریب آیا تو صدہا ڈھالیں پانی کے اوپر نظر آئیں جن کے عقب میں باترتیب سوار تھے ۔ تب فوج کو سمیٹ کر اُس نے حملہ کیا ۔ اپنے خوب صورت اور شاہانہ زرہ بکتر میں خود وہ سب کے آگے تھا، یہ ثابت کرنے کی غرض سے کہ اس کی جو شہرت پھیل چکی تھی، وہ فی الواقع ویسی ہی بہادری دکھا سکتا ہے ۔ جنگ میں اس کے ہاتھ اور جسم کھُلے ہوئے تھے اور دشمنوں سے جو سامنے آئے، لڑنے اور پسپا کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ایسے اطمینان سے حکم احکام دیتا اور ساری فوج کو لڑاتا جاتا تھا، گویا خود میدان سے دُور کھڑا دیکھ رہا ہے ۔ پھر ہر جگہ جہاں دشمن کا نرغہ پاتا، خود جاتا اور اپنے سپاہیوں کو کمک پہنچاتا تھا ۔ اسی حال میں لیوناتوس مقدونی نے دیکھا کہ ایک اطالی سوار پای روس کی تاک لگا رہا ہے، تو گھوڑا بڑھا کے خود وہاں آیا جہاں سے پای روس آگے بڑھ گیا تھا اور بولا "دیکھیے سرکار، وہ جنگلی جو سفید پانو کے کالے گھوڑے پر سوار ہے، کس طرح برابر آپ کی طرف ٹکٹکی باندھے ہوئے ہے ۔ وہ دوسروں کی طرف نظر ہی نہیں کرتا بلکہ مجھے اس کے بُرے تیور دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضرور خطرناک ارادہ رکھتا ہے ۔ آپ اس سے ہوشیار رہیں!" پای روس نے کہا "لیوناتوس تقدیر سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا لیکن وہ یا اور کوئی اطالی جو مجھ سے

لڑے گا، زیادہ خوش ہونے نہ پائے گا۔" وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اطالوی نے بھالا سیدھا کیا اور گھوڑے کے اَیڑ لگائی۔ ادھر سے لیونانوس گھوڑا دوڑا کے چلا اور دونوں ٹکرا کے گرے۔ پائی روس کے ساتھیوں نے لیوناتوس کو ہاتھوں ہاتھ اٹھایا اور اطالی حملہ آور بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ وہ فرنتانیا کا باشندہ، ایک دستے کا سردار اور اُپ لاکوس اُس کا نام تھا۔

اس واقعے نے پائی روس کو زیادہ ہوشیار کر دیا۔ پھر اپنے سواروں کو دبتا دیکھ کر وہ پیادہ فوج کو بھی میدان میں لے آیا اور اپنا رومال اور ہتھیار مگاکلیس سے بدل کر معمولی سپاہی کے لباس میں دشمن پر جا پڑا۔ دیر تک معرکۂ کارزار گرم رہا اور کہتے ہیں لڑائی نے سات پلٹے لیے کہ کبھی ایک فریق پسپا ہوتا اور کبھی دوسرا۔ لیکن کوئی فیصلہ نہ ہُوا۔ پائی روس کا ہتیار بدلنا بھی اس کے حق میں سازگار ہُوا کہ مگاکلیس کو رومی پائی روس سمجھے اور ایک جماعت اُس پر ٹوٹ کر گری۔ دِک سوس نے کاری ضرب لگائی اور اس کا خود اور چُغہ لے کر لوی نوس کے پاس دوڑا گیا اور اُنھیں اٹھا کر پکارا کہ میں نے پائی روس کا کام تمام کر دیا ہو۔ یہ خود اور چُغہ جب رومی سپاہیوں نے دیکھے تو وہ خوشی سے پھولے نہ سمائے اور اسی نسبت سے یونانی فوج میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ بارے پائی روس اصل بات کو سمجھ کر ہر طرف چہرہ کھولے ہوئے گیا اور ہاتھ اٹھا کر آواز دی کہ یہ میں ہوں! آخر ہاتھیوں نے رومیوں کو خصوصیت کے ساتھ بہت تنگ کرنا شروع کیا کہ ان کے گھوڑے قریب آنے

سے پہلے بھڑکتے اور سواروں کو لیے ہوئے پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ اُن کی اسی بے ترتیبی کو دیکھ کر پاہی روس نے تھسالیہ کے سواروں کو حملہ کرنے کا حکم دیا اور بڑے نقصان کے ساتھ مار بھگایا۔ ڈیونی سیوس ہاہی رونی موس کہتا ہے کہ یہ سات ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ پاہی روس والوں کے مقتولوں کا شمار ڈیونی سی نے تیرہ اور دوسرے مورخ نے چار ہزار سے بھی کم بتایا ہے مگر یہ اس کے بہترین جوان اور ان میں اس کے سب سے معتمد علیہ دوست اور سردار شامل تھے جن سے وہ مشکل مہمات میں کام لیتا تھا۔ بہر حال وہ رومی لشکرگاہ پر جسے غنیم نے چھوڑ دیا تھا، قابض ہوگیا۔ رومہ کے کئی حلیف شہر اُس کی طرف آگئے اور گرد و نواح کا علاقہ پامال کرکے وہ خود شہر رومہ سے ۳۷ میل تک بڑھ آیا۔ اضلاع لوکانیہ اور سامنیوم کے بہت سے لوگ اس سے آملے اور اگرچہ ان کی تاخیر پہ اُس نے انھیں بُرا بھلا کہا، لیکن پھر بھی اُسے اُن کے آنے سے خوشی ہوئی اور اس بات پر کہ رومیوں کی اتنی بڑی فوج کو تنہا تارنتم کی مدد سے اُس نے شکست دی، اس کے حوصلے اور بڑھ گئے۔

شکست کے باوجود رومیوں نے لوی نوس کو قنصلی سے علاحدہ نہیں کیا اگرچہ فابری کیوس کی نسبت سُنا گیا ہے کہ اس نے کہا ”یہ اپی روس والوں کی رومیوں پر فتح نہیں ہوئی۔ البتہ پاہی روس نے لوی نوس کو شکست دی ہے“ جس کا مطلب یہ تھا کہ رومیوں کی بہادری میں کمی سے نہیں بلکہ لڑنے والوں کی خرابی سے لڑائی بگڑی۔ بہر حال اُنھیں نے اپنے جیشوں میں دوبارہ اتنی بھرتی سے نئے

سپاہی بھرتی کر لیے اور جنگ کا ذکر بڑھ بڑھ کے ایسی دلاوری سے کرتے تھے کہ پائی روس کو حیرت ہوگئی۔ اُس نے مناسب سمجھا کہ پہلے قاصد بھیج کر اندازہ کرے کہ وہ صلح کا بھی کوئی میلان رکھتے ہیں؛ کیوں کہ وہ سمجھ گیا تھا کہ شہر کو تسخیر کرنا اور فتح کامل حاصل کرنا، اس فوج سے جیسی اُس کے پاس تھی، ممکن نہ ہوگا۔ لہٰذا گزشتہ معرکہ جیت کر ہی اگر صلح کی شرائط طے ہو جائیں اور دوستی کی صورت نکل آئے تو اس میں زیادہ نام وری ہوگی۔ چناں چہ کی نیاس روم بھیجا گیا اور وہاں کے عمائد سے جا جا کر ملا۔ اپنے بادشاہ کی طرف سے اُنھیں اور اُن کی بیویوں کو تحائف پیش کیے۔ مگر کسی شخص نے مرد ہو یا عورت، انھیں قبول نہیں کیا اور کہا تو یہی کہ اگر سرکاری طور پر کوئی معاہدہ طے پا گیا تو ہم شاہ پائی روس کے آداب تعظیم بجا لائیں گے۔ پھر مجلسِ عمائد کے اجلاس میں کی نیاس نے ایسی تقریر کی جو ترغیب و تاثیر میں جواب نہ رکھتی تھی، بہ ایں ہمہ کسی نے اسے رغبت اور توجہ سے نہیں سُنا۔ حال آں کہ پائی روس نے رومی قیدیوں کو بلا فدیہ رہا کرنے اور ساری اطالیہ کی فتح میں مدد دینے کا وعدہ کیا تھا صرف اس شرط پہ کہ پیمانِ دوستی کے ساتھ تارنتم کی سلامتی کا اقرار کیا جائے۔ اس پر اکثر ارکان صلح پر مائل بھی ہو گئے کہ ایک معرکے میں شکست کھا چکے تھے اور اطالیہ کی امدادی افواج کے پائی روس کے ساتھ شریک ہو جانے سے آیندہ بھی شکست کا اندیشہ تھا۔ لیکن اس موقع پہ اپ یوس کلوڈیوس سے نہ رہا گیا۔ یہ بہت ممتاز آدمی تھا لیکن پیرانہ سالی اور بینائی جاتے رہنے کے باعث ملکی معاملات میں حصّہ

لینے سے معذور ہوگیا تھا۔ یہ اطلاع پاکر کہ مجلس، پاہی روس سے صلح کرنے پر تیار ہوگئی ہے، اس سے صبر نہ ہوا۔ نوکروں کو حکم دیا کہ اُسے اٹھائیں اور کرسی پر بٹھا کر چوک کے راستے ایوانِ مجلس تک لایا گیا۔ جب دروازے پر پہنچا تو اس کے بیٹوں اور دامادوں نے اسے سہارا دے کر اُٹھایا اور اسی طرح مجلس عمائد میں لے کر آئے۔ ایسے بزرگ شخص کی تکریم کے لیے ساری مجلس خموش ہوگئی۔ تھوڑی دیر دم لے کر اپ یوس کھڑا ہوا اور اُس نے تقریر کی:

"اس وقت تک میں اپنی بصارت جانے کو قدرے بے قراری سے برداشت کرتا رہا لیکن اب جو میں نے آپ صاحبوں کی اہانت آمیز تجاویز اور ارادوں کا حال سُنا جو رومہ کی شان کو بٹہ لگانے والے ہیں، تو مجھے یہ صدمہ ہوا کہ میں بصارت کے ساتھ سماعت سے بھی کیوں محروم نہ ہوگیا تمہاری وہ تقریر جو ساری دُنیا میں مشہور ہوئی، کہاں گئی کہ اگر سکندرِ اعظم اطالیہ میں آتا، اور اس وقت جب ہم اور ہمارے آبا جوان تھے، ہم پر فوج کشی کی جرات کرتا تو اپنے اجیت ہونے کی شہرت کو سلامت لے کر واپس نہ جاتا بلکہ یا فرار ہوتا یا اسی جگہ مارا جاتا اور رومہ کو اور زیادہ نام ور چھوڑ جاتا۔ لیکن اب تم یہ ثابت کر رہے ہو کہ وہ سب محض شیخی اور گھمنڈ کی باتیں تھیں کیوں کہ تم اس مقدونیہ والے کی ذلیل قوم مکوسی اور کاونی سے ڈر رہے ہو اور پاہی روس کے سامنے کانپ رہے ہو جو سکندر کے ایک معمولی پہرے دار کا نوکر تھا اور یہاں بھی آیا تو یونانیوں کو مدد دینے کے لیے نہیں بلکہ اپنے وطنی دشمنوں سے بچنے کے لیے آیا ہے۔ وہ اطالیہ میں ایک آوارہ گرد کی حیثیت رکھتا ہے

اور اس پر بھی دعوا یہ کرتا ہو کہ اس ملک کو تمھارے لیے اپنی فوج سے تسخیر کردے گا جو فوج مقدونیہ کے ایک ٹکڑے پر بھی اس کا قبضہ قائم نہیں رکھ سکی۔ اس بات کا ہرگز دل میں یقین نہ لانا کہ اسے دوست بنا کر تم واپس کردوگے تو خوش رہوگے۔ یاد رکھو یہ طریقہ تو وہاں کے دوسرے حملہ آوروں کو راستہ دکھانا ہوگا جن کو تم اپنے کمزور ہونے کا یقین دلا دوگے۔ اگر پائی روس اس مدت درازی کے بعد بلا سزا پائے واپس گیا اور تارن تم اور سام نیوم والوں کو موقع دے گیا کہ تمھارا مذاق اڑائیں"۔ اپ پیوس کی تقریر ختم ہوئی تو مجلس میں ہر فرد پر جذبۂ جنگ طاری ہوگیا اور کی نیاس اس جواب کے ساتھ رخصت کیا گیا کہ اگر پائی روس اپنی فوج لے کر اطالیہ سے چلا جائے اور پھر اس کا جی چاہے تو ہم صلح و دوستی کی گفتگو کریں گے۔ لیکن جب تک مسلح حالت میں اس کا یہاں قیام ہی، ہم نے فیصلہ کرلیا ہی کہ وہ ایک نہیں ہزار لوی نوسوں کو شکست دے چکا ہو، ہم اس کے خلاف جنگ جاری رکھیں گے۔

کہا جاتا ہو کہ جن دنوں کی نیاس یہ معاملہ کرنے روما آیا ہوا تھا، اس نے رومیوں کے طور طریق کا مشاہدہ کرنا بھی اپنا فرض سمجھا اور ان کے اصولِ حکومت سے واقفیت بہم پہنچائی۔ ان کے اشراف و اعیان سے ملاقاتیں کیں۔ اور واپس جا کر اور باتوں کے علاوہ پائی روس سے یہ بھی کہا کہ مجلس اعیان مجھے بادشاہوں کی محفل معلوم ہوتی تھی۔ اور یہ کہ ممکن ہی آگے چل کر ثابت ہو کہ ہم ایسے راون سے لڑ رہے ہیں جس کا ایک سر کٹتا ہی تو کئی نئے سر پیدا ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ

انھی چند روز میں رومی قنصل نے پہلی کی نسبت دُگنی فوج تیار کرلی ہے اور اس سے بھی کئی گنی تعداد قابلِ جنگ مردوں کی شہر میں موجود ہے ۔

اس کے بعد فابریکیوس رومیوں کی طرف سے سفیر بن کر آیا کہ قیدیوں کے باب میں گفتگو کرے ۔ کی نیاس نے اس کی نسبت پائی روس کو خبر دی تھی کہ وہ رومیوں میں دیانت و بہ گری کے باعث نہایت محترم ہے مگر بہت غریب آدمی ہے ۔ پائی روس بہت اخلاق کے ساتھ پیش آیا اور چاہتا تھا کہ کسی بڑی غرض سے نہیں بلکہ محض بہ طریق تکریم و تواضع کچھ روپے اس کی نذر کرے ۔ مگر اس کے انکار کرنے پر پھر اس نے زور نہ دیا ۔ البتہ دوسرے دن اُسے گھبرانے کی غرض سے ایک بہت بڑے ہاتھی کو جنگی ہتھیاروں سے پوری طرح مسلح کرکے سراپردے کے پیچھے کھڑا کیا اور جب وہ باتوں میں مصروف تھے، تو پائی روس کے اشارہ کرتے ہی، پردہ کھینچ دیا گیا اور ہاتھی نے اپنی سونڈ فابریکیوس کے سر پر اُٹھا کر ایک خوف ناک چنگھاڑ ماری ۔ فابریک مسکرایا اور آہستہ سے پائی روس کی طرف مُڑ کر بولا "کل آپ کے روپے نے مجھ پر کچھ اثر کیا ہوگا جو آج یہ جانور کرے گا؟"

رات کے کھانے پر مختلف مباحث کے دوران میں یونانی فلاسفہ کا تذکرہ آگیا اور اسی ضمن میں کی نیاس نے اپی کیورس کے مذہب کا حال بیان کیا کہ اس کے پیرو دین و دنیا، مذہب و ملت کی نسبت کیا عقائد رکھتے ہیں اور ان کا کامیاب زندگی کا تصور کیا ہے؟ وہ قومی معاملات میں حصہ لینے کو مسرت میں خلل انداز جانتے ہیں اور ان کے نزدیک عیش کرنا ہی آدمی کی سب سے اچھی زندگی ہے ۔

وہ دیوتاؤں کو رحم و غضب دونوں جذبات سے بالکل مبرا اور انسانوں سے قطعی بے تعلق کہتے ہیں اور انھیں محض عیش اور مسرت کے مزوں میں سرشار بتاتے ہیں۔ اس کی تقریر ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ فاب ری کیوس پای روس کی طرف مڑ کر پکارا "او ہرقل یوس! خدا کرے پای روس اور اس کے حلیفوں کے، جب تک ہمارے ساتھ جنگ ہو، ایسے ہی عقائد رہیں!"

غرض پای روس پر اس رومی کی استقامت و دانائی کا ایسا اثر ہوا کہ وہ رومہ سے جنگ کی بجائے دوستی کرنے کا اور زیادہ خواہش مند ہوگیا اور فاب ری کیوس سے شخصی طور پر بھی درخواست کی کہ صلح ہو جانے کے بعد وہ اس کی ریاست میں صدر وزیر و سپہ سالار بن کر رہنا منظور کرلے۔ فاب ریک نے نرمی سے جواب دیا "سرکار، یہ بات آپ کے حق میں مفید نہ ہوگی۔ کیوں کہ جو لوگ اس وقت آپ سے عقیدت رکھتے ہیں، مجھ سے سابقہ پڑنے کے بعد اس بات کو ترجیح دینے لگیں گے کہ آپ کی بجائے میں اُن پر حکم رانی کروں۔" وہ ایسا صاف گو آدمی تھا۔ اور پای روس نے بھی یہ جواب سُن کر بُرا نہیں مانا اور نہ اس کا جذبۂ شاہی جوش میں آیا۔ بلکہ اس نے اپنے ندیموں میں فاب ری کوس کی عالی ظرفی کی بڑی تعریف کی اور رومی اسیرانِ جنگ کو بھی اس کے حوالے کر دیا کہ صلح نہ ہونے کی صورت میں انھیں عزیز و اقارب سے ملنے اور زُحل کا تہوار منانے کے بعد واپس کر دیا جائے۔ چناں چہ تہوار ختم ہوتے ہی وہ واپس بھیج دیے گئے اور حکم جاری ہوگیا کہ جو ٹھیرا رہے گا وہ موت کی سزا کا مستوجب ہوگا۔

پھر جب اسی زمانے میں فابری کوس قنصل منتخب ہوا تو اس کے پاس ایک شخص پائی روس کے طبیبِ خاص کا خط لایا۔ جس میں تحریر تھا کہ میں پائی روس کو زہر دے کر اس کا اور لڑائی کا خاتمہ کر سکتا ہوں بشرطیکہ مجھے اس خدمتِ جلیلہ کا معقول صلہ دیا جائے۔ فابری کوس کو یہ نمک حرامی سخت قابلِ نفرت معلوم ہوئی اور اپنے ساتھی قنصل کو ہم رائے بنا کر اس نے فوراً پائی روس کو اس غداری کی اطلاع کردی خط کا یہ مضمون تھا:

”فابری کوس اور امی لیوس، رومی قنصلوں کی طرف سے شاہ پائی روس کو، (دعائے) صحت۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے دوست اور دشمن دونوں کے انتخاب میں غلطی کھائی ہے۔ جو خط ہم آپ کو بھیج رہے ہیں، اسے دیکھنے سے آپ پر ظاہر ہو جائے گا کہ آپ راست باز لوگوں سے لڑ رہے ہیں اور نمک حرام بدمعاشوں پہ اعتماد رکھتے ہیں۔ ہم اس غداری کی آپ کو خبر دینے کا مقصد کوئی رعایت اور مہربانی کرنا نہیں ہے بلکہ یہ کہ کہیں آپ کی بربادی سے ہم پہ الزام آئے اور لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ تلوار کے زور سے ہم غلبہ نہ پا سکتے تھے لہذا غداری کے ذریعے جنگ ختم کی۔“

یہ مراسلہ پائی روس کو پہنچا تو بعد تفتیش اس نے طبیب کو سزا دی اور جواب میں رومی قیدیوں کو بغیر فدیے کے آزاد کر دیا اور دوبارہ کی نیاس کو رومہ بھیجا کہ صلح کی گفتگو کرے۔ اہلِ رومہ نے، دشمن کی طرف سے، اسے بہت بڑی عنایت خیال کیا اور محض حرامی نہ کرنے کا یہ انعام کہ سارے قیدی چھوڑ دیئے گئے، بہت

بھاری احسان سمجھ کر انھوں نے بھی اسی قدر تعداد میں تادن تم اور سام نیوم کے قیدی رہا کر دیے۔ بہ ایں ہمہ صلح یا اتحاد کے متعلق کوئی غور و بحث کرنے سے انکار کر دیا تاوقتیکہ پائی روس اپنا لشکر اور جنگی ساز و سامان لے کر اطالیہ سے انھی جہازوں میں واپس نہ چلا جائے جن میں اس لاؤ لشکر کو اپی روس سے لایا تھا۔

صلح نہ ہو سکی تو پائی روس کو دوسری جنگ کرنی ضرور ہوئی۔ اپنی سپاہ کو آرام دینے کے بعد وہ آگے چلا اور شہر اس کیولم کے قریب رومیوں سے اس کا مقابلہ ہوا۔ مگر یہاں جنگلی درختوں کی ایسی کثرت تھی کہ رسالہ آسانی سے کام نہ کر سکتا تھا اور ایک تیز ندی بہتی تھی کہ ہاتھی بلا اندیشہ پیادوں کے ساتھ نقل و حرکت نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ لڑائی میں اسے کافی زحمت پیش آئی اور بہت سے آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ رات آ جانے سے لڑائی ملتوی ہو گئی اور دوسرے دن پائی روس نے اس ناموزوں قطعے پر ایک دستہ متعین کر کے، ہاتھیوں کو ہموار زمین پر سب سے گنجان صفوں میں لڑانے کے لیے، تیر انداز اور فلاخن انداز بھی ان میں شامل کر دیے اور پیوستہ صفوں کو لیے ہوئے پوری فوج اور دلیری کے ساتھ حریف پر حملہ آور ہوا۔ اب کھلے میدان میں رومیوں کو ہٹنے اور بڑھنے کی وہ پہلی آسانیاں حاصل نہ تھیں اور ایک کے مقابلے میں ایک سے لڑنا تھا۔ دوسرے انھیں ایک عجلت یہ تھی کہ ہاتھیوں کے پہنچ جانے سے پہلے پیادوں کو پسپا کر دیا جائے۔ پس وہ بڑے زور شور سے یونانی نیزہ برداروں پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑے اور اپنے نقصانات کی پروا کیے بغیر انھیں مارنے

اور زخمی کیتے رہے ۔ اس طرح دیر تک سخت جنگ کرنے کے بعد آخر ہاتھیوں کے آجانے سے انھیں میدان کے اس حصے سے پسپا ہونا پڑا جہاں پای روس غیر معمولی دلاوری سے خود لڑ رہا تھا ۔ ہاتھیوں کے ریلے کو انسانی طاقت نہیں روک سکتی تھی ، جیسے سمندر یا بھونچال آجاتا ہی اور اس کے مقابلے میں انھیں ہٹ جانا ہی بہتر معلوم ہوا ، بہ نسبت اس کے کہ کچھ نہ کرسکیں اور جان دیں یعنی انتہائی نقصان اٹھائیں اور ذرا بھی فائدہ حاصل نہ کرسکیں ۔ بس وہ اپنے پڑاؤ پر جو قریب ہی تھا ، ہٹ آئے ۔ ہای رونی موس کا بیان ہی کہ اس معرکے میں چھ ہزار رومی ہلاک ہوئے اور پای روس کے آدمیوں کی نسبت خود اس کی "تشریحات" میں تین ہزار پان سو پچاس کا نقصان تحریر ہی ۔ اس کے برخلاف ڈیونی سیوس کے دو دن کے معرکوں کا ذکر نہیں کیا نہ رومیوں کی قطعی شکست لکھی بلکہ صرف یہ بیان کیا ہی کہ وہ ایک معرکے میں شام تک لڑتے رہے ۔ رات کی تاریکی نے فریقین کو بادلِ ناخواستہ جُدا کیا معرکے میں پای روس نے برچھی کا زخم کھایا اور خود سام نیوم کے لوگوں نے اس کا کچھ اسباب لوٹ لیا اور یہ کہ دونوں طرف کے کُل پندرہ ہزار سے زیادہ آدمی کام آئے ۔

الغرض فوجیں جُدا ہوگئیں اور کہا جاتا ہی کہ کسی شخص نے پای روس کو فتح کی خوش خبری دی تو اس نے جواب دیا کہ ایسی ایک اور فتح اپنا کام تمام ہی کر ڈالے گی ۔ کیوں کہ واقعہ یہ ہی کہ جو فوجیں وہ لایا تھا ، اُن کا ایک بڑا حصہ ضائع ہوگیا اور اس کے خاص دوستوں اور بڑے سرداروں میں سے بہ مشکل کوئی زندہ بچا تھا ۔ پھر ، یہاں نئی بھرتی

کی تو کوئی صورت نہ تھی اور اطالوی ملیٹ پیچھے رہے جاتے تھے۔ برخلاف اس کے رومی پڑاؤ میں بہت جلد اور بہ کثرت "تازہ جوان دومہ سے چلے آتے تھے جیسے چشمے سے پانی برابر اُبلتا رہتا ہے۔ نقصانات اٹھانے کی وجہ سے ان کی ہمت میں ذرا فرق نہ آیا تھا بلکہ غیظ و غضب نے ان کے ارادے اور حوصلوں کو کہ لڑائی جاری رکھی جائے اور بڑھا دیا تھا۔

ادھر پائی روس کو دوسری مشکلات کے علاوہ ایک مشکل یہ پیش آئی کہ کئی اچھے موقعے اور منصوبے وقتِ واحد میں جمع ہو گئے اور اس کی توجہ اصل مقصد سے بٹ گئی۔ کیوں کہ ایک طرف تو صقلیہ سے کئی آدمی آئے اور اُنھوں نے اگری گن تم، سیرازکیوز اور لیون تی نی کی ریاستیں اس کے آگے پیش کیں اور التجا کی کہ وہ اس جزیرے کو قرطاجنہ اور جابر بادشاہوں سے نجات دلانے میں مدد کرے اور دوسری طرف یونان سے خبر پہنچی، بطولمی مخاطب بہ "کیرانوس" غال قوم سے لڑائی میں مارا گیا اور اس کی فوج پارہ پارہ ہو گئی۔ لہذا یہ بہترین موقع ہے کہ پائی روس اہلِ مقدونیہ میں چلا آئے جو کسی بادشاہ کو انتخاب کرنے کے سخت ضرورت مند ہیں۔

پائی روس نے تقدیر کا بہت گلہ کیا کہ بڑے بڑے کاموں کے یہ سب مواقع ایک ہی وقت میں جمع ہوئے اور سوچنے لگا کہ اگر دونو کو قبول کیا جائے تو ایک نہ ایک جگہ ضرور ناکامی ہوگی۔ وہ دیر تک فکرمند رہا۔ آخر یہ سمجھ کر کہ صقلیہ میں فائدے کی توقع زیادہ ہے اور افریقہ بھی وہاں سے قریب ہے، وہ اُسی طرف متوجہ ہو گیا اور

اسی وقت کی نیاس کو حسب عادت آگے روانہ کیا کہ صقلیہ کے شہروں سے ضروری شرائط طے کر لے ۔ پھر اس نے تادن تم میں ایک حفاظتی فوج متعین کی اور جب تادن تم والوں نے شکوہ کیا کہ یا اُسے رومیوں سے لڑائی جاری رکھنی چاہیے اور یا ہمیں ہمارے حال پر بدستور سابق چھوڑ دینا چاہیے ، تو اُس نے کوئی دل خوش کُن جواب نہیں دیا بلکہ حکم دیا کہ خاموش رہیں اور اس کی مصلحتوں کا لحاظ کریں ۔ پھر خود جہاز میں سوار ہوکر صقلیہ روانہ ہوگیا ۔ یہاں حسب مُراد بلانے والے شہروں نے خوشی سے اطاعت قبول کر لی اور اوّل اوّل اس کی کوئی سخت مزاحمت نہ ہوئی ۔ تیس ہزار پیادہ ، ڈھائی ہزار سوار اور دو سو جہازوں سے اس نے (قرطاجنہ کے) فنیقیوں کو کامل شکست دی اور اُن کے سارے مقبوضات پر پھیل گیا ۔ البتہ ان کے شہر ارلیش میں ایک بڑی فوج قلعہ بند تھی اور اسے پائی روس نے حملہ کر کے لینے کا ارادہ کیا ۔ جب سپاہ ہجوم کرنے کے واسطے صف بستہ ہوگئی تو وہ بھی ہتھیار لگا کے سب کے آگے نکلا اور منت مانی کہ اگر آج کی جنگ میں وہ صقلیہ کے یونانیوں کو اپنی بہادری کے وہ جوہر دکھا سکا جو اس کی اقبال مندی اور عالی نسبی کے شایاں ہیں ، تو ہرقل کے نام پر قربانیاں چڑھائے گا اور کھیل تماشے کرائے گا ۔ کرنا کی آواز کے اشارے پر حملہ شروع ہوا تو پائی روس نے پہلے تیر مار مار کر دشمن کو ہٹایا اور پھر سیڑھیاں لگا کر خود سب سے پہلے فصیل پر چڑھ گیا ۔ دشمن کے بہت سے سپاہی موجود

تھے مگر اس نے دھکے دے دے کے بعض کو فصیل کے اِدھر بعض کو اُدھر گرا دیا اور پھر ایسی شمشیر زنی کی کہ گرد و پیش کشتوں کے ڈھیر لگا دیے اور خود کوئی زخم نہیں کھایا بلکہ دشمن کے دل میں ایسی دہشت بٹھائی کہ اس کا منہ دیکھ کر کانپ جاتے تھے۔ یہ گویا ہومر کے اس قول کی عملی تصدیق تھی کہ انسانی اوصاف میں ہمت ہی وہ چیز ہے جو خدائی جوش و خروش کے پیرایے میں اپنے کرشمے دکھایا کرتی ہے۔ غرض شہر فتح ہو گیا اور پائی روس نے بڑی دھوم سے ہرقلیس کی قربانیاں دیں اور قسم قسم کے کھیل تماشے کرائے۔

مِسینا کے قریب ایک اور غیر قوم مامرتینی آباد تھی جس نے وہاں کے یونانیوں کو بہت تنگ کیا اور بعض کو اپنا خراج گزار بنا رکھا تھا۔ یہ نام ایک لاطینی لفظ مامرس سے مشتق ہے جس کے معنی مریخ اور مجازاً، جنگ جو ہوتے ہیں۔ فی الواقع ان لوگوں کی تعداد کثیر اور بڑے لڑنے والے تھے لہٰذا پائی روس کو ان کا قلع قمع کرنا ضروری ہوا۔ پہلے تو اس نے اُن کے محصلوں کو پکڑ کے قتل کرایا پھر میدان میں شکست دے کر ان کے بہت سے قلعے اور مامن مسمار کرا دیے۔ اس عرصے میں قرطاجنی بھی صلح پر مائل ہوئے اور زرِ نقد کے علاوہ بہت سے جہاز بھی مہیا کرنے پر تیار تھے۔ پائی روس کے دل میں بڑے بڑے حوصلے بھرے تھے۔ اس نے اُن سے صاف صاف کہا کہ جب تک وہ صقلیہ کو بالکل نہ چھوڑ دیں اور افریقہ کے سمندر کو حدِ فاصل نہ مان لیں گے، کوئی

ہانے دار۔ مفاہمت اور دوستی نہ ہوسکے گی ۔ صلح میں وہ قسمت کی یادوں سے بھول گیا تھا اور اپنے ابتدائی منصوبے یاد کرکے اب بغیر تاخیر افریقہ پر حملہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔ جہازوں کی اس کے پاس کمی نہ تھی البتہ ملّاح کافی نہ تھے اور انھی کی بھرتی میں اس نے جبر و تشدد سے کام لے کر بالآخر سارا کام خراب کرلیا۔ اس سے قبل وہ ہمیشہ نرمی اور مہربانی سے پیش آتا تھا۔ آسانی سے لوگوں پر اعتبار کرلیتا اور کسی سے سختی اور بے مروتی نہ کرتا تھا۔ لیکن اب جو اس نے نخوت آمیز زبردستی کی تو ایک ہردل عزیز سردار کی بجائے، وہ محض جابر سمجھا جانے لگا اور جھوٹا اور ناشکرا اس کا نام ہوگیا۔ پھر بھی لوگ اس کے احکام کی تعمیل کرتے رہے اگرچہ انھیں اس کی یہ باتیں بہت ناگوار تھیں۔ خصوصاً یہ بات کہ وہ تھنون اور سوسی ترانوس سے بدگمانی کا برتاؤ کرنے لگا حال آں کہ یہ سیراکیوز کے معزز ترین فرد تھے اور انھی نے اُسے صقلیہ آنے کی دعوت دی، شہروں پر اُس کا قبضہ کرایا اور اس جزیرے میں اُس کے سب سے بڑے معین و مددگار رہے تھے۔ مگر اب نہ وہ انھیں اپنے پاس آنے دیتا تھا اور نہ یہ گوارا کرتا تھا کہ وہ اپنے وطن میں رہیں۔ پھر جب سوسی ترات خوف زدہ ہوکر کنارہ کش ہوگیا تو پائی روس نے تھنون پر سازش کا الزام لگا کے مفت میں قتل کرا دیا۔ ساتھ ہی خود اُس کے حالات اور توقعات میں تغیّر واقع ہوا۔ تدریجی طور پر نہیں اور نہ کسی ایک مقام پر۔ بلکہ تمام شہروں میں اس سے نفرت

پھیل گئی۔ بعض لوگ اہلِ قرطاجنہ سے مل گئے اور بعض نے مامرتنی قوم سے مدد طلب کی۔ اب ایک طرف تو صقلیہ میں اسے ہر جگہ شورش اور انقلاب کے آثار نظر آئے اور ادھر تارن تم اور سام نیون کے لوگوں نے التجا لکھی کہ وہ آئے اور انھیں بچائے کیوں کہ وہ رومیوں کے ہاتھ سے بُری طرح شکستیں کھا کر اپنے شہروں میں قلعہ بند تھے اور یہاں بھی ان کی حالت نازک ہو رہی تھی۔ پاہی روس کو یہ حیلہ اچھا ہاتھ آگیا کہ صقلیہ سے جانا فراری یا مایوسی پر محمول نہ کیا جائے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ وہ اس جزیرے کا انتظام نہ کر سکا جس کی کیفیت طوفان زدہ جہاز کی سی ہو رہی تھی اور اس کے نکل جانے ہی کو غنیمت سمجھ کر دفعۃً اطالیہ چلا آیا۔ کہتے ہیں رخصت ہوتے وقت اُس نے جزیرے پر نظر ڈالی اور گرد و پیش کے لوگوں سے کہنے لگا: "ہم، رومہ اور قرطاجنہ والوں کی تیغ آزمائی کے لیے کیسا اچھا میدانِ جنگ چھوڑ کر جا رہے ہیں"۔ چناں چہ اس کا یہ قیاس بہت جلد صحیح ثابت ہوگیا۔

پاہی روس کے جہازوں میں جاتے وقت غیر اقوام کی سازش سے قرطاجنہ والوں نے اس کا راستہ روکا اور اُسے لڑائی میں بہت سے جہاز کھو کر اطالیہ کی طرف فرار ہونا پڑا۔ وہاں بھی جب وہ ساحل پر اُترا تو ایک ہزار مامرتنی پہلے سے پہنچ گئے تھے۔ وہ کھلے میدان میں لڑنے سے ڈرتے تھے لیکن تنگ راستوں میں چھاپہ مار کر اُنھوں نے ساری فوج میں ابتری ڈال دی چناں چہ

دو ہاتھی ضائع ہوئے اور عقبی دستہ بھی کٹ گیا۔ تب پائی روس خود اس طرف آیا اور دشمن کو پسپا کیا۔ اگرچہ ایسے لوگوں میں جو بڑے جنگ جُو اور آزمودہ کار سپاہی تھے، گھِر کر وہ سخت خطرے میں پڑ گیا تھا بلکہ تلوار کا سر پر زخم کھا کر جب وہ معرکے سے ذرا پیچھے ہٹا تو دشمن کے دل بڑھ گئے اور ایک شخص دوسروں سے بہت آگے نکل کر حقارت آمیز آواز میں پکارا کہ اگر وہ زندہ ہو تو میدان میں سامنے آئے۔ یہ بڑے قد قامت کا جوان، چمکتی زرہ بکتر پہنے تھا۔ اُس کے ٹوکنے پر پائی روس غصے سے بے تاب ہو گیا۔ فوج رکاب کو چھوڑ کر، دیوانہ وار اپنی صفیں چیرتا ہوا آگے بڑھا اور اور اس شان سے کہ جگہ جگہ خون کے دھبے لگے ہوئے تھے اور اسے دیکھنے سے خوف آتا تھا اُس نے حریف کے سر پر اس قوت سے تلوار ماری کہ سر سے دھڑ تک اُسے دو پارہ کر دیا۔ یہ تھا اُس کا زورِ بازو اور تلوار کی خوبی کہ دشمن دو ٹکڑے ہو کر گرا۔ جس نے فریقِ مقابل کو ششدر کر دیا اور وہ پائی روس کو مافوق الانسان سمجھ کر آگے بڑھنے سے رُک گئے بلکہ پھر باقی سفر میں کبھی بغیر خلل پڑے، وہ بیس ہزار پیادہ اور تین ہزار سوار لیے ہوئے تارنتم آ گیا اور وہاں کے چیدہ ترین سپاہی لے کر بلا تاخیر رومیوں کے خلاف بڑھا جو اُن دِنوں سام نیوم کے علاقے میں پڑے تھے اور اہلِ سام نیوم شکستیں کھا کھا کر سخت اِنتشار و پریشان حالی میں مُبتلا تھے۔ وہ پائی روس سے صقلیہ مہم لے جانے کی بنا پر ناراض تھے، اسی لیے اُس کا ساتھ دینے کم لوگ آئے۔

پائی روس نے اپنی فوج کے دو حصے کیے۔ ایک کو تو لوکانیہ بھیجا کہ وہاں ایک قنصل کو اُلجھائے رکھے اور باقی سپاہ لے کر مان یوس کیوریوس کے مقابلے میں بڑھا جو بنی ون تم کے قریب بہت اچھے موقعے سے خیمہ زن اور دوسرے قنصل کے وہیں آنے کا منتظر تھا۔ بہتوں نے بھی شگون بُرا بتایا تھا لہذا اُس نے خاموش پڑے رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پائی روس سب سے اچھے سپاہی اور بکار آمد ہاتھی لے کر راتوں رات چلا کہ دوسرا قنصل نہ آنے پائے۔ لیکن پھیر کھا کر آنے اور گھنا جنگل ہونے کی وجہ سے انھیں دیر ہوئی۔ روشنیاں گُل ہو جانے کے باعث سپاہی راستہ بھول گئے۔

ابھی وہ مشاورت ہی کر رہے تھے کہ سپیدۂ سحر نمودار ہُوا اور اب رومیوں کو بھی وہ پہاڑیوں سے اپنی طرف آتا ہُوا نظر آگیا جس سے اُن کے لشکر میں خاصی کھلبلی مچ گئی۔ بارے شگون موافق نکلا اور اِدھر بغیر لڑے چارہ ہی نہیں رہا تو مان یوس مورچوں سے فوج باہر لایا اور ہراول پر حملہ کر کے اُسے بھگا دیا۔ جس سے پائی روسی لشکر میں پریشانی پھیل گئی۔ بہت سے آدمی مارے گئے اور کئی ہاتھی رومیوں نے پکڑ لیے۔ اس کام یابی نے مان یوس کو میدان تک آنے کی ہمت دلائی اور ہر چند ایک بار ہاتھیوں کے ریلے نے اُسے پسپا کر دیا تھا لیکن جب اُس نے پڑاؤ کی حفاظتی فوج کو مدد کے لیے بُلایا جو اب تک تازہ دم تھی، اور اُس نے ہاتھیوں پر حملہ کیا تو یہ اُلٹے بھاگے اور اپنی ہی فوج پر پلٹ پڑے جس سے ساری صفیں درہم برہم ہو گئیں اور نہ

صرف جنگ بلکہ آیندہ سیادت کا بھی رومیوں کے حق میں فیصلہ ہو گیا۔ کیوں کہ انھی معرکوں اور کوششوں سے ان کے دلوں میں یہ خیال اور باہر یہ شہرت ہوئی کہ رومی کسی سے مغلوب ہونے والے نہیں ہیں۔ چناں چہ بہت جلد وہ ساری اطالیہ اور پھر تھوڑی ہی مدت بعد صقلیہ پر قابض ہو گئے۔

اس طرح پای روس کی اطالی اور صقالی امیدوں کا خاتمہ ہُوا، جن کے لیے وہ چھ برس تک مصروفِ جنگ رہا تھا۔ مگر اپنے مقاصد میں ناکام ہونے کے باوجود، اس کی ہمت میں فرق نہ آیا۔ جنگی تجربے، ذاتی شجاعت و اولوالعزمی میں وہ اب بھی اپنے تمام ہم عصر شاہ و شہریار میں افضل مانا جاتا تھا۔ اگرچہ جو کچھ اُس نے بڑے معرکوں میں حاصل کیا، وہ خیالی منصوبوں کی خاطر کھو بیٹھا اور جو کچھ اس کے پاس تھا، اُسے محض اس لیے برباد کیا کہ جو نہیں ہے، اُسے حاصل کیا جائے۔ اسی لیے اِن تی گونس کہا کرتا تھا کہ وہ ایسے چوسر باز کی مثل ہے جو بہت اچھے پانسے پھینکتا ہے لیکن ان سے کام لینا نہیں جانتا۔ القصہ جب وہ اپی روس واپس ہُوا تو صرف آٹھ ہزار پیادے اور پان سو سوار رہ گئے تھے اور اِنھیں دینے کے لیے بھی رُپیہ نہیں تھا لہٰذا اسے ضرورت ہوئی کہ فوج قائم رکھنے کے لیے کوئی اور لڑائی چھیڑی جائے۔ غال قوم کے کچھ لوگ بھی اس کے ساتھ آملے تو اُس نے مقدونیہ پر فوج کشی کی جس کا مطلب صرف لوٹ مار کرنا تھا۔ وہاں دِمِت ریوس کا بیٹا اِنتی گونس فرماں روا تھا اور جب اُس کے دو ہزار سپاہی پای روس سے آملے اور کئی شہروں پر بھی اُس کا قبضہ

ہوگیا تو اب اُس نے انتی گونس پر حملہ کرنے کی ہمت کی اور ایک تنگ راستے میں گھیر کر شکست دی۔ حتّٰی کہ اُس کی فوج ساقہ جس میں کثرت سے غالی سپاہی اور مقدونیہ والوں کے جنگی ہاتھی بھی تھے، سب نے پائی روس کی اطاعت قبول کرلی۔ تدبیر سے زیادہ تقدیر کی اِن یاوری کے طفیل پائی روس نے مقدونیہ کی باقی سپاہ پر بھی آسانی سے غلبہ پالیا۔ یعنی انھوں نے انتی گونس کے لیے لڑنے سے انکار کیا اور پائی روس ان کے سرداروں کے نام لے لے کر پکارتا اور انھیں اپنی طرف بُلاتا رہا۔ انتی گونس چُھپ کر فرار رہا ہوا اور صرف ساحلی شہروں پر اسے قناعت کرنی پڑی۔ پائی روس نے اس فتح میں مصلحت یہ سمجھی کہ صرف غال قوم پر اپنی کامیابی کو شہرت دے۔ چناں چہ سب سے قیمتی اور اعلا درجے کے غنائم یہ کتبہ لکھ کر منروا دیوی کے مندر پر چڑھائے:

"شاہانِ مُلوسی کے وارث، پائی روس نے
یہ ڈھالیں دیوی کے مندر پر بہادر غالوں سے
چھین کر نذر کیں جب کہ انتی گونس
اور اس کا سارا لشکر فرار ہُوا۔
خاندان ایاقید کے کارناموں کی شہرت
کچھ ایک دو دن ہی کی بات نہیں ہے"

اس فتح کے بعد وہ اور شہروں کو لیتا ہُوا آگے چلا، اور اہلِ مقدونیہ پر من جملہ اور مصائب کے، یہ ظلم توڑا کہ شہر اِگی میں غالوں کی فوج تعینات کی اور ان وحشیوں نے شدّت طمع سے

وہاں بادشاہوں کے مقبرے کھود کر جو مال و دولت دبی تھی، سب نکال لی اور کمال گستاخی سے ان کی ہڈیاں باہر پھینک دیں۔ پائی روس نے یا دوسری مصروفیت کے باعث اور یا غالوں کو ناراض کرنے کے خوف سے انھیں کوئی سزا نہ دی بلکہ تغافل سے کام لیا۔ ابھی تک مقدونیہ میں اسے استقلال میسّر نہیں) آیا تھا اور گو وہ تمسخر سے کہا کرتا تھا کہ انتی گونس کو شرم آنی چاہیئے کہ اب بھی قبائے شاہی پہنتا ہے اور معمولی لباس اختیار نہیں کرتا لیکن انھی دنوں اسپارٹہ کا رئیس کل یونی موس اس کے پاس پہنچا اور اسے اسپارٹہ آنے کی دعوت دی تو پائی روس نے اس مہم کو دل سے قبول کر لیا۔ کل یونی موس شاہانِ اسپارٹہ کی اولاد میں تھا لیکن خود رائے معلوم ہونے کے باعث اہلِ وطن کو اس سے کوئی عقیدت نہ تھی اور لوگوں نے اریوس کو بادشاہ بنا لیا تھا۔ علاوہ اس بات پر ناراض ہونے کے، اس کی وطن سے برداشتہ دلی کا ایک اور سبب یہ ہوا کہ اس نے بڑھاپے میں ایک نوجوان اور خوب صورت لڑکی کی لونیس بنت لیوتی کید سے شادی کی تھی اور یہ لڑکی شاہ اریوس کے نوجوان فرزند (اک روتا توس) پر دل و جان سے فریفتہ ہو گئی تھی جس نے اس شادی کو کلیونی موس کے حق میں ذلت و مصیبت کا موجب بنا دیا تھا اور یہ حقیقت اسپارٹہ میں سب کو معلوم تھی کہ نوجوان بیوی بوڑھے میاں سے کیسی بے پروائی کا برتاؤ کرتی ہے۔ غرض یہ شخص پائی روس کو پچیس ہزار پیادہ، دو ہزار سوار اور چوبیس ہاتھیوں کے ساتھ اسپارٹہ لے کر آیا۔ اس لاؤ لشکر کے لے کر آنے سے

ساری دُنیا کو اندازہ ہوگیا کہ پائی روس ، کلیونی مُوس کو محض اسپارٹہ دلوانے نہیں آیا بلکہ خود سارے جزیرہ نما پر قبضے کا منصوبہ رکھتا ہے لیکن جب اسپارٹہ کے سفیر اس سے میگالوپولس میں ملے تو اُن سے اس نے صراحةً کہا کہ وہ ایسا ارادہ نہیں رکھتا بلکہ اُن کے شہروں کو انتی گونس کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے آیا ہے ۔ پھر اُس نے یہ بھی کہا کہ میں اپنے چھوٹے بچّوں کو ، ہو سکے ، تو اسپارٹہ بھیجنا چاہتا ہوں کہ وہ اسی شہر کے آداب و عادات سیکھیں اور دوسرے بادشاہوں سے بہتر تربیت حاصل کریں ۔ اور لوگ بھی جو اس سے راستے میں ملاقی ہوئے ، ان کو وہ اسی طرح بہلاتا ، دَم دلاسے دیتا رہا مگر اسپارٹہ کے علاقے یعنی ریاست لکونیہ میں داخل ہوتے ہی اُس نے لوٹ مار شروع کردی اور سفیروں نے شکایت کی کہ وہ اعلانِ جنگ سے پہلے ہی جنگ کا آغاز کر رہا ہے تو اُنھیں یہ جواب دیا کہ ہمیں معلوم ہے تم اسپارٹہ والے بھی جب کوئی ارادہ کرتے ہو تو پہلے سے اس کا تذکرہ نہیں کرتے ۔" اسی موقع پر مان درو کلیہد نے جو وہاں موجود تھا ، اسپارٹہ کی مقامی بولی میں یہ فقرہ کہا تھا کہ " اگر تم دیوتا ہو تو ہمیں نقصان نہ پہنچاؤ گے کیوں کہ ہم کسی پر زیادتی نہیں کر رہے ہیں ۔ لیکن اگر تم انسان ہو تو پھر کوئی تم سے زیادہ طاقت ور انسان بھی ہوگا ۔"

اب اس نے بہراہِ راست اسپارٹہ کا رُخ کیا اور کلیونی موس نے مشورہ دیا کہ سامنے پہنچتے ہی شہر پر یورش

کر دینی چاہیے ورنہ وہ وہاں ٹھیریں گے تو ممکن ہو کہ اس کے سپاہی رات کو بستی میں گھس کر لوٹ مار مچائیں تو اس نے جواب دیا کہ یہ کام وہ دوسرے دن بھی کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ شاہ ارلوس گورٹی نی قوم کو مدد دینے جزیرۂ قریطش گیا ہوا تھا اور اسپارٹہ میں بہت کم سپاہی موجود تھے اور وہ بھی اس کے دفعۃً پہنچ جانے پر مقابلے کے لیے تیار نہ تھے۔ لیکن یہی حقیقت شہر کو بچانے کا سبب ثابت ہوئی۔ کیوں کہ اس نے فوری حملہ کرنا فضول سمجھا اور بہ زعم خود انھیں مقابلے کے ناقابل جان کر شام کو پڑاؤ ڈال دیا۔ حال آں کہ اس رات کلیونی موس کے دوست اور غلام اپنے آقا کے منتظر تھے اور انھوں نے شاہ پای روس کے لیے کھانے کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ اُدھر شہر کے لوگ رات کو جمع ہوئے اور یہ تجویز کرنے لگے کہ سب عورتوں کو جہازوں میں قریطش روانہ کر دیا جائے لیکن خود عورتوں نے بالاتفاق انکار کیا اور ارکی دامیہ تلوار ہاتھ میں لیے مجلس میں آئی اور سب عورتوں کی طرف سے کہا کہ کیا ہمارے مرد یہ امید رکھتے ہیں کہ اسپارٹہ کے برباد ہونے کے بعد بھی ہم عورتیں زندہ رہیں گی! تب یہ رائے قرار پائی کہ دشمن کے پڑاؤ کے سامنے ایک سیدھی خندق کھود دی جائے اور اسی میں جگہ جگہ چھکڑے اور کراچیاں پہیوں تک زمین میں گاڑ کر قائم کر دی جائیں تاکہ ان سے ہاتھیوں کا راستہ روکا جا سکے۔ جس وقت یہ کام شروع ہوا تو بیاہی عورتیں اپنے نچلے کرتے کمر سے باندھ کر اور کواریاں صرف قمیصوں میں مردوں کی مدد کرنے آ پہنچیں۔ نوجوانوں کو جو کل صبح لڑنے والے تھے، ان عورتوں نے آرام کے لیے چھوڑ دیا اور خود ان کے حصے کا کام

یعنی تہائی خندق کھود دی جو چھ ہاتھ چوڑی چار ہاتھ گہری اور بہ روایت فی لارکوس آٹھ سو فٹ لمبی تھی ۔ ہائی رونی موس نے لمبائی کچھ کم لکھی ہے ۔ بہ ہر حال ، صبح ہوتے دشمن بڑھتا ہوا نظر آیا تو انھی عورتوں نے جوانوں کو ہتھیار لاکر دیے ۔ خندق کی پاس بانی سپرد کی اور جوش دلایا کہ پوری بہادری سے اس کی حفاظت کریں ۔ مُلک و ملّت کی آنکھیں ان پہ لگی ہیں ، جیتے تو واہ وا اور مارے گئے تو اپنی ماؤں اور بی بیوں کی گود ہیں اور اسی جواں مردی سے جان دیں گے جو اہل اسپارٹہ کے شایاں ہے ۔ ادھر (کلیونی موس کی نوجوان بیوی) کی لونیس گلے میں پھندا ڈال کر ایک طرف ہوگئی کہ اگر شہر فتح ہوا تو وہ پھانسی لے کر ہلاک ہو جائے گی مگر کلیونی موس کے ہاتھ پڑنا گوارا نہ کرے گی ۔

اب ہائی روس پیدل فوج لے کر خود بڑھا کہ اسپارٹہ والے جو ڈھالیں ملا کر مقابلے میں صف بستہ تھے ، انھیں دھکیل کر گزر جائے اور خندقوں کے پار ہو جائے اگرچہ وہ تازہ کھُدنے کی وجہ سے کچی اور مشکل سے قابلِ عبور تھیں ۔ اس کا بیٹا تپولمی دو ہزار غالوں اور چیدہ ترین کاونی جوانوں کو لے کر آگے گیا کہ چکر کھا کے خندق سے نکل جائے جہاں گاڑیاں کھڑی تھیں ۔ لیکن وہ اس قدر گہری گڑی ہوئی تھیں اور ایک دوسرے سے اس طرح ملا کر قائم کی گئی تھیں کہ نہ صرف اس کو راستہ طے کرنے میں بلکہ خود اسپارٹہ والوں کو انھیں روکنے میں بہت تکلیف ہوئی ۔ تاہم غالی سپاہیوں نے چپتے زمین سے نکال کر گاڑیوں کو ندی کی طرف کھینچنا شروع کیا ۔ شاہ اریوس کے بیٹے ، نوجوان اک روٹاتوس نے خطرہ بھانپ لیا اور تین سو

جوانوں کے ہمراہ بستی سے گزر کر پتولمی کو اس طرح گھیرا کہ اونچی نیچی زمین کے باعث وہ خبردار نہ ہوسکا حتّٰی کہ اسپارٹی اس کے عقب میں حملہ آور ہوئے اور اُسے اُدھر پلٹنا پڑا۔ پھر ایک پر ایک خندقوں میں گرتے اور گاڑیوں میں اُلجھ اُلجھ کر نقصان اٹھانے کے بعد وہ پیچھے ہٹ سکے۔ یہ کیفیت شہر کے بڑے بوڑھے اور عورتیں بھی دیکھ رہی تھیں اور جس وقت اک روتاتوس دشمن کو بہادری سے پسپا کرکے خون میں بھرا ہوا، تمتمائے ہوئے چہرے کے ساتھ خوش خوش واپس ہوا تو وہ اور زیادہ قدآور اور خوب صورت معلوم ہوتا تھا کہ اسے دیکھ کر عورتوں کو کی لونیس پر رشک آنے لگا کہ ایسا چاہنے والا اُسے نصیب ہو۔ بلکہ بعض بوڑھے مرد تو اس کے پیچھے پیچھے یہ پکارتے ہوئے چلے کہ:

"اک روتاتوس تمہیں کی لونیس مبارک ہو۔ تم اس کے ساتھ مزے سے رہو اور اسپارٹہ کے لیے بہادر فرزند جنواؤ"۔

جہاں پای روس خود لڑ رہا تھا، وہاں سب سے سخت معرکہ پڑا، اسپارٹہ والوں نے بڑی جواں مردی دکھائی، خصوصاً ایک شخص فی لوس نے بہترین مقابلہ کیا اور بہت سے حریفوں کو تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ پھر جب زخموں سے نڈھال ہوگیا تو بھی ایک طرف ہٹ کر اپنے سپاہیوں میں گرا کہ اس کی لاش دشمن کے ہاتھ نہ پڑے۔

رات نے لڑائی ملتوی کرادی اور پای روس نے سوتے میں یہ خواب دیکھا کہ وہ شہر اسپارٹہ پر بجلیاں گرا رہا اور آگ لگا کر خوش ہو رہا ہے۔ یہ خواب دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا اور اپنے سرداروں کو بلا کر دوسرے حملے کی تیاری کا حکم دیا۔ اپنے دوستوں سے بھی اُس نے خواب بیان

کیا اور اس کی تعبیر یہ لی کہ شہر یورش کر کے لیا جائے گا۔ خواب سُن کر سب خوش ہوئے اور تعبیر پسند کی لیکن ایک شخص لی سی ماک کو یہ خواب اچھا نہیں معلوم ہوا اور اس نے پائی روس سے کہا کہ جن مقامات پر بجلی گرتی ہے، وہ ہمارے مذہب میں قابلِ حُرمت ہو جاتے ہیں۔ بس خواب کا کہیں یہ مطلب تو نہیں ہے کہ دیوتا اسے شہر پر حملہ کرنے سے روکنا چاہتے ہیں؟ پائی روس نے جواب دیا کہ یہ سب خیالی باتیں ہیں، ان کا کچھ اعتبار نہیں۔ فقط جاہلوں کے دل بہلانے کے لیے اچھی ہیں۔ ہمارے ہاتھوں میں تلوار اور ذہن میں صرف یہ خیال ہونا چاہیے کہ: ع

"شگون نیک ہے پائی روس بادشاہ کے ساتھ"

یہ کہہ کر اٹھا اور صبح ہوتے شہر کے سامنے اپنی صفیں جمائیں۔ دن نکلتے ہی لڑائی کا آغاز ہوا اور اسپارٹہ والے خوب جی توڑ کر لڑے۔ عورتوں نے بھی مدد دینے میں کمی نہ کی۔ دوڑ دوڑ کے ہتھیار، کھانا، پانی پہنچاتی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی رہیں۔ دوسری طرف پائی روس گھوڑے پر سوار خود فوج کو لیے ہوئے خندق اور گاڑیوں کی طرف حملہ آور ہوا۔ مقدونی سپاہی مٹی اور ملبہ لے کر چلے اور خندق کو پاٹنا شروع کیا جس میں پہلے ہی جگہ جگہ لاشیں اور ہتھیار وغیرہ پڑے تھے۔ اسپارٹی پہرہ دار پائی روس کے شدید حملے کی تاب نہ لا سکے۔ وہ مدد کے لیے پکارے۔ عورتیں چیختی چلاتی ادھر اُدھر دوڑیں اور پائی روس تمام مزاحموں کو دُور کرتا ہُوا آگے بڑھا۔ اُس وقت اُس کے گھوڑے کے پیٹ میں ایک فرلطی تیر ایسا لگا کہ وہ بے قرار ہو کر

بل کھانے لگا اور خود بھی مر کر گرا اور پای روس کو بھی ڈھلوان زمین پر پھینک دیا۔ اس سے حملہ آوروں میں ہل چل مچ گئی اور اسپارٹہ والوں نے فائدہ اٹھا کے اُنھیں پھر پیچھے دھکیل دیا۔ تھوڑی دیر بعد خود پای روس نے دوسری طرف بھی لڑائی روک دی اور خیال کیا کہ اب اہل اسپارٹہ ہتھیار ڈالنے پہ آمادہ ہو جائیں گے کیوں کہ ان کے بہت سے آدمی مقتول اور باقی تقریباً سب زخمی ہو چکے تھے۔ لیکن قضا و قدر نے یا تو اہل شہر کی بہادری کی آزمائش سے مطمئن ہو کر، اور یا یہ دکھانے کے لیے کہ انتہائی مایوسی کی حالت میں بھی تقدیر کی مداخلت کچھ سے کچھ کر دکھاتی ہو، عین اسی وقت انتی گونس کے ایک سردار امی نیاسس کو بھیج دیا اور اس کے شہر میں داخل ہوتے ہی خود اریوس شاہ اسپارٹہ قریطے سے اپنے دو ہزار سپاہی لے کر واپس پہنچ گیا۔ تب عورتیں اپنی شرکتِ جنگ غیر ضروری سمجھ کر گھروں کو چلی گئیں اور جو لوگ قابلِ جنگ عمر کے نہ تھے مگر مجبوری کو مدافعت کے کام میں لگائے گئے تھے، انھیں بھی واپس کر دیا گیا اور باقی مرد پھر مقابلے کے واسطے تیار ہوے۔

اُدھر، نئی فوجوں کی آمد سُن کر پای روس کا شوقِ جنگ تیز ہو گیا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس منصوبے میں کام یابی نہ ہوئی اور روزانہ اس کے نقصان ہونے لگے تو محاصرہ چھوڑ کر گرد و نواح کا علاقہ تاراج کرنے لگا اور قصد کیا کہ جاڑے وہیں گزارے گا، لیکن تقدیر کچھ اور فیصلہ کر چکی تھی۔ شہر ارگوس کے دو با اثر شہریوں میں خانہ جنگی ٹھن گئی۔ ایک نے شاہ انتی گونس کی دوستی سے کام لینا چاہا۔ دوسرے نے اس کے

توڑ میں پای روس کو دعوت دی ۔ وہ تو نئے نئے منصوبے بناتا ہی رہتا تھا اور سابقہ کامیابیوں کو نئی مہمات کا محرک اور پچھلی ناکامیوں کی تلافی کا ذریعہ تازہ تر فتوحات ہی کو سمجھتا تھا ۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ فتح یا شکست کوئی چیز بھی اسے فساد پھیلانے یا خود پھنسنے سے نہ روک سکتی تھی ۔ لہٰذا فوراً ارگوس کی طرف چل پڑا ۔ اس سفر میں اریوس نے جگہ جگہ اس کی فوج پر چھاپے مارے اور جہاں کہیں راستہ دشوار گزار تھا ، وہاں گھات لگا لگا کے حملے کیے ۔ اُس کی عقبی فوج میں غال اور مُلوسی سپاہی تھے ، ان کو اریوس نے خوب پریشان کیا ۔ اسی دوران میں قربانی کے جانور کا جگر ناقص دیکھ کر ایک پروہت نے بتایا کہ اس بدشگونی کا مطلب یہ ہے کہ اسے کسی قریبی رشتے دار کا صدمہ اٹھانا پڑے گا ۔ لیکن عقبی فوج پر حملے کی گڑبڑ میں وہ یہ پیش گوئی بھول گیا اور اپنے بیٹے تپولمی کو فوج رکاب کی ایک جماعت کے ساتھ کمک پہنچانے پہ مامور کرکے خود اُس درے سے جلد باہر نکل آیا ۔ اِدھر تپولمی گھمسان کی جنگ میں بہادری سے لڑ رہا تھا کہ ایک قریطی اوری سوس نامی نے جو نہایت تنومند اور پاؤں کا چالاک تھا ، نوجوان شہزادے پہ ایک پہلو سے دوڑ کر کاری وار لیا اور اُس کے مر کر گرتے ہی اُس کے ساتھیوں نے پیٹھ پھیر دی ۔ اسپارٹہ والے بروال کوس کی قیادت میں ، تعاقب کرتے ہوئے درے سے باہر تک نکل کر آئے اور بغیر پیادوں کے پہنچے ، بلا ارادہ میدانی جنگ میں پھنس گئے ۔ پای روس بیٹے کی موت کی خبر سُن کر سخت غم زدہ تھا ۔ اب اُس نے مُلوسی رسالے سے اسپارٹہ والوں پہ اِس

قیامت کا حملہ کیا کہ کُشتوں کے پُشتے لگ گئے ۔ جنگ کے اصلی میدان میں پای روس کی دلیری اور خوف ناک شجاعت مسلم تھی لیکن اس موقع پر اس نے ہمیشہ سے بڑھ کر قوت اور جوش دکھایا ۔ جس وقت وہ رِوال کوس پر گھوڑا چڑھا کے لایا تو اس نے ایک طرف دب کر تلوار ماری جس سے قریب تھا کہ پای روس کا ہاتھ کٹ جائے مگر صرف باگیں کٹیں اور ادھر پای روس نے گھوڑے سے گرتے گرتے روال کوس کو نیزے میں چھید دیا ۔ پھر فوراً اُٹھ کر پیادہ پا تیغ زنی شروع کی اور رِوال کوس کی لاش کے گرد جو چیدہ سپاہی جمع تھے ، اُن کو چُن چُن کے قتل کیا ۔ یہ وہ مزید نقصان تھا جو لڑائی ختم ہونے کے بعد اسپارٹہ کو محض سپہ سالاروں کی عداوت کے باعث اٹھانا پڑا ۔ غرض بیٹے کی روح پر اس قدر جانوں کی بھینٹ چڑھانے ، اس کے اعزازِ موتی میں ایسی شان دار لڑائی لڑنے اور اپنی آتشِ انتقام بُجھانے کے بعد ، پای روس نے شہر ارگوس کا راستہ لیا اور یہ سُن کر کہ انتی گونس پہاڑیوں پر پہلے سے پہنچ چکا ہے ، وہ نوپ لیا میں خیمہ زن ہُوا ۔ دوسرے دن انتی گونس کے پاس ایک نقیب بھیجا اور اُسے بدمعاش کے نام سے خطاب کر کے پیام دیا کہ ہمت ہے تو میدان میں اُتر کر بادشاہی کے لیے دو دو ہاتھ کر لے ۔ انتی گونس نے جواب میں کہا کہ ہمارے اطوار کا فیصلہ تو زمانہ اور ہتھیار کریں گے لیکن پای روس کو زندہ رہنے کی فرصت نہیں ہے تو جان دینے کے بہت سے ذریعے موجود ہیں ۔

اب ارگوس والوں نے دونوں بادشاہوں کے پاس ایلچی بھیجے

کہ وہ واپس چلے جائیں اور اہل شہر کو دونوں کا دوست رہنے دیں بغیر اس کے کہ ان میں سے کوئی شہر پر قبضہ کرے۔ انتی گونس رضامند کرلیا گیا اور اس نے ضمانت میں اپنے فرزند کو شہر والوں کے پاس بھیج دیا لیکن پائی رُوس نے ہٹ جانے کا وعدہ تو کیا مگر اس قسم کی کوئی ضمانت نہ دی جس سے لوگ مشتبہ ہوگئے۔ اسی زمانے میں ایک عجیب واقعہ یہ ہُوا کہ پائی رُوس کی قربانی میں بیلوں کے سر جو دھڑ سے جُدا کر دیے گئے تھے، ان کی زبانیں منہ سے نکلی اور اپنا خون چاٹتی ہوئی دیکھی گئیں۔ خود شہر ارگوس میں اپالو دیوتا کی ایک مُرلی مندر سے دوڑتی ہوئی نکلی اور پکاری کہ مجھے شہر میں لاشیں ہی لاشیں اور قتل و خون نظر آرہا ہے اور ایک عقاب لڑنے کے لیے آیا اور فوراً ہی غائب ہوتا دکھائی دیا ہے۔

آدھی رات گزر چکی تھی۔ جب پائی رُوس شہر پناہ کے قریب آیا اور اس کے شہری رفیقوں نے جو پھاٹک اس کے واسطے کھُلا رکھا تھا، وہاں پہنچ گیا۔ اس کے شہر میں داخل ہونے کی دیر تک لوگوں کو خبر نہ ہوئی حتےٰ کہ اس کے غالی سپاہی اندر آکر منڈی پر قابض ہوگئے۔ لیکن شہر کا یہ دروازہ ہاتھیوں کے لیے کافی بلند نہ تھا۔ اُن کی عماریاں اُتار کر انھیں لانا اور اندھیرے میں دوبارہ عماریاں چڑھانی، باندھنی پڑیں۔ اس میں بہت وقت ضائع ہُوا اور شہر میں خبر ہوگئی۔ لوگ گھبرا کے دوڑے اور کچھ تو وہاں کے بالاحصار (اسپیس) میں اور باقی محفوظ مقامات میں چلے گئے۔ اسی کے ساتھ انتی گونس کو مدد کے لیے طلب کیا۔ وہ لشکر لے کر

چلا مگر قریب پہنچ کر خود رُک گیا اور اپنے بیٹے اور چند سرداروں کو معقول فوج دے کر اندر روانہ کیا۔ اُسی وقت ارلویس بھی ایک ہزار قرطبی اور چیدہ اسپارٹی سپاہیوں کو لے کر شہر میں داخل ہوگیا اور غالوں پر حملہ کرکے اُن میں سخت بدنظمی پیدا کر دی۔ پای روس نے اُدھر آ کر جب غالوں کو پکارا اور جواب میں انھوں نے بھی آواز دی تو وہ اُن کے لہجے سے سمجھ گیا کہ یہ مصیبت میں آئے ہوئے لوگوں کی آواز ہے جو اس وقت بُری طرح اُلجھے ہوئے ہیں۔ پس وہ اگلے رسالے کو ان کی مدد لیے چلا مگر اس شہر میں جگہ جگہ نالیاں اور چہ بچے بنے ہوئے ہیں لہذا بہت بچ بچ کر آہستہ آہستہ آنا پڑا اس عرصے میں رات کی تاریکی نے دوست دشمن سب کو حیران پریشان کر رکھا تھا کہ نہ معلوم لڑائی میں کیا ہُوا اور سرداروں نے کیا احکام جاری کیے۔ تنگ گلیوں میں لوگ بار بار دھوکے کھاتے اور بھٹکتے پھرتے تھے۔ اندھیرے اور شور وغل اور ریلوں میں ساری سپہ سالاری بیکار ہوگئی تھی لہذا فریقین لڑنے سے ہاتھ روک کر صبح کا انتظار کرنے لگے۔ سفیدی نمودار ہوتے ہی پای روس پہلے تو بالاحصار میں مخالفین کی کثرت دیکھ کر گھبرایا اور ادھر منڈی میں اس کی نظر مورتوں پر پڑی جن میں ایک بھیڑیے اور سانڈ کی برنجی صورتیں بھی تھیں کہ گویا ایک دوسرے پر حملہ کر رہے ہیں۔ انھیں دیکھ کر پای روس کو اپنی نسبت وہ پیشین گوئی یاد آگئی کہ "قضا و قدر نے اس کی موت اس وقت بدی ہے، جب وہ سانڈ اور بھیڑیے کو لڑتے دیکھے گا"۔ واضح رہے کہ یہ پتلے

بہت پہلے سے وہاں نصب تھے اور اہلِ ارگوس انھیں اپنے مورثِ اعلا دناوس کے ایک مشاہدے کی یادگار بتاتے تھے کہ جب وہ پہلے پہلے ساحل پر لنگر انداز ہُوا اور ارگوس کی طرف آ رہا تھا تو راستے میں ایک سانڈ کو بھیڑیے سے لڑتے دیکھ کر اس نے بھیڑیے کو اپنا نمایندہ قرار دیا (کیوں کہ دناوس نے جس قسم کا منصوبہ باندھا تھا، اسی طرح یہ بھیڑیا ایک مقامی جانور پر حملہ کر رہا تھا۔) پھر تفاؤل کے لیے ٹھیر کر ان کی لڑائی دیکھتا رہا یہاں تک کہ بھیڑیا غالب آیا۔ تب اس نے اپالو کے نام کی قربانی کی اور شہر پر حملہ کر کے لینے میں کام یاب ہوگیا۔ وہاں کے قدیم امیر گلانور کو شہر کے ایک مخالف فرقے نے معزول کر دیا۔ غرض ان مورتوں کو نصب کرنے کی یہ وجہ تھی۔

اس منظر نے پائی روس کی ہمّت پست کر دی اور اپنے سب منصوبوں کو ناکام دیکھ کر اس نے پسپا ہو جانا ہی بہتر سمجھا۔ لیکن شہر کے دروازے پر راستہ تنگ ہونے کے اندیشے سے، اس نے اپنے فرزند ہلی نوس کو جسے فوج کثیر دے کر شہر کے باہر چھوڑ آیا تھا، یہ حُکم بھیجا کہ وہ فصیل کا ایک حصہ توڑ ڈالے اور اندر کی فوج پر دشمن کا دباؤ زیادہ پڑے تو پسپا ہونے میں مدد دے۔ لیکن اس جلدی اور پریشانی کی حالت میں قاصد یہ پیام صاف طور پر ادا نہ کر سکا اور یا اس کے سمجھنے میں غلطی ہوئی کہ نوجوان شہزادہ باقی جمعیت اور ہاتھی لے کر دروازۂ شہر میں گھُس پڑا کہ باپ کو مدد پہنچائے۔ اُدھر پائی روس فوج کو ہٹا لانے میں کام یاب ہو رہا تھا اور منڈی میں پار رہا دشمن

کے حملے روک کر دروازے کی طرف ہٹ رہا تھا لیکن جس وقت چوک سے نکل کر وہ دروازے کے تنگ راستے میں پہنچا تو ادھر سے بیٹے کی فوج اندر داخل ہو رہی تھی جس نے دونوں طرف سخت ہل چل اور کشاکش پیدا کر دی۔ پای روس چلا رہا تھا کہ واپس جاؤ، لیکن اس ہنگامے میں آواز سنائی نہ دیتی تھی اور جنھوں نے سن کر فوراً ہٹنا چاہا تو پیچھے سے جو ریلا چلا آ رہا تھا، اس نے انھیں ہٹنے نہ دیا۔ ایک اور آفت یہ ہوئی کہ پای روس کا سب سے بڑا جنگی ہاتھی عین دروازے میں پہلو کے بل گرا اور پڑا چنگھاڑ رہا اور آنے جانے والوں کا راستہ روک رہا تھا۔ دوسرا ہاتھی نی کون پہلے سے شہر کے اندر آ چکا تھا۔ اس کا فیل بان بہت سے زخم کھا کر نیچے گرا تو ہاتھی نے اسے اٹھانے کے لیے یورش کی اور دوست دشمن سب کو روندتا ہوا آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ فیل بان کی لاش مل گئی تو اسے سونڈ میں اٹھا کر بڑے دانتوں پر رکھ لیا اور غیظ و غضب کی حالت میں لوگوں کو روندنے کھوندنے لگا۔ اس قیامت کے طوفان میں دونوں سمت کے ریلوں نے اس طرح لوگوں کو بھڑا کر بھینچ دیا کہ وہ سب بے قابو رہ گئے اور کبھی ایک طرف بہہ جاتے تھے کبھی دوسری طرف۔ عقب میں دشمن حملے کر رہا تھا۔ یہ بھیڑ نہ اس کو روک سکتی تھی نہ خود ہجوم کے اندر دشمن کے جو سپاہی آ پھنسے تھے ان کا کچھ بگاڑ سکتی تھی بلکہ کش مکش میں الٹا اپنے آدمیوں ہی کو نقصان پہنچا رہی تھی۔ کیوں کہ جس کی تلوار میان سے باہر تھی نہ وہ اسے میان میں کر سکتا تھا نہ اوپر اٹھائے رکھ سکتا تھا۔ اسی طرح جن کے ہاتھوں میں نیزے تھے، وہ انھیں ہٹا نہ سکتے تھے بلکہ بھیڑ

میں اپنے ہی آدمی نیزوں سے زخمی ہو رہے تھے اور بعض ایک دوسرے کے دباؤ سے دم گھٹ کر مر رہے تھے۔

پای روس کی سنیے کہ وہ اس طوفانِ بے تمیزی کو دیکھ کر آگے بڑھا اور اپنا تاج خود پر سے اُتار کر قریب والے آدمی کو دیا پھر جس جگہ دشمن کی سب سے زیادہ جمعیت تھی، اپنے گھوڑے کی ہشیاری پر بھروسا کر کے اُسی گھمسان میں گھس گیا۔ ایک ادنا درجے کے آرگوسی جوان نے اس کے پہلو پر نیزہ مارا جو بکتر توڑ کر اندر تک پہنچا لیکن گہرا زخم نہ آیا۔ مگر حملہ آور کی بوڑھی ماں بھی وہیں چھت پر سے دوسری عورتوں کے ساتھ لڑائی کا تماشا دیکھ رہی تھی اور جب پای روس نے پلٹ کر آرگوسی پر وار کیا تو اس بُڑھیا نے خوف زدہ ہو کر چھت کا ایک کھپرا دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر بادشاہ پر پھینک مارا۔ یہ کھپرا خود کے نیچے اس کی گُدّی پر پڑا اور گردن کے نیچے کی ہڈی کو ایسا صدمہ پہنچا کہ پای روس کی آنکھوں میں اندھیرا آگیا۔ ہاتھ سے باگ چھُوٹ گئی اور وہ غش کھا کر لی کیم نیوس کے مقبرے کے بالکل قریب گر پڑا۔ عام سپاہیوں نے اسے نہیں پہچانا تھا۔ لیکن زوپی روس جو انتی گونس کی ملازمت میں رہ چکا تھا اور دو تین دوسرے سپاہی سمجھ گئے کہ وہ پای روس ہے۔ انھوں نے دوڑ کر اسے وہاں سے گھسیٹا اور ایک مکان کی ڈیوڑھی میں لے آئے۔ اسے ہوش آنے لگا تھا اور جس وقت زوپی روس نے اپنی ایریہ کی تلوار کھینچی تو پای روس نے ایسی نگاہِ قہر سے اُسے دیکھا کہ اس کے ہاتھ پانو خوف سے پھول گئے اور گردن کی بجائے مُنہ پر سے

اس کا سر کاٹنے لگا۔ غرض بہ مشکل اور لرزتے ہاتھوں سے وہ اس کا سر کاٹ سکا۔ اتنی دیر میں یہ خبر مشہور ہو چکی تھی اور شاہ انتی گونس کا بیٹا ان کیونیوس خود بہ عجلت تمام وہاں پہنچا اور شناخت کے لیے کٹا ہوا سر ہاتھ میں لیا پھر اُسے لیے ہوے باپ کے پاس آیا جو اپنے خاص احباب کے حلقے میں بیٹھا تھا۔ ان کیونیوس نے کٹا ہوا سر باپ کے قدموں میں پھینک دیا لیکن انتی گونس نے اسے دیکھ کر مطلب سمجھ لیا تو بیٹے کو عصا مار کر پاس سے ہٹایا اور وحشی اور شقی کے الفاظ سے یاد کیا۔ پھر چُغہ مُنہ پر رکھ کر آنسو بہائے اور خود اپنے باپ دادا کا واقعہ یاد کیا جو خود اُن کے گھرانے میں گردشِ روزگار کی مثالیں تھیں۔ اس کے بعد پای روس کے جسم و سر کو تمام رسوم کے ساتھ جلوایا۔ کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ال کیونیوس نے یلی نوس کو بھی اس حال میں پکڑا کہ وہ ادنا آدمی کے بھیس میں جھرجھرا سا کوٹ پہنے تھا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ شہزادہ عزت کے ساتھ پیش آیا اور اسے اپنے باپ کے رُو برو پیش کیا۔ انتی گونس نے یہ دیکھ کر کہا بے شک میرے بیٹے! یہ طرزِ عمل پہلے سے بہتر ہے لیکن ان کپڑوں میں اسے رہنے دیا، یہ تم نے اچھا نہ کیا کیوں کہ اب اُس کے ایسا لباس پہنے ہوے ہونے میں اُن کی بے عزتی ہے جو اس وقت فاتح نظر آتے ہیں۔" پھر وہ یلی نوس کے ساتھ بڑی عنایت سے پیش آیا جیسا کہ ایک بادشاہ کے شایانِ شان ہے اور اسے اپی روس کی حکومت واپس دی۔ علی ہذا پای روس کی لشکر گاہ اور تمام فوج اس کے ہاتھ پڑی تو اُس وقت بھی بڑے بڑے سرداروں سے اُس نے نہایت اخلاق کا برتاؤ کیا۔

کایوس ماریوس (یا مے رئیس)

ہمیں ماریوس کے تیسرے (خاندانی) نام سے کوئی آگہی نہیں۔ اور یہی حال اسپین کے رومی فاتح کوانٹس سرٹوریوس اور کورنتھ کو تباہ کرنے والے رومی سپہ سالار لوسیوس کا ہے۔ اگرچہ اکائیہ کو فتح کرنے کی وجہ سے اس کا لقب "اکائی کوس" نام کا جز ہو گیا تھا جس طرح سپیو کو افری کانوس کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اسی لیے جن لوگوں کا خیال ہے کہ رومیوں میں اصلی نام ہی تیسرا نام ہوا کرتا تھا، پوسی ڈونیوس ان کی تردید کرتا اور مذکورہ بالا مثالیں دے کر لکھتا ہے کہ ایسا ہو تو جن کے صرف دو نام ہیں، ان کا ذاتی یا اصلی نام کوئی بھی نہیں رہے گا۔ لیکن اس دلیل کو پیش کرتے وقت وہ یہ بات بھول گیا کہ رومی عورتوں کا پہلا نام کوئی نہ ہوتا تھا جسے یہ مصنف اصلی نام قرار دیتا ہے۔ حال آں کہ دراصل پہلا نام خاندان یا قبیلے کے جملہ افراد میں مشترک ہوتا تھا، جیسے پوم پی آئی، مان لی آئی وغیرہ۔ اور اصل شخصی نام دوسرا ہی ہوا کرتا تھا جو شکل صورت یا کسی خو خصلت کی بنا پر رکھا جاتا تھا۔ جیسے "ناکسو عوس" "سیلا" وغیرہ۔ لیکن اس موضوع پر مختلف ملکوں کے جداگانہ رسم و رواج پر کوئی چاہے تو ایک علاحدہ کتاب لکھ سکتا ہے۔

ایک غالیہ کے شہر راونا میں ماریوس کی پتھر کی ایک شبیہ

بنی ہوئی ہے جسے خود میں نے دیکھا ہے، یہ اس کھُردرے پن اور صلابت کے اوصاف سے بالکل مناسب ہے جو ماریوس کے مزاج سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ وہ طبعاً دلیر و جنگ جُو تھا اور شہری طور و طریق کی بجائے لشکری قواعد و ضوابط ہی سے زیادہ واقفیت رکھتا تھا۔ لہٰذا حکومت و اقتدار پاکر بھی اپنے جذبات کو معتدل نہیں رکھ سکتا تھا۔ اُن دنوں روما میں یونانی علوم کا رواج ہوگیا تھا لیکن یونانی زبان کے استاد غلاموں جیسی حیثیت کے لوگ ہوتے تھے اور ان سے تعلیم حاصل کرنا ماریوس کے نزدیک مضحکہ انگیز بات تھی۔ چناں چہ کہا جاتا ہے کہ اس نے نہ یونانی سیکھی نہ کبھی کسی اہم معاملے میں اس زبان سے کام لینا پسند کیا۔ زینوکرات فلسفی بھی ضرورت سے زیادہ سخت مزاج سمجھا جاتا تھا اور افلاطون حکیم اس سے کہا کرتا تھا کہ "میرے اچھے زینوکراتس، تم دل داری کی اداوں (= گریسیز) کی نیاز چڑھاؤ"۔ سو اسی طرح اگر کوئی ماریوس کو بھی ترغیب دے سکتا کہ وہ یونان کی مَلکات لطیفہ اور ربّات حسینہ سے لَو لگائے تو ممکن تھا کہ یہ نامی سپہ سالار امن و جنگ دونوں حالتوں میں اُن بے اعتدالیوں سے بچ جاتا جن کا بُرا انجام یہ ہُوا کہ طیش و انتقام اور حرص و ہوس کی بہ دولت اُس نے بڑھاپے میں اپنی زندگی برباد و خراب کی۔ لیکن اس کی تفصیل بہ تدریج آیندہ واقعات میں ہمارے سامنے آئے گی۔

وہ غریب اور مفلوک الحال ماں باپ کا بیٹا تھا، جو محنت مزدوری کرکے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ باپ ماریوس اور ماں فُلسی نیا تھی۔ زندگی کا بڑا حصہ گزر جانے کے بعد، اسے شہر دیکھنے اور وہاں

کے عیش و آرام کا لُطف اٹھانے کی نوبت آئی ۔ کیوں کہ وہ ارپی نم علاقے کے ایک گانو کرِھباتوں میں رہتا تھا جہاں شہری تہذیب و تمدّن کی بجائے بہت سادہ اور دیہقانی معاشرت تھی اگرچہ وہ قدیم رومی اصول سے زیادہ مطابقت رکھتی تھی ۔ پہلی مرتبہ وہ معمولی سپاہی کی حیثیت سے کل تی بریہ کی جنگ میں شریک ہُوا جب سی پیو نے نوماں تیہ کا محاصرہ کر رکھا تھا ۔ یہاں اس نے اپنے ساتھیوں سے کہیں زیادہ ہمّت و دلاوری دکھائی اور اس لیے اور بھی سی پیو کو پسند آیا کہ اُس کے نئے احکام کی خوشی خوشی تعمیل کرتا تھا ۔ یہ احکام سی پیو نے اپنی فوج کی اصلاح کے واسطے ، جو عیش و تنعّم کے باعث قریب قریب تباہ ہو رہی تھی ، نافذ کیے تھے ۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے سپہ سالار کے مواجہ میں ایک حریف سے مقابلہ کیا اور اس خوبی سے غلبہ پایا کہ وہ بہت خوش ہوا ۔ غرض ان سب وجوہ سے سی پیو نے اُسے کئی انعام و اعزاز عطا کیے ۔ حتی کہ ایک دعوت میں جب سپہ سالاروں کا ذکر چھڑا اور کسی نے واقعی دریافت کرنے کی غرض سے اور یا محض سی پیو کو خوش کرنے کے واسطے سوال کیا کہ آپ کے بعد رومی آپ جیسا سپہ سالار کہاں سے لائیں گے ، تو سی پیو نے ماریوس کا (جو قریب ہی بیٹھا تھا) شانہ تھپک کر کہا "شاید یہاں سے !" اس واقعے سے جہاں اس کا ہون ہار ہونا ظاہر ہوتا ہے ، وہاں سی پیو کی قوتِ امتیاز کا بھی پتا چلتا ہے کہ اس نے محض اوائلِ حال کو دیکھ کر بعید مستقبل کی عظمت کا اندازہ کر لیا ۔ اِدھر کہا جاتا ہے کہ سی پیو کی یہی بات تھی جس نے علمِ غیبی کی طرح مریوس کو حصولِ منصب و اقتدار کی ہمّت دلائی ۔

پہلے اس نے تری بیونی (وکالتِ عوام) کی کوشش کی اور اپنے خاندان کے مربی متی لوس کی مدد سے یہ عہدہ حاصل کیا۔ اس عہدہ داری کے زمانے میں اس نے ایک مسودہ قانون رائے شماری کو باقاعدہ بنانے کی غرض سے پیش کیا اور چوں کہ اس قانون سے بڑے بڑے لوگوں کے اختیارات میں فرق آتا تھا، لہذا قنصل وقت کوتا نے اس کی مخالفت کی اور مجلسِ عمائد کو ترغیب دی کہ اسے مسترد کردیں اور خود ماریوس سے جواب طلب کیا۔ مجلس کا حکم نامہ تیار کیا جا چکا تھا کہ ماریوس جلسے میں آیا اور بجائے اس کے کہ اس کے طرزِ عمل سے کسی نوجوان آدمی کی ناتجربہ کاری ظاہر ہو، جسے استحقاق و لیاقت سے بڑھ کر عہدہ مل جاتا ہے، اس نے کمال دلیری کے ساتھ جو اس کے آیندہ کارناموں کے شایاں تھی، خود کوتا کو دھمکی دی کہ اگر وہ اپنا حکم نامہ واپس نہ لے گا تو قید میں ڈال دیا جائے گا۔ کوتا نے پلٹ کر متی لوس کی رائے طلب کی اور متی لوس بھی تائید کرنے اٹھا تو ماریوس نے پہرے پر جو سردار باہر کھڑا تھا، اسے بلا کر حکم دیا کہ متی لوس کو حراست میں لے لیا جائے۔ متی لوس نے دوسری تری بیونوں سے مداخلت کی التجا کی مگر ان میں سے کسی نے مدد نہ کی۔ تب مجلس نے بلا تاخیر ماریوس کی بات مان لی اور حکم نامہ واپس لے لیا۔ اس طرح کامیابی پاکر ماریوس مجلس کے باہر آیا اور اپنے قانون کی توثیق کی جس نے لوگوں میں اس کا احترام بڑھا دیا اور اس کی بے باک جرات و استقامت نیز یہ بات ثابت کردی کہ وہ مجلسِ عمائد کے مقابلے میں عوام کا حامی ہے۔ لیکن تھوڑے ہی دن بعد غلے کی تقسیم کا قانون پیش ہوا تو اس نے

سخت مخالفت کی اور یہ قانون منظور نہ ہونے دیا حالاں کہ اس میں عوام الناس کا فائدہ تھا۔ بہر حال، اس کی بے لاگ رائے اور ہمت کے دونوں فریق قائل ہو گئے۔

تری بیونی کے بعد وہ صدر ناظمِ عدالت کے عہدے کا امیدوار ہوا۔ ناظم دو قسم کے ہوتے تھے: ایک تو وہ جو ٹیڑھے پائے کی تپائی پر نشست رکھتے اور اسی کی مناسبت سے "کیوروُل" (= کج پایہ) کہلاتے تھے اور دوسرا گروہ نظمائے عوام کا تھا جو رُتبے میں کم تر ہوتے تھے۔ پہلے اعلا گروہ کا انتخاب ہوتا اور اس کے بعد دوسرے گروہ کا۔ ماریوس نے دیکھا کہ اسے اعلا گروہ کے لیے انتخاب میں دشواری ہوگی پس وہ فوراً ارادہ بدل کر، دوسرے درجے کے انتخاب کے لیے استادہ ہوا لیکن پیش دستی اور تیز مزاجی کی وجہ سے یہاں بھی اسے کام یابی نہیں ہوئی۔ مگر اس قسم کی دُہری ناکامی کے باوجود جو شاید ہی کسی دوسرے کو ہوئی ہو، اس نے ذرا ہمت نہ ہاری بلکہ آیندہ میرِ عدالت کے عہدے کے لیے امیدوار ہوا اور یہاں کش مکش کے بعد سب سے آخر میں اس کا نام منظور ہوا اور اس میں بھی رشوت دہی کا الزام اُس پر لگایا گیا۔

اس شبہ کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ ماریوس کے ایک گہرے دوست سباکو کا نوکر رائے دہندوں کے احاطے میں دیکھا گیا۔ سباکو نے عذر کیا کہ وہ مجھے ٹھنڈا پانی پلانے آیا تھا اور پلاتے ہی واپس چلا گیا۔ پھر بھی مجلسِ عمائد کے محتسبوں نے سباکو کو رکنیت سے مُعطّل کر دیا کہ اگر اس کی شہادت جھوٹی نہ تھی تو بھی اس کی بے صبری ثابت ہوتی ہے!

اس مقدمے میں ہیری نیوس کو بھی گواہی میں لکھوایا گیا تھا مگر اُنھوں نے عذر کیا کہ "ایک رئیس یا مُربّی کا اپنی رعیّت کے خلاف عدالت میں پیش ہونا ، قومی دستور کے خلاف ہے اور چوں کہ ماریوس کے والدین میرے خاندان کی ہمیشہ سے رعیّت رہے ، لہذا مجھے قانون نے اس مشکل فریضے سے معاف رکھا ہے ۔" ماریوس نے جواب میں کہا کہ تری بیون ہونے کے بعد رعیّت گیری ساقط ہو جاتی ہے لیکن یہ درست نہ تھا البتہ کرسیٔ نظامت پہ پہنچنے کے بعد قانون لوگوں کو اور ان کی اولاد کو اس رعیّت گیری سے مستثنیٰ کرتا تھا۔ غرض گو ابتدا میں عدالتِ تحقیقات کا رُخ ماریوس کے خلاف تھا لیکن ارکان میں اختلاف کی وجہ سے ، عام توقع کے خلاف وہ الزام سے بری کر دیا گیا۔

میرِ عدالت کے عہدے پر اُس نے کوئی کارِ نمایاں نہیں دکھایا۔ البتہ اس کے بعد ہسپانیۂ بعید کی حکومت اُسے مل گئی اور ان اضلاع کو اُس نے قزاقوں سے نجات دلائی ، کیوں کہ اُن دنوں اہلِ ہسپانیہ میں قدیم بدوی عادتیں تھیں اور وہ ڈکیتی کو بھی بہادری کی قسم سمجھتے تھے ماریوس کے پاس روما میں دولت نہ تھی نہ فصاحت جن کے ذریعے وہاں کے بڑے لوگ عوام سے حکومت و اقتدار حاصل کرتے تھے۔ البتہ وہ نہایت محنتی مستعد اور سادہ زندگی بسر کرنے والا آدمی تھا اور انہی اوصاف نے اسے لوگوں میں عزّت و اقتدار دلوایا حتّٰی کہ اس کا رشتہ سیزر خاندان کی لڑکی جولیا سے ہو گیا۔ مشہور جولیئس سیزر اس کا بھتیجا ہوتا تھا چناں چہ اس قرابت ہی کے باعث جولیئس ایک حد تک ماریوس کا مقلد بھی تھا جیسا کہ اس کی زندگی کے حالات دیکھنے

سے ظاہر ہوتا ہی۔

ماریوس کی صبر و برداشت کی دونوں اعتبار سے تعریف کی جاتی ہی چناں چہ ایک جراحی عمل میں اس کی بخوبی تصدیق ہوئی۔ معلوم ہوتا ہی اس کی دونو ٹانگوں میں بڑے بڑے گومڑے تھے اور اس بدنمائی کو دُور کرنے کی غرض سے اس نے اپنے تئیں جرّاح کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا۔ پھر بغیر باندھے اُس نے اپنی ٹانگ سامنے کر دی اور گومڑوں کے کاٹے جانے میں نہایت شدید تکلیف اس طرح برداشت کی کہ نہ چہرے پر شکن آنے دی نہ ٹانگ ہٹائی نہ شکایت کا کوئی لفظ منہ سے نکالا۔ جس وقت جرّاح دوسری ٹانگ کی طرف بڑھا تو اُس نے یہ کہ کر اُسے روک دیا کہ "معلوم ہوا علاج کے معاوضے میں تکلیف اس سے مہنگی ہی"۔

افریقہ میں جُوگرتھا کا مقابلہ کرنے کے لیے متی لوس، سپہ سالار مقرر ہوا تو وہ اپنا نائب بنا کے ماریوس کو ساتھ لے گیا۔ ماریوس نے یہ تقرر متی لوس کی عنایت کی بجائے تقدیر کی سازگاری پر محمول کیا کہ اُسے بڑے بڑے کام کرنے کا ایسا اچھا موقع عنایت ہُوا۔ لہذا دوسرے سرداروں کے خلاف جو متی لوس کی خاطر لڑے وہ خود اپنی نام وری اور کارنمایاں دکھانے میں ساعی رہا۔ اور حق یہ کہ اس جنگ میں جب مشکلات پیش آئیں تو نہ سخت سے سخت مُشکل میں اس نے جی چُرایا نہ کسی نا درجے کے کام کرنے میں شرم کی بلکہ ایک طرف تو سرداری اور مشورہ دینے میں اپنے برابر والوں سے بازی لے گیا اور دوسری طرف معمولی سپاہیوں کے ساتھ محنت مشقت کرنے اور اُنھی جیسا موٹا جھوٹا کھانے کے باعث بڑی ہر دل عزیزی حاصل کی۔ کیوں کہ یہ واقعہ ہی کہ محنت میں لوگوں

کے ساتھ اپنی مرضی سے شریک ہونا اُن کی محنت کو آسان کر دیتا ہی اور معلوم ہوتا ہی، ان کی مجبوری کا احساس ہلکا ہو جاتا ہی۔ دوسرے رومی سپاہی کی ممنونیت کا اس سے بڑھ کر موجب کوئی نہ ہوگا کہ وہ اپنے سپہ سالار کو اپنی جیسی روٹی کھاتے، معمولی بستر پر سوتے اور خندق کی مٹّی ڈھوتے یا دم دمہ بناتے مشاہدہ کرے۔ اُن کی عقیدت کے لیے سپہ سالاروں کا بڑے بڑے اعزاز و دولت آپس میں بانٹ لینا ایسا محرک نہیں ہی جیسا کہ سپاہیوں کی محنت اور خطرات میں شرکت کرنا۔ بلکہ وہ تو انھی سرداروں کو زیادہ چاہتے ہیں جو خود شریک رہ کر اُن سے کام لیں بہ نسبت اُن کے جو اُنھیں سست پڑا رہنے دیں۔

غرض ماریوس نے اس خدمت کے زمانے میں سپاہیوں کے دل میں ایسی جگہ کرلی کہ تھوڑی ہی مدت میں افریقہ اور خود دومہ اس کی شہرت سے گونجنے لگے اور بعض لوگوں نے تو لشکر سے وطن کو خط لکھے کہ افریقہ کی جنگ ختم نہ ہوگی جب تک کہ کایوس ماریوس کو حاکم اعلا یعنی قنصل انتخاب نہ کیا جائے گا۔ بہ ظاہر یہ سب باتیں متی لوس کو ناگوار گزریں۔ ان سب پر تورپی لی اس کا رنج وہ واقعہ مستزاد ہوا جو پُشت ہا پشت سے متی لوس کا دوست تھا اور ہمیشہ اس کی تواضع اور مہمان داری کرتا رہتا تھا۔ وہ اس جنگ میں فوج کے ستری اور لہاروں کا حاکم بن کر آیا تھا۔ پھر اسے ایک خاصی بڑی بستی واگا کی نگرانی سپرد ہوئی گمہ۔ یہاں کے باشندوں کے ساتھ اس نے جو عنایت و شرافت کا برتاؤ کیا تھا،

اس کے بھروسے پر وہ ایسا غافل ہُوا کہ دشمن کے جال میں آگیا۔ اہلِ شہر نے جوگرتھا کو شہر میں بُلا لیا لیکن اُنھی کی درخواست پر توری پی لی اس کو بلا گزند چھوڑ دیا گیا۔ اس پر خود رومیوں نے الزام لگایا کہ توری پی لی نے دشمن سے مل کر شہر کھو دیا۔ یہ مقدمہ مجلسِ جنگ میں پیش ہُوا تو ماریوس نے جو ایک رُکن تھا، خود بھی نہایت غیظ و غضب دکھایا اور دوسروں کو بھی توری پی لی اس کا سخت مخالف بنا دیا حتّٰی کہ متی لوس کو بالکل اپنی مرضی کے خلاف اسے سزائے موت دینی پڑی۔ تھوڑی ہی مدّت بعد الزام کا بے بنیاد ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا اور متی لوس کو اپنے دوست کے مارے جانے پر بہت رنج ہُوا۔ اس وقت اور لوگ تو سپہ سالار کی غم خواری کرنے لگے۔ لیکن ماریوس نے اُلٹا اس بات پر فخر کیا اور مختلف صحبتوں میں یہ شیخی ہانکی کہ میں نے ہی متی لوس کے ہاتھ سے اس کے دوست کا خون کرایا۔

اس واقعے کے بعد سے ان میں علانیہ اختلاف ہوگیا۔ ایک بار جب کہ ماریوس موجود تھا، متی لوس نے سرِ جلسہ یہ اہانت آمیز بات کہی کہ "صاحب، آپ تو وطن جاکر اپنی قنصلی کے لیے کوشش کرنا چاہتے ہیں اور اتنا صبر نہیں کرسکتے کہ میرے بیٹے کے ساتھ اس عہدے کے لیے استادہ ہوں۔" حال آں کہ اس کا یہ بیٹا اس وقت بالکل کم سن تھا۔ بہ ایں ہمہ ماریوس رومہ جانے کا تقاضا کرتا رہا اور بالآخر انتخابات سے صرف بارہ دن پہلے اسے جانے کی اجازت مل گئی۔ تب وہ اس قدر تیز روانہ ہُوا کہ لشکر گاہ سے دو دن میں بندرگاہ اوتی کہ پہنچ گیا اور وہاں قربانیاں ادا کرکے جہاز پر سوار

ہُوا ۔ کہتے ہیں اِسی قربانی کو دیکھ کر کاہن نے حکم لگایا تھا کہ خدا
کی طرف سے کوئی ایسی غیر معمولی دولت اسے ملنے والی ہے جو تمام
توقعات سے بڑھ کر ہوگی ۔ اس فالِ نیک نے ماریوس کا دماغ اور
بھی آسمان پر پہنچا دیا اور ہَوا کی موافقت سے وہ چار دن میں
سمندر کا سفر طے کر کے روما پہنچ گیا جہاں لوگوں نے بڑے جوش
سے اُس کا خیر مقدم کیا اور ایک تری بیون اُسے مجلسِ عوام میں لایا
جہاں اُس نے قنصلی کی درخواست کی اور اپنی تقریر میں میتی لوس پر
طرح طرح کے الزام لگا کے وعدہ کیا کہ میں جوگرتھا کو قتل کروں گا یا زندہ
گرفتار کر کے روما لاؤں گا ۔

وہ بڑی سرخ روئی سے ساتھ منتخب ہُوا اور قنصل ہوتے ہی
اس نے ہر قسم کے لوگوں کو جن میں مفلس اور غلام تک شامل تھے،
فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا حال آں کہ یہ بات قانون و رواج دونو
کے خلاف تھی اور سابق سپہ سالار ایسے لوگوں کو بھرتی نہ کرتے تھے
بلکہ دیکھ بھال کر صرف اُن کو ہتیار دیتے تھے جو مناسب حیثیت
رکھتے ہوں ۔ اسی طرح بھرتی ہونے والوں کی املاک بھی اُن کے
چلن کی ضمانت ہوتی تھیں ۔ پھر ماریوس سے ناراضی کے یہی اسباب
نہ تھے بلکہ بعض نخوت آمیز تقریریں بھی اُس نے کیں ، جن میں
اشراف و اُمرا کا اس حقارت سے ذکر کیا کہ اُنھوں نے نہایت بُرا
مانا ۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ کہا کہ میں نے اِن خاندانی امیروں
کے نازکی بھرے ہاتھوں سے قنصل ، مالِ غنیمت کی طرح چھین
لی ہے ۔ اور ایک مرتبہ دعوا کیا کہ مجھے اپنے زخموں پر اس لیے

ناز ہو کہ اہلِ وطن کے واسطے سینہ سپر ہُوا نہ کہ محض مُردہ بزرگوں کے نام اور مجسموں کے واسطے ۔

افریقہ میں جو رومی سردار ناکام رہے تھے، بارہا اُن پر بھی تعریض کی اور بس تیا اور ال بی نوس کا نام لے کر ذکر کیا جو بڑے عالی خاندان سردار تھے لیکن جنگی نا اہلی اور ناتجربے کاری کے باعث ناکام ہوئے تھے۔ پھر خود ہی لوگوں سے سوال کیا کہ کیا ان کے خیال میں اُن امیر زادوں کے اسلاف کی یہ خواہش نہ ہوتی کہ ایسے ناخلفوں کی بجائے انھیں میرا (ماریوس) جیسا وارث نصیب ہو۔ کیوں کہ اُن بزرگوں نے جو نام وری حاصل کی، وہ امارت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اُن کی شجاعت اور کارناموں کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی ۔ واضح رہے کہ یہ باتیں وہ محض شیخی اور غرور سے یا بے فائدہ صرف اُمرا کو جلانے کی نیت سے نہیں کہتا تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عوام الناس مجلسِ عمائد کے خلاف سوقیانہ طعن تشنیع سُن کر بہت خوش ہوتے تھے اور اُن کی دانست میں کسی شخص کی بڑائی کا معیار ہی تقریر کی بے باکی تھی، لہٰذا وہ اس کی برابر ہمت افزائی کرتے رہتے اور مشہور لوگوں پر زبانِ طعن دراز کرنے کے میلان کو تقویت پہنچاتے رہتے تھے کہ ایسی باتیں کرکے وہ اژدہام کو خوش کرتا رہے ۔

جب وہ قنصل بن کر افریقہ پہنچا تو متی لوس اپنے جذباتِ رنج و حسد کو نہ چھپا سکا اور یہ دیکھ کر کہ جب جنگ ختم ہوچکی اور صرف جوگرتھا کو گرفتار کرنا رہ گیا تو ماریوس محض اپنے کفرانِ نعمت کے زور سے بڑا آدمی بن کر آیا ہے کہ خود اسے فتح اور انعامِ فتح سے

سے محروم کر دے ، اس سے ملاقات کرنا تک گوارا نہ کر سکا بلکہ کہیں ٹل گیا اور سپہ سالاری کا جائزہ اس کے نائب روٹی لیوس نے ماریوس کے حوالے کیا ۔ مگر ماریوس کے طرزِ عمل کی بھی آخر میں کچھ نہ کچھ سزا ضرور مل گئی کہ عین اختتامِ جنگ پر سیلّا نے اسے کامیابی کی شہرت سے محروم کر دیا ۔ ان واقعات کی تفصیل تو میں سیلّا کی سیرت میں لکھوں گا ، یہاں بہ اختصار اتنا بیان کرنا کافی ہے کہ افریقیہ کے اور اگلے علاقے میں بوکوس بادشاہ تھا جس کی بیٹی جوگرتھا کو بیاہی تھی ۔ لیکن رومیوں سے جنگ میں بوکوس نے داماد کی کوئی امداد نہیں کی ۔ عذر تو یہ کیا کہ وہ جوگرتھا کی بے وفائی سے اندیشہ مند ہے لیکن حقیقت میں وہ اس کی بڑھتی ہوئی قوت سے حسد کرتا تھا ۔ مگر جب جوگرتھا شکست کھا کے بھاگا تو آخری پناہ گاہ سمجھ کر بوکوس ہی کے پاس پہنچا اور اس نے مہربانی کی وجہ سے نہیں بلکہ دراصل اس شرم سے کہ انکار نہ کر سکتا تھا ، اسے پناہ دی ۔ پھر جب وہ اس کے قبضے میں آ گیا تو ظاہر میں تو بوکوس نے اس کی حمایت میں ماریوس کو بہت زور شور سے خط لکھا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس کو ہرگز حوالہ نہ کرے گا لیکن دل میں دغا کا ارادہ کر کے رومی فوج کے بخشی لوسیوس سیلّا کو بلا بھیجا جس نے ایک مرتبہ پہلے جنگ میں بوکوس کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کیا تھا ۔ سیلّا اس کے قول پر بھروسا کر کے آ گیا تو یہ افریقی تذبذب میں پڑ گیا کہ اپنے داماد سے دغا کرے یا خود سیلّا کو روک رکھے ۔ آخر کئی روز مذبذب رہنے کے بعد اس نے پہلی دغا بازی ہی کو پسند کیا اور جوگرتھا کو

زندہ سیلاّ کے حوالے کردیا۔ ماریوس اور سیلاّ کی آیندہ قلبی عداوت اور خوف ناک دشمنی کی جس نے رومی سلطنت ہی کو قریب قریب برباد کردیا تھا، ابتدا اسی واقعے سے ہوتی ہی کیوں کہ بہت سے لوگ. جو ماریوس سے حسد کرتے تھے، انھوں نے اس تمام کام یابی کا سہرا سیلاّ کے سر باندھا اور خود سیلاّ نے اپنی مُہر کُھدوای جس میں بوکوس کی تصویر تھی کہ وہ جوگرتھا کو سیلاّ کے حوالے کررہا ہی. پھر اس مُہر کو وہ برابر استعمال کرتا رہتا تھا کیوں کہ وہ طبعاً شہرت کا بھوکا تھا اور اس بات سے بھڑک اُٹھتا تھا کہ اس کی نام وری میں کوئی دوسرا حصے دار بن جائے۔ ادھر اس کے دشمنوں نے بھی اس آگ کو بھڑکانے میں کوتاہی نہ کی۔ وہ جنگ کی ابتدا اور سارے کاموں کا انصرام تو متیلوس سے منسوب کرتے تھے اور خاتمہ سیلاّ سے تاکہ لوگ ماریوس کی تعریف اور عزت کرنی چھوڑ دیں۔

لیکن اس کے خلاف یہ رشک و رقابت اور جھوٹی مخالفت کا غبار جلد ہی اس آندھی میں اُڑ کر صاف ہوگیا جو مغرب سے. اُٹھی اور اطالیہ پر چھائی جاتی تھی۔ اُس وقت جب اہل روما کو تشویش ہوئی کہ اس خوف ناک طوفان میں جنگ کی پتوار کس کے حوالے کی جائے تو اُن دولت مندوں اور امیرزادوں کی تائید کوئی نہ کرسکا جنھوں نے قنصلی اور سپہ سالاری کے واسطے اپنے آپ کو پیش کیا تھا، بلکہ موجود نہ ہونے کے باوجود ماریوس ہی کا انتخاب عمل میں آیا + واقعہ یہ ہی کہ جوگرتھا کی گرفتاری کی خبر

پہنچی ہی تھی کہ تیوتانی اور کیمبری قوموں کے اقدام کا حال معلوم ہوا۔ حملہ آور فوج کی قوت و تعداد کی نسبت جو اطلاعیں شروع میں آئیں، اُن پر کسی طرح یقین نہ آتا تھا لیکن آگے چل کر ثابت ہوا کہ ان ابتدائی اطلاعوں میں بھی حقیقت کو کم کرکے دکھایا گیا تھا، کیوں کہ فی الواقع ان کا شمار تین لاکھ جنگ آزماؤں سے کم نہ تھا اور ان کے ساتھ عورتوں بچوں کی تعداد اس سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ اُن کا بیان تھا کہ وہ نئے ملکوں کی تلاش میں ہیں جہاں یہ کثیر آبادی بسائی جاسکے اور جس طرح پہلے قلطی قوم نے پرانے باشندوں کو نکال کر اطالیہ کے بہترین حصے پر قبضہ کر لیا تھا، وہ بھی یہاں کے شہروں میں آباد ہونا چاہتے تھے۔ چوں کہ ان کا جنوبی اقوام سے میل جول نہ تھا اور نہ ادھر کے لوگ سیاحت کی غرض سے ادھر آتے جاتے تھے، لہٰذا اہلِ روما کو بالکل واقفیت نہ تھی کہ یہ ٹڈی دَل جو ایکا ایکی غالیہ اور اطالیہ پر آچڑھا ہے، یہ کون لوگ ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ تاہم ان کی بھوری آنکھیں اور چوڑے چکلے ہاڑ دیکھ کر یہ قیاس کیا گیا تھا کہ وہ اُن جرمن قوموں میں سے ہوں گے جو بحرِ شمال کے قریب آباد تھیں۔ اور کیمبری بھی جرمن لفظ تھا جس سے وہ لوگ قزاقوں کو یاد کرتے تھے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قلطی نسل کا وطن بہت وسیع اور منجمد شمالی سے لے کر میوتش (= جھیل بیکال) اور بحرِ اسود کے اُن خطوں تک پھیلا ہوا ہے جن میں سیتھی آباد تھے چناں چہ یہاں پہنچ کر قلطی اور سیتھی مخلوط ہوگئے اور پھر ایکا ایکی نکل پڑنے کی

بجائے آہستہ آہستہ مغرب کی طرف چلے۔ وہ ہر سال گرمیوں میں بہ زورِ شمشیر اپنا راستہ نکالتے رہے یہاں تک کہ پورے برِاعظم (یورپ) کے دوسرے کنارے تک پہنچ گئے۔ مگر ایک اور نظریہ یہ ہے کہ یہ وہی لوگ تھے جن کو قدیم یونانی کیم ری کے نام سے پکارتے تھے اور جو اپنی اصل قوم (سیتھی) سے لڑ کر وطن سے نکال دیے گئے اور ایک سردار لیغ دامیس کی قیادت میں بحیرۂ میوتس تک پھیل گئے۔ مگر ان کا بڑا اور زیادہ جنگ جو حصہ کھلے سمندر تک، بہت بعید علاقوں میں آباد ہے جہاں کے گھنے اور تاریک جنگلوں میں سورج کی کرنیں مشکل سے پہنچ سکتی ہیں۔ یہ خطہ اندر کی جانب ھرکانیہ (= مازندران) کے جنگل تک وسیع ہے اور آسمان کے اُس حصے کے نیچے ہے، جہاں عرضِ بلد کے متوازی خطوط قریب آتے جاتے ہیں اور اوجِ آفتاب کا نقطہ زیادہ دور نہیں رہتا۔ ان کے دن اور رات قریب قریب برابر ہوتے ہیں اور وہ اپنے سال کو دو برابر کے حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ انھی کا نام کیم رائی بدل کر کیم بری ہو گیا اور یہی اپنے شمالی وطن سے اطالیہ میں وارد ہوئے۔ مگر یہ سب ذہنی باتیں ہیں، مستند تاریخ اسے نہیں کہہ سکتے۔

القصہ، جو خبریں ملی تھیں، حملہ آوروں کی تعداد اُن سے بھی زیادہ نکلی۔ پھر وہ غضب کے قوی ہیکل، جنگ جو تھے اور سیلِ آتش کی طرح میدانِ قتال میں پھیل جاتے تھے۔ ان کے تُند حملوں کے آگے کوئی چیز نہ ٹھیر سکتی تھی اور حریف ان کا صیدِ زبوں بن جاتا تھا۔ آں روے الپس غالیہ میں کئی بہترین رومی سپہ سالار

اپنی پوری فوج لے کر اُنھیں روکنے آئے اور ذلّت کے ساتھ شکست کھائی۔ بلکہ انھی کی کم زوری دیکھ کر ان وحشیوں کو زیادہ تر یہ تحریک ہوئی کہ روما پر پیش قدمی کریں۔ جو مقابلے میں آیا، اُسے مغلوب کرنے اور بہت سا لوٹ کا مال ہاتھ آنے پر انھوں نے فیصلہ کرلیا کہ پہلے روما کی اینٹ سے اینٹ بجاکر ساری اطالیہ کو تاراج کیا جائے اور پھر کسی مقام پر مستقل آباد ہوں۔ جب رومیوں کو ہر طرف سے یہ خبریں ملیں تو بہت گھبرائے اور ماریوس کو جنگ کا ذمّہ لینے کی غرض سے طلب اور دوسری دفعہ قنصل نام زد کیا۔ اگرچہ قانون کی رُو سے غیر حاضر شخص کا، نیز بغیر وقفے کے دوبارہ ایسا انتخاب جائز نہ تھا لیکن لوگوں نے کسی مخالف کی بات نہ مانی کیوں کہ یہ پہلا موقع نہ تھا کہ مفادِ عامّہ کو قانون پر مقدّم کیا گیا۔ نہ اس وقت کی فوری ضرورت اُس وقت سے کچھ کم تھی جب کہ سی پیو کو خلافِ قانون قنصل بنایا گیا حالاں کہ اس وقت وطن کی تباہی کا خوف نہ تھا بلکہ محض قرطاجنہ کو تباہ کرنے کی خواہش اس کے انتخاب کی محرّک ہوئی تھی۔

غرض یہ فیصلہ ہوگیا اور ماریوس جنوری کی پہلی تاریخ جو رومی سال کا پہلا دن ہے، افریقہ سے اپنی فوجیں لے کر آپہنچا اور عہدۂ قنصلی پر مامور ہوا۔ اسی کے ساتھ اس کا جلوسِ فتح نکلا جس میں جوگرتھا قیدی بنا ہوا جلو میں نکالا گیا۔ اور یہ وہ نظّارہ تھا جس کے دیکھنے کی کسی رومی کو امید نہ تھی اور نہ یہ توقع کہ جب تک وہ زندہ ہے، افریقہ کی تسخیر ہوسکے گی۔ کیوں کہ جوگرتھا جتنا دلیر تھا۔

اسی قدر چالاک اور ہر موقع کے مطابق اپنے کو بنانے اور چال چلن میں ماہر تھا ۔ البتہ اب جو اس ذلّت کے ساتھ اس کی تشہیر ہوئی اور پھر قیدخانے میں بعض لوگوں نے اس کے کپڑے پھاڑے اور بعض نے طلائی بُندے نکالنے کی چھینا جھپٹی میں کان کی لو تک چیر دی ، پھر ننگا کر کے تاریک حُجرے میں دھکیل دیا گیا ، تب بے شک اُس کے حواس دُرست نہ رہے اور کمال سراسیمگی میں دیوانوں کی طرح قہقہہ مار کے چلّایا " او ہرقل ، تمھارا حمام کس قدر سرد ہے !" یہاں چھ روز تک وہ بھوکا تڑپتا رہا اور پھر اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا ، اگرچہ آخری لمحے تک زندہ رہنے کی آرزو دامن گیر رہی ۔ کہتے ہیں اس جلوس میں تین ہزار سات رطل سونا اور پانچ ہزار سات سو پچھتر رطل چاندی اور دو لاکھ ستاسی ہزار درہم کے سکّے بھی مالِ غنیمت میں دکھائے گئے ۔ یہ فرض ادا ہو گیا تو ماریوس نے قلعے میں مجلس عمائد کا انعقاد کیا اور بھولے سے یا اپنی کام یابی پہ پھول کر ، اُسی جلوسی لباس میں مجلس میں چلا آیا مگر جلد ہی یہ دیکھ کر کہ ارکانِ مجلس کو یہ (خلافِ آداب) حرکت ناگوار ہوئی ، وہ باہر گیا اور معمولی قرمزی حاشیے کا چُغہ پہن کر شریک ہوا ۔

نئی مُہم کے راستے ہی میں وہ اپنی فوج کو پوری توجہ سے تربیت دیتا ہُوا لے چلا ۔ یعنی لمبی لمبی منزلیں طے کرنے ، ہر طرح کی دَوڑ دوڑنے اور ہر شخص کو اپنا اسباب خود لے چلنے اور کھانا پکانے کی مشق کرائی چناں چہ اُسی زمانے سے وہ جفاکش سپاہی جو خاموشی سے اپنا کام انجام دیں اور گِلہ شکوہ زبان پر نہ لائیں ، " ماریوس کے خچّر " کہلانے لگے ۔ اگرچہ بعض لوگوں کا خیال ہو کہ یہ ضرب المثل کچھ پہلے سے اس وقت رائج ہوئی جب

نومانتیہ کے محاصرے میں سی پیو نے فوج کے جانور اور گاڑیوں کا بڑی توجہ سے معائنہ کیا اور ماریوس کے گھوڑوں اور خچروں کو سب سے بہتر حالت میں دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔ اس کی بار بار تعریف کے باعث فوج والے جب کسی محنت کش سپاہی کی تعریف کرتے تو مزاحاً اسے "ماریوس کا خچر" لقب دے دیتے تھے۔

لیکن اب اصل مضمون کی طرف رجوع کیجیے کہ ماریوس کی خوش قسمتی سے حملہ آوروں نے پہلے اپنا رُخ ہسپانیہ کی طرف کردیا اور اُسے اپنے سپاہیوں کو مشق کرانے اور ہمتیں مضبوط و بلند کرنے کی، اور سب سے بڑھ کر خود اپنے جوہر دکھانے کی خوب مُہلت مِل گئی۔ کیوں کہ وہ اس کی سپہ سالاری کے طور طریق سے اچھی طرح واقف ہوگئے اور عدول حکمی پر اس کی سخت گیری اور بے رحمی، نیز حکم دینے میں درشتی اور آواز کی تُندی اُن کے واسطے ایسی خوف ناک نہ رہی جیسی دشمنوں کو ڈرانے والی تھی۔ لہٰذا اس کے جابرانہ طرزِ عمل اور اکھڑپن کے فوائد انھیں معلوم ہوئے اور سب سے بڑھ کر جس بات نے انھیں اس کا گرویدہ بنایا، وہ ماریوس کا بےلاگ عدل و انصاف تھا جس کی ایک یادگار مثال حسب ذیل ہے:-

خود ماریوس کا ایک بھتیجا کایوس لوسیوس جو فوج میں اس کا ماتحت سردار تھا، گو دوسرے اعتبار سے بُرا آدمی نہ تھا لیکن لڑکوں پر شرم ناک طریق سے مائل تھا۔ اس کے دستے میں ایک نوجوان

ترِبونیوس تھا جسے طرح طرح سے منت سماجت کے باوجود وہ قابو میں نہ لاسکا۔ آخر ایک رات کو اُس نے آدمی بھیج کر اُسے طلب کیا اور چوں کہ از روئے قانون وہ انکار نہ کرسکتا تھا لہذا خیمے میں حاضر ہوا لیکن جب ماریوس نے اس سے زبردستی شروع کی تو اس نے تلوار کھینچ کر اس کے گھونپ دی۔ یہ واقعہ جب ہُوا تو ماریوس باہر گیا ہُوا تھا۔ واپسی پر اُس نے عدالت مقرر کی اور تربونیوس کو جواب دہی کے لیے بلایا۔ گواہوں نے اس کے خلاف شہادتیں دیں اور کوئی شخص ملزم کی صفائی میں کھڑا نہیں ہوا۔ تب تربونیوس نے خود سارا واقعہ بے دھڑک سُنا دیا اور لوسیوس جو پہلے اس کو تحفے تحائف بھیجا کرتا تھا، اس کی شہادت پیش کی۔ اس پر ماریوس بہت خوش ہُوا۔ اس کے فعل کی تعریف کی اور ہار منگایا جو رومیوں میں دلیری کا انعام ہوتا ہے پھر اپنے ہاتھ سے تربونیوس کو پہنا دیا کہ اُس نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ اس موقع پہ ایسی اچھی مثالوں کی ضرورت بھی بہت تھی۔

یہ خبر جب روم پہنچی تو وہاں بھی اس کا بڑا اچھا اثر ہُوا اور ماریوس تیسری مرتبہ قنصل مقرر منتخب کیا گیا جس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وحشیوں کے گرمیوں میں ادھر بڑھنے کی توقع تھی اور عوام الناس اپنی قسمت کسی دوسرے سپہ سالار کے حوالے کرنا نہ چاہتے تھے۔ لیکن حملہ آوروں کی پیش قدمی میں خلاف امید تاخیر ہوئی اور قنصلی کا یہ سال بھی ختم ہوگیا۔ اس کا ساتھی قنصل فوت ہوگیا تھا اس لیے انتخاب کے وقت وہ فوج کی سپہ سالاری دوسرے سردار

کے حوالے کرکے خود روما پہنچا جہاں کئی ممتاز اشخاص قنصلی کے امیدوار تھے۔ اس وقت لوسی ساترنی نوس سب تری بیونوں میں عوام الناس پر بڑا اثر رکھتا تھا اور ماریوس بھی اس کا بہ طور خاص لحاظ کیا کرتا تھا۔ اس نے اپنا زورِ فصاحت اس پر خرچ کیا کہ کہ لوگ ماریوس کو پھر منتخب کریں۔ اور جب ماریوس نے از رہِ انکسار بہ ظاہر انکار کیا تو ساترنی نوس نے اسے غدار کے نام سے یاد کیا کہ وطن پر ایسے خطرے کے وقت، سپہ سالاری سے جی چراتا ہے۔ لوگوں کو صاف نظر آتا تھا کہ دراصل ساترنی نوس کی یہ سخن سازی محض ماریوس کو انتخاب کرانے کی غرض سے ہے لیکن چوں کہ اس موقع پر انھیں ماریوس کی قابلیت اور اقبال مندی سے استفادے کی ضرورت تھی، انھوں نے اسے چوتھی مرتبہ قنصل چُنا اور دوسرا قنصل کاتولس لوتاتیوس کو انتخاب کیا جس کی طبقۂ اُمرا میں بڑی عزت تھی اور عوام الناس بھی اس سے ناخوش نہ تھے۔

اب ماریوس نے دشمن کی آمد آمد سُن کر خود کوہستان الپس کو عبور کیا اور دریائے رھون کے کنارے پر پڑاؤ ڈال کر پہلے سامانِ رسد کی فراہمی کا انتظام درست کیا کہ مبادا اس کی کمی کے باعث جنگ میں دشواری پیش آئے۔ پہلے سمندر کے راستے بہت چکر سے سامانِ خوراک فوج کو پہنچتا تھا۔ اس نے جلد اور آسانی سے پہنچنے کا بندوبست کرلیا۔ یعنی رھون کے دہانے جہاں ریتی اور چکنی مٹی جمع ہوکر پانی کی دھار پتلی رہ گئی تھی اور جہازوں کو اس میں سے گزرنا مخدوش ہوتا تھا، وہاں اُس نے اپنے سپاہیوں

سے جو اُن دنوں خالی تھے، ایک بڑی خندق کھدوائی اور دریا کے بڑے حصّے کا راستہ بدل کر اسے ساحل کے ایسے موقع پر سمندر میں گرایا جہاں بھاری جہازوں کے واسطے کافی گہرائی اور سمندر میں جانے آنے کا راستہ سہل تھا۔ یہ خندق اب تک موجود اور ماریوس کے نام سے منسوب ہے۔

حملہ آوروں نے اپنے جمِ غفیر کے دو حصّے کر دیے تھے۔ ایک میں کیم بری قوم کے لوگ تھے جو شمال کی طرف کارنوس کے مقابلے کو گئے کہ علاقہ نوری کی میں جبراً داخل ہو جائیں۔ دوسرا حصہ تیوتانی اور امبرونی قوموں پر مشتمل تھا اور یہ ماریوس کی طرف بڑھا کہ ساحل لگوریہ کے علاقے میں پہنچ جائے۔ کیم بری سپاہ کو اپنا کام انجام دینے میں دیر لگی لیکن تیوتانی اور امبرونی مستعدی سے بیچ کا ملک طے کر کے بہت جلد مقابلے میں پہنچ گئے۔ ان کی تعداد ناقابلِ قیاس تھی اور خوف ناک نعرے لگاتے اور بُری بُری آوازیں نکالتے تھے۔ غرض ان کو دیکھے سے دہشت ہوتی تھی۔ سامنے ہی میدان کے بڑے حصّے پر اُنھوں نے پڑاؤ ڈالا اور ماریوس کو جنگ کی دعوت دی۔ لیکن اُس نے بہ ظاہر ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور اپنے سپاہیوں کو مورچہ بندی سے باہر نہ جانے دیا بلکہ جو لوگ بڑھ بڑھ کر آتے اور اپنی بہادری دکھانے کا شوق ظاہر کرتے، انھیں ڈانٹ دیا اور کہا کہ یہ بے موقع جوشِ جنگ اپنے ملک سے دشمنی کے مرادف ہے۔ ہمیں اس وقت جنگی فتوحات اور غنائم کے خواب دیکھنے نہ چاہییں بلکہ یہ فکر کرنی چاہیے کہ جنگ کے اس

خطرناک سیلاب کو کس طرح روکا اور اطالیہ کو کیوں کر بچایا جائے۔

اپنے سرداروں اور ساتھ والوں سے تخلیے ہیں وہ اس طرح کی باتیں کرتا اور ادھر سپاہیوں کو باری باری مورچوں پہ تعینات کرتا رہا کہ وہ سب دشمن کا اچھی طرح معائنہ کرلیں اور ان کی صورتیں اور آوازیں جو فی الواقع وحشیانہ اور خلاف معمول تھیں، دیکھنے کی رومیوں کو عادت ہوجائے۔ اُن کے ہتیاروں اور طریقِ استعمال کا بھی اس نے خوب مشاہدہ کرایا اور اس طرح تھوڑے ہی دن میں وہ چیزیں جو پہلے انوکھی اور بہت نازک معلوم ہوتی تھیں اب دیکھی بھالی اور معمولی نظر آنے لگیں۔ یہی ماریوس کا مقصد تھا اور اس نے عقل سے سمجھ لیا تھا کہ نئی چیزوں کو بار بار دیکھنے سے ایسی مساوات ہوجاتی ہے کہ پھر جس قدر وہ حقیقت میں خطرناک ہیں، اتنی بھی نہیں نظر آتیں۔ دوسرے اس روزانہ دیکھ بھال میں سپاہیوں کا نہ صرف ڈر جاتا رہا بلکہ دشمن کی دھمکیاں اور گالی گفتار سُن سُن کر وہ غصّے میں آئے اور اُن کی رگِ حمیت بھڑکنے لگی کیونکہ اُن جنگلیوں نے نہ صرف آس پاس کا علاقہ تاراج و ویران کردیا تھا بلکہ حقارت آمیز اعتماد کے ساتھ رومی مورچوں پر بھی چھاپے مار جاتے تھے۔

اب سپاہیوں کے شکوے ماریوس تک پہنچنے لگے کہ اس نے ہم میں کیا بزدلی دیکھی جو اس طرح عورتوں کی طرح میدان سے ہٹاکر مورچوں میں بند کر رکھا ہے۔ کیا وطن کی خاطر لڑنے کو وہ دوسرے آدمی لائے گا کہ ہم سے مزدوروں کی طرح فقط خندقیں اور نہر کھدوانے کے کام لیتا رہا اور دریاؤں کے رُخ بدلواتا رہا۔ کیا

اتنی عرصے سے وہ ہمیں جنگی تعلیم و تربیت دیتا رہا اور اپنی فتصلی کے یہی کارنامے گھر جاکر لوگوں کو سنائے گا؟ کیا کاربو اور کپ یو کی شکست نے جو ان وحشیوں سے مغلوب ہوئے، اُسے خوف زدہ کر دیا ہے، حال آں کہ وہ سردار ماریوس جیسی نہ شہرت رکھتے تھے نہ شجاعت اور نہ ان کے پاس اتنی بڑی فوج تھی۔ اور بہ ہر حال یوں خالی بیٹھے رہنے سے جب کہ ہمارے بعض ساتھی اور حلیف ہماری آنکھوں کے سامنے مارے جا رہے ہیں، کہیں بہتر ہے کہ میدان میں نکل کر ہم قسمت آزمائی کریں خواہ نتیجے میں ہمیں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

ماریوس یہ باتیں سُن کر خوش ہوتا تھا اور انھیں تسلی تشفی دیتا کہ میں تمھاری جرأت میں کوئی شبہ نہیں رکھتا لیکن فتح کے وقت اور تدبیر کے لیے بعض شگونوں کا انتظار کر رہا ہوں۔ اور حقیقت میں وہ اپنے ساتھ پالکی میں ایک شامی عورت مسمات مرتھا کو، جو اُن کے گمان میں نبیہ تھی، لیے پھرتا اور اسی کی ہدایت کے مطابق نیاز اور قربانیاں کرتا تھا۔ یہ عورت پہلے مجلس عامہ میں پہنچی تھی کہ انھیں آیندہ واقعات کی خبر دے، لیکن مجلس والوں نے اسے نکلوا دیا۔ تب وہ عورتوں میں آنے جانے اور اپنی کرامت دکھانے لگی چناں چہ ایک مرتبہ پہلوانوں کے دنگل میں وہ ماریوس کی بیوی کے قدموں میں بیٹھی تھی تو اُس نے پچھڑنے والے کی نسبت جو پیش گوئی کی، وہ صحیح نکلی۔ اس کامیابی کے مکاشفات کی بنا پر جو اس نے ماریوس اور اس کی فوج کی نسبت کہلا کر بھیجے

تھے، اس کی یہاں بہت آؤ بھگت ہونے لگی اور وہ اکثر رومی پڑاؤ میں پالکی میں بیٹھ کر گشت لگاتی رہتی تھی۔ جب وہ قربانی کرنے آتی تو قرمزی لبادہ پہن کر، جس میں پٹیاں پڑی تھیں اور پیٹی بندھی ہوتی تھی اور ہاتھ میں چھوٹی سی برچھی ہوتی جس پر پھولوں کی بدھیاں اور فیتے لپٹے ہوتے تھے۔ یہ سانگ دیکھ کر بعض لوگ سوال کرتے کہ ماریوس فی الواقع اس پر اعتقاد رکھتا ہے یا محض سپاہیوں پر اثر ڈالنے کی غرض سے دکھاوے کو یہ کام کر رہا ہے؟

لیکن الکزان در (مین دی) نے جو روایت گدھوں کی نسبت بیان کی ہے، وہ بے شبہ بہت ہی تعجب انگیز ہے۔ یعنی ماریوس کی ہر فتح کے موقع پر دو گدھ آتے اور فوج کے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ سپاہیوں نے انھیں پکڑ کر گلے میں برنجی پٹے پہنا دیے اور پھر اڑا دیا تھا جس کے بعد سے وہ بہ آسانی پہچان لیے جاتے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ خود بھی اہل فوج کو پہچانتے اور ایک طرح سے سلام کرلیتے ہیں۔ غرض جب کبھی سفر میں یہ گدھ اُن کو نظر آتے تو وہ بہت خوش ہوتے اور کسی بڑی کامیابی پانے کا انھیں یقین ہو جاتا تھا۔ بہت سے دوسرے خوارق جو اُن دنوں دیکھنے میں آئے، معمولی قسم کے تھے لیکن امریا اور تُودر، نام کے دو اطالی شہروں میں رات کے وقت جلتے ہوئے تیر اور ڈھالیں آسمان پر نظر آئیں جو اسی طرح حرکت کرتی اور ایک دوسرے سے ٹکراتی تھیں جیسے لڑائی میں سپاہی ان کو حرکت دیتے ہیں۔ پھر صاف اندازہ ہوا کہ گویا ایک فریق ہٹ کر بھاگ رہا ہے اور دوسرا تعاقب میں ہے پھر اسی طرح وہ

مغرب کی طرف جاکر غائب ہو گئے ۔ شہر پیسی نوس کی دیوی کا ایک مہنت بتاکس بھی قریب قریب اسی زمانے میں رومہ آیا اور خبر دی کہ دیوی نے اسے فتح کی بشارت دی ہے ۔ مجلسِ عمائد نے اس کا اعتبار کیا اور فتح کی امید میں دیوی کا مندر تعمیر کرنے کی تجویز کی لیکن اوسوس پوم پی اوس نامی تری بیون نے بتاکس کو عوام کے جلسے میں آنے اور یہ بشارت سنانے کی اجازت نہ دی بلکہ مکّار فریبی کے نام سے یاد کیا اور ذلّت کے ساتھ چبوترے سے نیچے گھسیٹ لیا ۔ مگر یہی حرکت تھی جس نے بتاکس کے قصّے کو زیادہ مشہور و معتبر بنا دیا کیوں کہ اوسوس جلسہ برخاست کر کے مشکل سے گھر پہنچا تھا کہ اس پر شدید بخار کا حملہ ہوا اور جیسا کہ ہر جگہ چرچا اور ہر شخص کی زبان پر تھا ، وہ ہفتے بھر کے اندر مر گیا ۔

ادھر تیوتانی لشکر نے ماریوس کے مورچہ بند پڑاؤ پر حملہ کیا اور جب ادھر سے سنگ و خدنگ کی بوچھار ہوئی اور کئی آدمی مارے گئے تو اُنھوں نے ارادہ کر لیا کہ ماریوس کو وہیں چھوڑ کر آگے روانہ ہو جائیں ۔ انھیں امید تھی کہ الپس کے پار اُترنے تک کوئی ان کو نہ روکے گا لہذا اپنے ڈیرے ڈنڈے باندھ کر وہ رومی پڑاؤ کے قریب سے آگے گزر گئے ۔ اس موقع پر بھی ان کی کثرت تعداد بہ خوبی ثابت ہو گئی کہ پورے چھ دن تک ان کا لاؤ لشکر رومی مورچوں کے سامنے سے گزرتا رہا بلکہ وہ اتنے نزدیک سے گئے کہ رومیوں کو گالیاں دیتے اور سوال کرتے جاتے تھے کہ اپنی عورتوں کو کوئی پیام دینا ہو تو کہہ دیں کیوں کہ چند روز میں ہم اُن کے پاس ہوں گے ۔

لیکن جب وہ آگے نکل گئے تو ماریوس بھی اپنا لشکر لے کر آہستہ آہستہ ان کے پیچھے چلا البتہ زرا فاصلے سے پڑاؤ کرتا اور دیکھ بھال کر موقع کا مقام چُنتا اور اس کی مورچہ بندی کر لیتا تھا کہ محفوظ رہے۔ وہ اسی طرح کوچ کرتے ہوئے کوہستان الپس کے وسط تک وہاں پہنچے جسے "سکس تی لیوس کے پانی" کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور یہیں ماریوس نے ان سے لڑنے کی تیاری کی۔ اس نے اپنے پڑاؤ کے لیے بہت مستحکم مقام منتخب کیا مگر وہاں پانی کی کمی تھی اور کہا جاتا ہو کہ اس میں بھی ماریوس کی مصلحت یہ تھی کہ رومی سپاہی ہمت و جرات سے کام لیں۔ چناں چہ بعض نے پیاس کی اس سے شکایت کی تو اس نے غنیم کے پڑاؤ کے سامنے جو ندی بہتی تھی، اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "وہاں تم اپنی پیاس بجھا سکتے ہو بہ شرطے کہ خون کی قیمت دے کر اُسے خریدو۔" سپاہیوں نے جواب میں کہا کہ "پھر ہمیں کیوں نہیں میدان میں لے چلتے کہ زیادہ دیر لگی تو ممکن ہو ہمارا خون ہی سوکھ جائے"۔ تب ماریوس نے نرمی سے کہا "اچھا پہلے پڑاؤ کو مستحکم بنا لو۔" سپاہی زرا بُڑبڑائے تو ضرور مگر حکم کی تعمیل میں مصروف ہو گئے۔ اس اثنا میں فوج کے بہت سے لڑکے اور بھیڑ کے لوگ جن کے پاس اپنے پینے کو پانی تھا نہ گھوڑوں کے لیے، ندی کی طرف چل پڑے تھے۔ بعض کے ہاتھ میں کمانیں، تلواریں، اور تبر یا کلہاڑیاں تھیں اور مشکیزے ساتھ تھے کہ ضرورت ہو تو لڑ کر پانی لائیں گے۔ پہلے ان کی مُڈبھیڑ دشمن کی ایک قلیل جماعت سے ہوئی جو ابھی نہا دھو کے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور بعض ابھی تک

نہانے کا لطف اٹھا رہے تھے کیوں کہ اس خوش منظر علاقے میں بہت سے گرم پانی کے چشمے ہیں۔ رومیوں نے اسی حال میں اُن پر حملہ کیا اور اُن کے نعرے سُن کر بہت سے سپاہی بھی جو اپنے نوکروں کو بچانا چاہتے تھے، دوڑ پڑے۔ ادھر دشمن کے لشکر میں بھی ہل چل مچ گئی اور وہ کھانا چھوڑ چھوڑ کر لڑنے کے لیے جمع ہوگئے۔ یہ اُچھل اُچھل کر بڑھتے اور اپنے نام "ام برونی" کا نعرہ لگاتے تھے جس سے اپنے آدمیوں کی ہمت بڑھے اور حریف خوف زدہ ہوجائے۔ لیکن اطالیہ والوں میں سب سے پہلے لگوریہ کے سپاہی اُن سے بھڑے تھے اور اُن کے بھی کسی جدِ امجد کا نام "ام برونی" تھا۔ اُنھوں نے جو وحشیوں کو یہ نعرہ لگاتے سُنا تو خود بھی چلا چلا کے یہی نام پکارنا شروع کیا۔ اور تلواریں چلنے سے پہلے اس نعرہ بازی نے ان میں بڑا جوش پیدا کیا کہ ہر فریق دوسرے سے زیادہ اونچی آواز نکالتا اور حریف کے نعروں کو دبانا چاہتا تھا۔

ندی پار کر کے آنے میں وحشیوں کی ترتیب قائم نہ رہ سکی تھی اور اُدھر لگوریوں نے اُن کے اگلے دستے پر حملہ کیا۔ تھوڑی دیر میں دوسرے رومی سپاہی بھی مدد کو پہنچ گئے کیوں کہ ماریوس کو انھیں روکنا مشکل ہوگیا تھا، پھر ان سب نے ام برونیوں کو مار مار کر ندی میں دھکیلنا شروع کیا۔ اُن کے بہت سے آدمی مارے گئے جن کے خون اور لاشوں سے ندی کا پانی بھر گیا اور باقی ماندہ جو پہاڑی ڈھلان پر نشیب میں ہونے کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکتے تھے، آخر گھبرا کر اپنے پڑاؤ کی طرف بھاگے۔ رومیوں

نے پیچھا کیا اور مارتے ہوئے اُن کے چھکڑوں اور ڈیروں تک پہنچ گئے جہاں اُن کی عورتوں نے بڑھ کر خود اپنے مردوں اور رومیوں کو کُہاڑیوں اور تلواروں سے مارنا شروع کیا۔ اُن کی چیخوں نے شورِ محشر برپا کر دیا کہ اپنے مردوں کو تو وہ دغا باز، غدّار وغیرہ ناموں سے پکارتی تھیں اور رومیوں کو دشمن دشمن کہہ کر لڑائی میں شریک ہوگئی تھیں۔ وہ اپنی ننگی کلائیوں سے اُن کی ڈھالیں چھینتی اور تلواریں پکڑ پکڑ لیتی تھیں اور ہاتھوں کے کٹ جانے اور جسم پر زخم کھانے کے باوجود ان کے استقلال میں فرق نہ آتا تھا۔

غرض اس طرح یہ لڑائی سپہ سالار کے ارادے کے بغیر، اسی ندی کے کنارے ہوگئی۔ رومی بہت سے امبرنیوں کو قتل کرکے واپس ہوئے تو رات ہوگئی مگر سپاہیوں کو آرام و اطمینان میسّر نہ آیا نہ جیسا کہ قاعدہ ہوتا ہے کھانے پینے، اور فتح کے گیت گانے کا موقع ملا بلکہ وہ اچھی طرح سو بھی نہ سکے اور تمام رات دشمن کے چھاپہ مارنے سے خوف زدہ رہے کیونکہ وہ مغلوب نہیں ہوا تھا اور نہ رومی پڑاؤ کے گرد کوئی پشتہ یا باڑ بنی ہوئی تھی۔ دوسرے وحشیوں کے لشکرگاہ سے رات بھر دہشت ناک آوازیں آتی رہیں۔ یہ آہ و زاری کی نہ تھیں بلکہ جیسے درندے غرّاتے ہیں اور ہانکی ہیں گالیوں اور دھمکیوں کا شور ملا ہوا تھا، جو پاس کی پہاڑیوں اور ندی کے خالی گڑھوں میں گونج پیدا کرتا تھا اور اس نے سارے میدان میں عجیب قسم کا وحشت ناک شور برپا رکھا۔ خود ماریوس کو شب خون کا خطرہ تھا لیکن غنیم نے رات کو اور دوسرے دن بھی کوئی جنگ نہیں کی

بلکہ اپنی فوج کی مناسب موقع سے ترتیب جمانے میں مصروف رہے اس فرصت سے ماریوس نے فائدہ اٹھاکر مارسیلوس کو تین ہزار باقاعدہ سپاہیوں کے ساتھ جنگل میں خفیہ طور سے بھیج دیا کہ عین جنگ کے وقت کمین گاہ سے نکل کر دشمن کی پشت پر حملہ کریں اور باقی سپاہ کو اچھی طرح کھلا پلا کے آرام دے کے تازہ دم کرلیا ۔ پھر دوسرے دن صبح ہوتے ہی سوار فوج کی صفیں جمائیں اور انھیں میدان میں نکالا ۔ یہ دیکھ کر تیوتانی اتنا صبر بھی نہ کرسکے کہ رومی میدان تک آجائیں بلکہ نہایت غیظ و غضب میں اُن کی طرف دوڑ پڑے اور پہاڑی ڈھلانوں کے اُوپر چڑھ چڑھ کر اُن پر حملہ کرنے لگے ۔ ماریوس نے تمام سرداروں کو حکم بھیج دیا کہ وہ غنیم کے اوپر آجانے تک خاموش رہیں اور جب وہ بالکل قریب آجائے تو برچھیاں پھینک کر ماریں اور ساتھ ہی تلواریں لے کر اس پر ٹوٹ پڑیں اور ڈھالیں مار مار کر اُسے نیچے دھکیلتے ہوئے لے چلیں ۔ اُس نے اُنھیں جتا دیا کہ اس ڈھلان پر دشمن کے وار کارگر نہ ہوں گے نہ وہ یہاں قدم جماکر رومی دباؤ کو روک سکیں گے ۔

ماریوس نے جیسا مشورہ دیا تھا، خود بھی اسی کے مطابق لڑائی لڑا کیوں کہ وہ جسمانی قوت میں کسی سے کم نہ تھا اور ہمت میں سب سے بڑھا ہوا تھا ۔ غرض رومی سپاہ غنیم کے بڑھنے کی منتظر رہی اور جب وہ پہاڑی کے اوپر پہنچ گیا تو اسے دباتی ہوئی نیچے لے چلی ۔ یہاں تک کہ وہ نیچے مسطح میدان تک پسپا ہوئی اور ابھی اپنی صفوں کو درست کر رہے تھے کہ ان کے عقب میں ابتری پھیل

گئی کیوں کہ مارسلوس نے اسی موقع سے فائدہ اٹھایا اور کمین گاہ سے نکل کر دشمن کے عقب میں حملہ کر دیا۔ اس کے سپاہی نعرے لگاتے ہوئے پوری تیزی سے وحشیوں پر آپڑے اور جو پہلے سامنے آئے، ان کو قتل کیا اور بقیۃ السیف نے اپنی پریشانی سے پوری فوج میں ابتری ڈال دی۔ اس حالت میں وہ سامنے سے بڑھنے والے رومیوں کا جم کر مقابلہ نہ کر سکے۔ ان کا سارا نظم درہم برہم ہوگیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ رومیوں نے ان کا تعاقب کیا اور ہزاروں کو قتل کر ڈالا۔ خیمہ و خرگاہ کے علاوہ ایک لاکھ قیدی اُن کے ہاتھ آئے اور جو مالِ غنیمت کسی کے ہاتھ نہیں پڑا تھا، وہ سب ماریوس کا حصہ قرار پایا اور یہ مال اگرچہ بہت کثیر تھا پھر بھی لوگ سمجھتے تھے کہ اس خطرناک موقع پر جو کارنامہ اُس نے دکھایا، اس کے مقابلے میں ہیچ تھا۔

بعض مصنفوں نے اس معرکے کی تفصیلات میں اختلاف کیا اور مقتولوں کی تعداد اور مال غنیمت کی تقسیم کی روایت دوسری طرح کی ہے۔ لیکن یہ بھی مُقر ہیں کہ دشمن کے اتنے آدمی مارے گئے تھے کہ شہر مسی لیہ کے لوگوں نے اُن کی ہڈیوں سے اپنے تاکستانوں کی باڑیں بنائی تھیں! اور ان کے جسموں کی کھاد سے آئندہ جاڑوں کی بارش کے بعد غیر معمولی فصل تیار ہوئی تھی۔ اور یہ حکیم آرکی لوکس کے قول کی تصدیق تھی جس نے لکھا ہے کہ اس قسم کی کھاد بال کو موٹا کرتی ہے۔ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ عام طور پر بڑی لڑائیوں کے بعد بارش بہت کثرت سے ہوتی ہے۔ اس کا سبب یا تو یہ سمجھیے کہ

کوئی آسمانی قوت اس طرح اوپر سے بارش بھیج کر زمین کو خون کے داغ دھبے سے پاک صاف کر دیتی ہو اور یا یہ کہ خون اور گلنے سڑنے سے اس قدر ابخرے اٹھتے ہیں کہ ہوا جس پہ چھوٹی سے چھوٹی چیز کا اثر پڑتا ہو، کثیف ہو جاتی ہو۔

جنگ کے بعد ماریوس نے مالِ غنیمت میں سے صرف ایسے ہتیار اور سامانِ جلوسِ فتح میں دکھانے کے لیے رہنے دیے جو سالم اور اچھی حالت میں تھے۔ باقی سب کا ڈھیر کر کے دیوتاؤں کے نام کی شان دار قربانی ادا کی۔ یعنی ڈھیر کے گرد ساری فوج اسلحہ لگا کے اور ہار پہن کے دائرے میں کھڑی ہوئی اور خود ماریوس قرمزی حاشیے کا چغہ پہن کر، جیسا ان مراسم کے وقت دستور ہو، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے ہوئے بڑھا اور مشعل سے ڈھیر کو آگ دکھانے والا تھا کہ اپنی طرف کے چند سوار تیزی سے ادھر آتے ہوئے دکھائی دیے۔ سب خاموشی سے ان کا انتظار کرنے لگے حتے کہ وہ ماریوس کے قریب پہنچ کر گھوڑوں سے کودے اور سلامی دے کر یہ اطلاع عرض کی کہ وہ پانچویں مرتبہ پھر قنصل منتخب ہوا ہو۔ پھر اسی مضمون کے مراسلے پیش کیے جس نے قربانی کی رسوم کی خوشی دوبالا کر دی اور سپاہیوں نے تلوار سے تلوار لڑا کر نعرۂ مسرت بلند کیا اور سرداروں نے ایک اور سہرا ماریوس کے سر پہ باندھ دیا جس کے بعد اس نے ڈھیر کو آگ دکھا کر قربانی کی تکمیل کی۔

لیکن چند روز بھی نہ گزرے تھے کہ اسی قوت نے، خواہ اسے تقدیر کہیے یا قہرِ الٰہی یا خود واقعاتِ عالم کی فطرت سمجھیے، جو شادمانی کو کبھی کامل و خالص نہیں رہنے دیتی اور انسانی معاملات کو اچھے

لور میرے کا مجموعہ بنا دیتی ہی، ایک نئے طوفان کی خبر دی۔ یعنی اس کے ساتھی تنصل کاتولس کی ہزیمت کا حال معلوم ہوا جس نے تمام اہل روما کو پھر دہشت زدہ کر دیا۔ کاتولس کیم بری قوم کے خلاف لشکر لے کر گیا تھا مگر الپس کے سب دروں کو روکنا غیر ممکن سمجھ کر، جس سے رومی فوج کئی حصوں میں منقسم ہو جاتی، وہ واپس اطالیہ کے میدانوں میں آیا اور ادی گہ ندی کے عقب میں پڑاؤ ڈال دیا۔ ندی کے معبر کے دونوں طرف اس نے مضبوط قلعہ بندی کر دی اور ان کو ایک پل سے ملا دیا۔ لیکن کیم بری قوم کے وحشی سپاہی اس تمرّد کے ساتھ مقابلے میں آئے کہ بغیر ضرورت، محض اپنی دلیری اور دشمن کی تحقیر کا اظہار کرنے کے لیے، عین برف باری میں ننگے بدن پہاڑوں پر چڑھے اور اپنی چوڑی ڈھالوں کو سینے کے نیچے رکھ کر خوف ناک ڈھلانوں پر سے پھسل کر دامن کوہ میں آ پہنچے۔ پھر میدان میں پڑاؤ ڈال کر انھوں نے بڑے بڑے درخت جڑوں سے اکھیڑ اکھیڑ کر ندی میں ڈالنے شروع کیے اور پہاڑی پتھروں کو عفریتوں کی طرح اکھاڑ کر نیز مٹی کھود کھود کر ندی کا راستہ روک دیا۔ رومی پل کو بھی انھوں نے بھاری بھاری چیزیں بہا کر ایسی ٹکریں دیں کہ اس کے شہ تیر جن پر پل قائم تھا، اکھڑ گئے۔ یہ دیکھ کر رومی سپاہ کا بڑا حصہ اس قدر خوف زدہ ہوا کہ بغیر لڑے بھڑے پڑاؤ چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور اس وقت کاتولس کو جو نہایت شریف اور فیاض سپہ سالار تھا، سوائے اس کے کچھ نہ بن پڑا کہ ساری

فوج یا وطن پر نامردی کا دھبا لگنے کی بجائے یہ بدنامی اپنے ذمے لے لے۔ چناں چہ سپاہی اُس کے کہنے سے نہ رُکے تو اُس نے حکم دیا کہ خود اس کے علم بردار بھاگنے والوں کے آگے آگے ہوجائیں اور خود بھی دوڑ کر ان کے آگے ہوگیا تاکہ یہ فراری اپنے سپہ سالار کی معیت میں پسپائی کی صورت اختیار کرے ــ ادھر دشمنوں نے حملہ کرکے ندی کے پار قلعے پر قبضہ کرلیا۔ جو رومی سپاہی اس میں متعین تھے، وہ ایسی بہادری کے ساتھ لڑے کہ دشمن نے بھی ان کی داد دی اور اپنے برنجی بیل پر حلف لے کر انھیں زندہ سلامت چھوڑ دیا۔ کہتے ہیں۔ فتح کے بعد یہ بیل بھی مالِ غنیمت میں آیا اور اُسے کاتولس کے مکان تک لے گئے۔

رومیوں کے مقابلے سے ہٹ جانے کے بعد کیمبری حملہ آوروں نے گرد و نواح کے سارے علاقے کو دل بھر کے لوٹا ادھر ماریوس کو رومہ طلب کیا گیا جہاں سب کو خیال تھا کہ وہ اپنا سالانہ جلوس فتح نکالے گا مگر اُس نے بے موقع سمجھ کر یا آیندہ زیادہ شان دار جلوس نکالنے کی امید میں ایسا نہیں کیا بلکہ کاتولس کے پاس جاکر اس کی بہت کچھ دل جوئی کی اور ہمت بندھائی اور اپنی فوج کو بھی غالیہ سے واپس بُلا کر پو ندی پر مورچے جمائے کہ اس کے جنوب میں وحشیوں کو نہ گھسنے دے۔

کیمبری اپنے ام برونی اور تیوتانی ساتھیوں کے آنے کا انتظار کرتے رہے۔ ممکن ہے اُن کی ہزیمت کا انھیں علم نہ ہو یا وہ جان کر تجاہل سے کام لیتے ہوں کیوں کہ جو لوگ اُس

شکست کی خبریں ان کے پاس لائے، ان سے بھی کیم بری بُری طرح پیش آئے۔ پھر ماریوس کے پاس سفارت بھیجی۔ اس میں بھی اپنے اور اپنے بھائیوں کے واسطے علاقہ طلب کیا جس میں وہ آباد ہو سکیں۔ جب ماریوس نے دریافت کیا کہ بھائیوں سے کیا مراد ہے تو سفیروں نے کہا تیوتانی۔ اس پر رومی حاضرین ہنس پڑے اور ماریوس نے ازراہِ تضحیک کہا "تم اپنے بھائیوں کی فکر نہ کرو، ہم ان کو پہلے ہی زمینیں دے چکے ہیں جہاں وہ ہمیشہ قابض رہیں گے" سفیر طعنے کا مطلب سمجھ گئے اور جواب میں بُرا بھلا کہنے اور دھمکی دینے لگے کہ کیم بری اور تیوتانی آ جانے کے بعد اس دل لگی کا مزا چکھائیں گے۔ ماریوس نے کہا: "ہاں وہ زیادہ دُور نہیں ہیں اور یہ دوستی کے خلاف ہوگا کہ تم اُن سے ملے بغیر چلے جاؤ۔" یہ کہہ کر اس نے تیوتانی رئیسوں کو جو اس کی قید میں تھے، طلب کیا۔ اور انھیں اس حال میں دیکھنے کے بعد کیم بری قوم نے فوراً اس پر حملے کی تیاریاں کیں اور ساری فوج اس کے مورچہ بند پڑاؤ کے سامنے لے آئے۔

کہتے ہیں اسی جنگ کے واسطے ماریوس نے رومی بر ھیوں
کی ساخت میں تبدیلی کی اور اس کے پھل کو دو کیلوں سے ڈانڈ
میں جڑوانے کی بجائے حکم دیا کہ صرف ایک کیل ور نیچے چوبی
میخ سے اسے جڑا جائے تاکہ پھل دشمن کی ڈ ھال میں گھس کر
میخ کے ٹوٹ جانے سے مڑ کر کانٹے ک طرح اٹک جائے
اور گھسٹنے کا کام دے سکے۔ ادھر یمبری قوم کا بادشاہ

ربیوریش چند سواروں کے ساتھ خود رومی پڑاؤ میں آیا اور ماریوس کو دعوت دی کہ وہ جنگ کا دن اور مقام مقرر کر دے۔ ماریوس نے کہا کہ رومی دشمنوں سے یہ مشورہ نہیں کیا کرتے کہ کب لڑیں گے۔ مگر میں اُن کی خوشی کرنے کو تیار ہوں۔ چناں چہ تیسرا دن اور ورِکلی کا میدان مقرر ہوا جو رومی رسالے کی نقل و حرکت اور کیم بری فوج کی پوری تعداد کے شریک جنگ ہونے کے واسطے کافی تھا۔ اس قرار داد کے مطابق فریقین صف آرا ہوئے۔ وسط میں کاتولس کے بیس ہزار تین سو سپاہی تھے اور دونو بازوؤں پر ماریوس کی بتیس ہزار فوج تھی۔ سیلّا اس معرکے میں موجود تھا اور اُس کے حالات میں لکھتا ہے کہ ماریوس نے یہ سمجھ کر کہ ایسی لڑائی کا فیصلہ بازوؤں ہی کی فوجوں سے ہوتا ہے، یہ ترتیب قائم کی تھی کہ پوری فتح اسی کی فوج حاصل کرے اور کاتولس کو لڑنے کی نوبت بھی نہ آئے۔ کہتے ہیں خود کاتولس نے اپنی شرافت کے ثبوت میں یہی بات کہی اور مختلف پیرایوں میں ماریوس پر حسد کا الزام لگایا تھا۔ غرض کیم بری سپاہی خاموشی سے میدان میں آئے اور تیس تیس فرلانگ کے تین حصوں میں ان کا لشکر پھیل گیا۔ ان کے سواروں کی تعداد پندرہ ہزار تھی اور وہ ایسے خود پہنے ہوئے تھے جن کی شکل درندوں کے جبڑوں سے ملتی جلتی تھی۔ سروں پر کلغیاں تھیں جن سے ان کا قد زیادہ لمبا نظر آتا تھا۔ آہنی [illegible] بکتر، چمکتی ہوئی سپر اور دو دو کمانوں سے مسلح تھے اور دست بہ دست لڑائی کے لیے لمبے لمبے بھاری

تیغ لے کر آئے تھے۔

لڑائی میں سامنے حملہ کرنے کی بجائے وہ دائیں طرف مڑ گئے کہ حریف کی فوج ان کے عقب میں آئے تو پھر اُن کے پیادے اُس کو گھیرے میں لے لیں اور یہ چال رومی سپہ سالار سمجھ گئے تھے لیکن وہ اپنے سپاہیوں کو روک نہ سکے اور اُن کا تعاقب میں بڑھنا تھا کہ وحشیوں کی پیادہ فوج ایک بڑے سمندر کی طرح موجیں مارتی ہوئی اُن پر حملہ آور ہوئی۔ اس وقت ماریوس نے اپنے ہاتھ دھوئے اور آسمان کی طرف اُٹھا کر منت مانی کہ فتح نصیب ہوئی تو مہاگیبیہ یعنی سو بیل کی قربانی کروں گا۔ اسی طرح کاتولس نے ہاتھ اٹھا کے ایک مندر بنانے کا اقرار کیا۔ لیکن جنگ میں سیلا کے بہ قول، ماریوس سے دیوتاؤں نے یہ اظہارِ نارضامندی کیا کہ میدان میں بڑے زور سے گرد اُڑی جس میں دونوں لشکر چھپ گئے اور غنیم کی فوج ماریوس کے سپاہیوں سے بالکل علاحدہ ایک طرف چلی گئی۔ چناں چہ اتفاق سے لڑائی کا زور کاتولس کے سپاہیوں نے جھیلا اور انھیں ایک فائدہ یہ حاصل ہُوا کہ سورج کا رُخ دشمن کے سامنے رہا اور ان وحشیوں کے دھوپ اور گرمی سے بہت جلد سانس چڑھ گئے۔ کیوں کہ، جیسا اوپر بیان ہو چکا ہے، یہ نہایت سرد و مرطوب خطوں کے رہنے والے تھے۔ سخت سے سخت سردی کو جھیل سکتے تھے لیکن یہ لڑائی سکس تی لیس مہینے کی جسے اب رومی اگست کہتے ہیں، تیسری تاریخ واقع ہوئی اور گرمی کی شدت نے غنیم کو پسینے پسینے کر دیا۔ اُدھر آندھی سے جو گرد

اڑی اور دشمن کی فوج اس میں چھپ گئی یہ بھی رومیوں کے حق میں مفید ہُوا کہ وہ ان وحشیوں کی تعداد کثیر سے مرعوب نہ ہوسکے اور صرف قریب کی صفوں کو مارتے کاٹتے رہے۔ محنت مشقت کے وہ اتنے عادی تھے کہ آخر تک ان کا سانس نہ پھُولا اور نہ کسی شخص کو پسینہ آیا جس کی کاتولس نے بھی بہ طور خاص تعریف لکھی ہے۔

غرض اسی گھمسان میں دشمن کے بہترین سپاہی اور سردار مارے گئے اور چوں کہ ان کی ٹولیاں کی ٹولیاں زنجیروں میں اپنے آپ کو باندھ لیتی تھیں، اس لیے فرار بھی نہ ہوسکے۔ لیکن جو سپاہی بھاگ کر لشکرگاہ میں پہنچے، انھیں خود اُن کی عورتوں نے قتل کیا اور اس میں بھائی بیٹے شوہر کی رعایت نہ کی۔ پھر ان بے دردوں نے اپنے بچّوں کے خود گلے گھونٹ کر مارا اور خود بھی چھکڑوں یا بیلوں کے نیچے لیٹ کر اپنے آپ کو روندوا کر ہلاک کرلیا۔ بعض مردوں نے بھی، درخت نہ ملے تو بیلوں کے سینگوں پر یا گھوڑوں کے نیچے لیٹ کر ان جانوروں کو اس طرح بدکایا کہ سینگ جسم کے پار یا بدن پارہ پارہ ہوکر وہ ختم ہوگئے۔ اس عام خودکشی کے باوجود ان کے قیدیوں کی تعداد ساٹھ ہزار کے قریب تھی اور اس سے دُگنے جنگ میں مقتول ہوئے۔

ہر چند، اس معرکے میں کاتولس کی سپاہ نے بڑا حصہ لیا اور جب کچھ قیل و قال ہوئی تو شہر پارمہ کے ثالثوں کو میدان میں لے جاکر دکھا دیا کہ مقتولوں کے جسم میں جو برچھیاں

گھسی ہوئی تھیں، ان کی ڈانڈوں پر کاتولس کا نام گھُدوا ہوا تھا، لہٰذا دشمن کے علم اور نوبت نقارے وغیرہ اسی کے خیمے میں لائے گئے۔ بہ ایں ہمہ پوری فتح کا سہرا ماریوس ہی کے سر بندھا اور اہلِ شہر نے عام طور پر اسی کو رومہ کے تیسرے بانی کا خطاب دیا جس کی بہ دولت شہر ایسے ہی شدید خطرے سے بچ گیا جیسا غالوں کے اندر پہنچ جانے اور تاراج کر ڈالنے کے وقت پیدا ہوا تھا۔ چناں چہ اس فتح کے جشن منانے میں ہر شخص نے دیوتاؤں کے ساتھ ماریوس ہی کا نام لے لے کر نذر نیاز ادا کی۔ پھر بھی، خود اس نے جلوسِ فتح میں کاتولس کو برابر کا شریک رکھا جس سے اپنی انصاف پسندی دکھانی مقصود تھی اور اصل یہ ہے کہ وہ کاتولس کے سپاہیوں سے اندیشہ مند تھا کہ اگر ان کا سپہ سالار محروم کر دیا گیا، تو کہیں وہ اس جلوس کے نکلنے میں کوئی رخنہ اندازی نہ کریں۔

یہ ماریوس کی پانچویں قنصلی تھی جس کے بعد اُس نے چھٹی مرتبہ اس عہدے کی درخواست کی اور وہ بھی اس طرح کہ کسی نے پہلی قنصلی کے لیے بھی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا ہوگا۔ یعنی اُس نے طرح طرح سے لوگوں کی خوشامد کی اور ہر قسم کی رعایت و روا داری سے عوام کو رضامند کیا۔ یہاں تک کہ نہ صرف اپنے عہدے اور حکومت بلکہ اپنی سیرت پر داغ لگانے میں باک نہ کیا اور اس قدر خوش کرنے اور ہر دل عزیز بننے کی کوشش کی جو اس کے فطری مزاج کے خلاف بات تھی۔ انتہا یہ کہ شہرت و امتیاز کے شوق نے اُسے مُلکی معاملات میں بُزدل بنا دیا اور وہ عام

جلسوں میں کھڑے ہونے سے گھبرانے لگا۔ جنگ کے معرکوں میں ہمیشہ اس کے ہوش حواس بجا رہتے تھے، وہی اب لوگوں کو خطاب کرنے میں غائب ہوجاتے اور معمولی تعریف یا تنقید اس کو پریشان کردیتی تھی۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ شہر کامریہم کے ایک ہزار باشندوں کو جو بہت دلیری سے لڑے تھے، اس نے آزاد شہریوں کا اعزاز عنایت کیا اور یہ بہ ظاہر خلافِ قانون فعل تھا جس پر کسی نے سرِ جلسہ گرفت کی تو ماریوس نے جواب دیا کہ جنگ کے شور میں قانون کی نرم آواز کون سن سکتا ہے، حال آں کہ وہ خود صرف جلسوں کے شور میں حواس کھو بیٹھتا تھا۔ بات یہ ہے کہ لوگوں کو زمانۂ جنگ میں اس کی خدمات کی ضرورت تھی اور اسی وجہ سے یہ منصب و اقتدار اُسے حاصل ہوا تھا لیکن زمانۂ امن میں وہ سب سے اعلا رُتبہ پانے سے مایوس ہوگیا تھا لہٰذا لوگوں کی خوش نودی حاصل کرنے پہ مجبور تھا اور اس کوشش میں کہ بڑا آدمی بن جائے، اُس نے اچھا آدمی رہنے کے خیال کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔

غرض، عوام کی خاطرداری ہی کی بہ دولت اعلا طبقے میں اُس سے بیزاری پیدا ہوئی اور خود ماریوس کو سب سے زیادہ خوف اسی میتی لوس سے ہوا جس سے وہ کافر نعمتی کرکے اپنا کام نکال چکا تھا اور جس کی راست بازی ہر ایسے شخص کا اُسے مخالف بنا دیتی تھی جو شریفانہ طرزِ عمل کی بجائے محض رُو رعایت اور بے جا خوشامد سے عوام الناس میں رسوخ حاصل کرنا چاہتا ہو۔ انھی وجوہ

سے ماریوس نے اسے خارج البلد کرانے کی ٹھان لی اور گلوکیا اور ساترنی نوس کے ساتھ گہرا ساز باز کیا۔ یہ دونوں بڑے من چلے شخص تھے اور شہر کے ہزاروں بھوکے اور فسادی لوگوں پر انھیں اقتدار حاصل تھا۔ انھی کی مدد سے اس نے مختلف قوانین وضع کیے اور سپاہیوں کو بھی مجلسِ عوام میں شریک کرکے آخر متی لوس پر قابو پالیا۔ روتی لیوس مصنّف کا بیان ہو کہ قبائل میں ہزاروں رُپیہ تقسیم کرکے اس نے متی لوس کو ناکام رکھا اور اپنا ساتھی فلاکوس کو منتخب کرایا جو بالکل اس کے ہاتھ میں تھا۔ (واضح رہے کہ یہ مصنّف اور معاملات میں بہت راست باز اور قابلِ اعتماد ہو لیکن ماریوس سے اسے ذاتی عداوت تھی) اس طرح ماریوس چھٹی دفعہ قنصل مقرر ہوا جو رومہ کی تاریخ میں بالکل نئی بات تھی۔ اگرچہ کوروی نوس بھی چھ مرتبہ قنصل ہُوا لیکن اس کی پہلی اور آخری قنصلی میں ۵۴ سال کا وقفہ تھا۔ بہ خلاف اس کے ماریوس برابر ہر سال چھ مرتبہ منتخب ہوتا رہا جو اس کی بڑی خوش قسمتی کی بات تھی۔

مگر اس آخری قنصلی میں ساترنی نوس کی رضا جوئی کی غرض سے اُس نے کئی حرکتیں ایسی کیں جن کی بہ دولت لوگوں کو بہت ہی نفرت پیدا ہوئی۔ انھی حرکتوں میں سے ایک نونیوس کا قتل ہے جسے ساترنی نوس نے عہدے کی رقابت کی بنا پر ہلاک کیا۔ پھر جب اُس نے اراضی کی تقسیم کا نیا قانون مرتب کیا تو اس میں ایک دفعہ یہ بھی رکھی کہ مجلسِ عمائد کے ارکان سرِعام اس کی حلف سے توثیق کریں۔ ماریوس نے مجلس میں تو اس کی مخالفت کی اور

فریب سے یہ کہتا رہا کہ کوئی صاحب عقل اس طرح حلف نہیں اٹھائے گا لیکن اصلی مقصد یہ تھا کہ متی لوس کو پھانس لیا جائے جو نہایت سچا اور پختہ ارادے کا آدمی تھا اور (پنڈار کے الفاظ میں) صداقت کو شجاعانہ نیکی کا پہلا اصول، مانتا تھا۔ یہ چال چل گئی اور متی لوس نے اعلان کر دیا کہ وہ ایسا حلف نہیں اٹھائے گا۔ ساتھ ہی مجلس برخواست ہوگئی اور چند روز کے بعد جب ساترنی نوس نے حلف کے لیے عمائد کو طلب کیا تو سب سے پہلے ماریوس آگے آیا۔ ہر شخص گوش بہ آواز اور جلسے میں کامل خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ ماریوس نے سابقہ اقوال اور چرب زبانی کو بالائے طاق رکھ دیا اور کہنے لگا کہ میری پشت اتنی سخت نہیں ہو کہ ایسے اہم مسئلے میں جو رائے ایک دفعہ دی تھی، اس سے بندھی رہے، لہٰذا اگر قانون میں یہ شرط ضروری ہو تو میں اسے ماننے اور حلف لینے کے لیے تیار ہوں۔" یہ "اگر" اس نے محض بے حیائی پر پردہ ڈالنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ چناں چہ یہ کہہ کر فوراً حلف اٹھا لیا جس پر عوام بہت خوش ہوئے اور خوب تالیاں بجا کر اس کی تعریف کی۔ لیکن امرا کو اس کی یہ حرکت اور تلوّن دیکھ کر سخت شرمندگی اور پریشانی ہوئی اور انھیں بھی لوگوں کے خوف سے حلف لیے بغیر چارۂ کار نظر نہ آیا۔ یہاں تک کہ متی لوس کی باری آئی اور اس وقت دوستوں کے اصرار و فہمایش کے باوجود، وہ اپنی بات پر قائم رہا اور اس نے حلف نہیں اٹھایا بلکہ دستور کے مطابق پنچایت سے اٹھ کر چلا گیا اور ساتھ والوں سے کہا کہ حق کے خلاف کام کرنا،

رذالت ہی۔ خطرہ نہ ہونے کی صورت میں رہِ راست اختیار کرنا معمولی بات ہی لیکن شریفوں کا امتیاز تو یہی ہی کہ خطرے کے وقت بھی راستی سے قدم نہ ہٹائیں۔"

اُدھر ساترنی نوس نے تحریک پیش کی کہ متی لوس پر آگ، پانی اور مکان حرام قرار دیا جائے۔ بعض پاجی لوگ اُس کی جان لینے پر بھی تیار تھے لیکن بہت سے اشراف متی لوس کے گرد جمع ہوگئے۔ اس نے ان کو بھی فتنہ و فساد سے روکا اور یہ کہہ کر کمالِ اطمینان سے رخصت ہُوا کہ "یا تو صورتِ حال بدل جائے گی اور اہلِ شہر پشیمان ہوکر خود مجھے طلب کریں گے لیکن اگر ایسا نہ ہوا اور یہی رنگ رہا، تو پھر اس شہر سے میرا چلا جانا ہی بہت اچھا ہی۔"

جلا وطنی کے زمانے میں قوم نے اسے کیا کیا اعزاز و انعام دیے اور اس نے جزیرہ روڈس میں اپنا وقت حکمت و فلسفہ کے مطالعے میں کس طرح صرف کیا، اسے تفصیل سے متی لوس ہی کی سوانح میں لکھنا مناسب ہوگا۔

اس کے بعد تو ماریوس کو ساترنی نوس کے افعال و اعمال سے اور بھی چشم پوشی کرنی پڑی اور طرح طرح کے ظلم و تعدی اور قتلِ عام کا نادانستہ آلۂ کار بن گیا جن سے حکومت کی بنیادیں ہل گئیں۔ ایک طرف تو وہ طبقۂ امرا سے مرعوب تھا اور دوسری طرف عوام الناس کی خوش نودی کا طالب تھا۔ اسی متضاد طرزِ عمل کی بہ دولت ایک نہایت شرمناک اور بے ایمانی کی حرکت یہ کی کہ ایک بار جب بعض اُمرا ساترنی نوس کی شکایت کرنے اُس کے مکان

پر آئے تو ماریوس نے خفیہ طور پر خود ساترنی نوس کو مکان کے دوسرے حصے میں بلا کر بٹھا لیا۔ پھر کبھی اس فریق سے آکر عوام کی مذمت کرتا اور کبھی اُدھر جاکر انھیں امرا کے خلاف مشتعل کرتا اور طرح طرح کے حیلوں سے دونوں کو ایک دوسرے کا دشمن بناتا تھا۔ حتےٰ کہ شرفا کے ایک بڑے گروہ نے علانیہ ہتیار سنبھالے تو ماریوس نے پہلے تو فوج بلاکر انھیں قلعے کے اندر جانے پر مجبور کیا اور پھر پانی کی سب نہریں کاٹ کر ان سے ہتیار رکھوا لیے۔ انھوں نے جان بخشی کی شرط پر اپنے کو حوالے کیا تھا لیکن جب وہ قلعے سے نکل کر چوک میں آئے تو ماریوس کی روک تھام کے باوجود، عوام الناس نے ان سب کو کمال پاجی پن سے قتل کر ڈالا نتیجہ یہ ہوا کہ خاص و عام سبھی ماریوس کے مخالف ہو گئے اور قنصلی کی میعاد ختم ہونے کے بعد اُسے یہ بھی جرات نہ ہو سکی کہ محتسب کے عہدے کے لیے، جس کا وہ اصولاً مستحق تھا، اپنا نام پیش کرے۔ چنانچہ اس سے کم رتبہ اشخاص منتخب ہوئے اور وہ محروم رہ گیا اگرچہ یہ کہہ کر وہ اپنا دل خوش کر لیتا تھا کہ میں نے خود پسند نہیں کیا کہ لوگوں کی سیرت و افعال کا سخت احتساب کرکے انھیں اپنا گلہ گزار بنا دوں۔

اسی زمانے میں میتی لوس کو بلانے کی تجویز پیش ہوئی۔ ماریوس نے قولاً و فعلاً اس کی سخت مخالفت کی مگر کچھ نہ چلی اور خاموش ہونا پڑا۔ لوگوں نے بہ اتفاق اس کی راے دی اور ماریوس جب اس کا دوبارہ آنا برداشت نہ کرسکا تو نذر نیاز

ادا کرنے کے حیلے سے کپادوسیہ اور گلاتیہ روانہ ہوگیا۔
لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے اندیشہ ہوگیا تھا کہ زمانہ امن میں خالی پڑے رہنے سے اس کی قدر و منزلت گھٹتی چلی جائے گی لہٰذا اس نے ایشیائی بادشاہوں، خصوصاً میت ری داتس کو جو بہ نومبر جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا، آپس میں لڑنے یا تنگ آکر اہلِ رومہ سے اُلجھ پڑنے کا منصوبہ سوچا کیوں کہ ملکی کاموں کا تو وہ نا اہل ثابت ہوچکا تھا البتہ جنگ چھڑ جانے کی صورت میں امید تھی کہ پھر سپہ سالار بنا دیا جائے گا اور تازہ فتوحات سے اپنی نام وری میں اضافہ اور گھر میں شاہانِ ایشیا کی دولت لاسکے گا۔ چناں چہ جب وہ میت ری داتس کے پاس گیا تو ہر چند اس بادشاہ نے مہمان داری اور تعظیم تکریم میں کوئی کمی نہیں کی، بہ ایں ہمہ اس کی نخوت میں ذرا فرق نہ آیا اور اپنے میزبان سے اُس نے کہا کہ "ای بادشاہ یا تو رومیوں سے زیادہ طاقت ور بننے کی کوشش کرو ورنہ چپکے سے ان کے سامنے سر جھکا دو" اسی قسم کے الفاظ کہہ کے وہاں سے رخصت ہُوا اور میت ری دات کو رومیوں کی صاف گوئی کا، جس کی وہ شہرت سُنا کرتا تھا، بہت اچھا نمونہ دکھا گیا۔

رومہ واپس پہنچ کر ماریوس نے اپنا گھر چوک کے قریب تعمیر کرایا۔ اور سبب یہ بتایا کہ میں اپنے ملاقاتیوں کو زیادہ دور آنے کی تکلیف سے بچانا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے وہ یہ سمجھتا ہو کہ مکان کے دور ہونے کی وجہ سے لوگ کم آتے ہیں۔ لیکن اصل یہ ہے

کہ وہ خوش گفتاری اور ملکی زندگی کے دوسرے فنوں میں اپنے ہم چشموں سے بہت ہونا تھا اور اسی لیے جنگی ہتھیار یا اوزار کی طرح، زمانۂ امن میں الگ ڈال دیا گیا تھا، اور معاصرین میں جن کی جودت نے اس کی شہرت کو ماند کیا، اسے سب سے زیادہ دشمنی سیلا سے تھی جس کا عروج ہی اس نفرت کے باعث ہوا جو طبقۂ امرا میں ماریوس کے خلاف پیدا ہو گئی تھی۔ خود سیلاّ نے بھی ماریوس سے مخالفت کو اپنی سیاسی زندگی کا پہلا اصول بنایا تھا۔ بوکوس شاہ نومی دیہ جو اب رومیوں کا رفیق کہلاتا تھا، قلعہ رومہ میں فتح کی چند تصویریں نذر کرنے لایا اور انھی میں ایک تصویر خود اس بادشاہ کی تھی کہ (اپنے داماد) جوگرتھا کو سیلاّ کے حوالے کر رہا ہے۔ اسے دیکھ کر ماریوس غصے سے قریب قریب پاگل ہو گیا کہ گویا اس کی اپنی عزت چھین کر دوسرے کو دی جا رہی ہے۔ اس نے کوشش کی کہ یہ تصاویر زبردستی قلعے سے ہٹا دی جائیں۔ سیلا نے اسی شدومد کے ساتھ مزاحمت کی اور قریب تھا کہ فساد کی آگ بھڑک اٹھے کہ اتنے میں ملکی جنگ نے یکایک رومہ کو خطرے میں ڈال دیا اور وہ فتنہ دب گیا۔

بات یہ ہے کہ اطالیہ کے سب سے آباد اور جنگ جو علاقوں نے رومہ کے خلاف جتھا بنا لیا اور اس کی حکومت کو الٹ پلٹ کرنے میں کچھ کسر باقی نہ چھوڑی۔ کیوں کہ نہ صرف اپنے سپاہیوں کی بہادری اور اسلحہ میں۔ بلکہ اپنے سپہ سالاروں کی کاردانی. اور جسارت کے اعتبار سے بھی وہ

رومیوں کے تقریباً مساوی تھے۔

اس جنگ میں بہت سے نشیب و فراز پیش آئے لیکن مجموعی طور پر اس نے سِیلا کی شہرت و قوت میں جتنا اضافہ کیا، اسی قدر ماریوس کا اثر کم کر دیا۔ کیوں کہ وہ اتنی چُستی اور دلیری نہیں دکھا سکا جس کا سبب یا تو یہ تھا کہ اب اس کی عمر پینسٹھ سال کی ہو چکی تھی اور یا پٹھوں کی کوئی بیماری جس کی وہ شکایت کرتا تھا۔ پھر بھی اس نے دشمن کو اپنے آپ پر غلبہ نہ پانے دیا اور ایک بڑے معرکے میں فتح پائی۔ یہ قصّہ بھی مشہور ہے کہ حریف سپہ سالار سِیلو نے ایک دفعہ اسے بھڑکا کر دعوت دی کہ "اگر تم واقعی بڑے سپہ سالار ہو تو پڑاؤ چھوڑ کر میدان میں لڑنے آؤ" تو اُس نے جواب دیا کہ "آپ کی سپہ سالاری کا کمال یہ ہے کہ مجھے پڑاؤ سے باہر آنا پڑے"۔ ایک دفعہ جب لڑائی کا اچھا موقع تھا لیکن رومی سپاہی خوف کے باعث حملہ نہ کر سکے اور دونو فوجیں واپس چلی گئیں تو ماریوس نے اپنے سپاہیوں کا ایک جلسہ کیا اور کہنے لگا "ایک مشکل درپیش ہے کہ میں دشمن کو تم سے بڑھ کر بزدل قرار دوں یا تم کو دشمن سے زیادہ نامرد کہوں؟ کیوں کہ نہ ان میں یہ جرأت تھی کہ تمہاری پیٹھوں کا سامنا کرتے اور نہ تم میں اتنا حوصلہ ہوا کہ اُن کی پُشت کا مقابلہ کرتے"۔ آخر جسمانی عوارض کے عذر پر وہ سپہ سالاری سے دست کش ہو گیا۔

اطالیہ کی جنگ ختم ہونے کے بعد میتھری داتس کے خلاف سپہ سالاری کے کئی امیدوار تھے۔ وکیلِ عوام سُلپی کیوس نے جو

دلیر اور صاحب عزم شخص تھا، توقع کے خلاف ماریوس کا نام تجویز کیا کہ اسے نائب قنصل اور سپہ سالار بنایا جائے۔ لوگوں میں اختلاف ہوا۔ بعض نے ماریوس کے حق میں رائے دی دوسرے سیلا کی طرف رہے اور ماریوس پر فقرے کسنے لگے کہ تم تو خود کہتے ہو کہ بڑھاپے اور نزلے نے سارا جسم تھکا دیا ہی اب بائیہ جاکر حمام اور آرام لو، سپہ سالاری کیا کروگے ۔ اور واقعی اس علاقے میں بہ مقام مسی نم اس نے ایک بنگلہ بنایا اور ایسے سامانِ عیش و نشاط سے آراستہ کیا تھا جو اُس جیسے جنگ آزما سپاہی آدمی سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے تھے۔ اسی کو کورنیا نے پچھتر ہزار درہم میں اور کچھ مدت بعد لکوئوس نے پچیس لاکھ درہم میں خریدا جس سے اندازہ ہوتا ہی کہ رومیوں کی دولت نے کتنی سرعت و کثرت سے ترقی کی تھی ۔ مگر پیرانہ سالی اور جسمانی عوارض کے باوجود ماریوس کو شہرت کا ایسا طفلانہ شوق تھا کہ وہ روزانہ مارٹیوس کے دنگل میں جاتا اور جوانوں کے ساتھ ورزش اور سواری کرکے دکھاتا کہ ابھی تک اس کی سپہ گری اور چستی چالاکی میں کچھ فرق نہیں آیا ہی اگرچہ اس میں مطلق شبہ نہیں کہ اب اس کا بدن بھاری ہو چلا تھا اور کس کساؤ کم ہوتا جاتا تھا ۔ بعض لوگ اُس کا یہ ذوق شوق دیکھ کر خوش ہوتے اور اس کی شہ سواری اور سپاہیانہ ورزشوں میں شرکت اور مقابلے دیکھنے برابر دنگل میں جایا کرتے تھے۔ لیکن جو زیادہ سنجیدہ اور شریف تھے اُنھیں اس کی ہوس دیکھ کر ترس آتا تھا کہ یہ شخص جو بکمال مفلسی سے انتہائی تونگری اور مطلق گم نامی

سے اتنی نام وری کے درجے تک پہنچ گیا، آج بھی اپنی دولت کی کوئی حد نہیں قرار دیتا اور ممدوح و مشہور ہونے پر قانع نہیں بلکہ آرام و اطمینان سے زندگی بسر کرنے کی بجائے، محتاجوں کی طرح اس بات کے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ میتھ ری داتس کے یونانی سپہ سالاروں سے ایشیا میں جا کر جنگ کرے! خود ماریوس اپنی اس تگ و دو کا یہ مضحکہ انگیز بہانہ کیا کرتا تھا کہ "میں اس لیے جانا چاہتا ہوں کہ اپنے بیٹے کو سپہ سالار بننے کی تعلیم دوں +

جب سُل پی کیوس جیسا بے باک آلۂ کار اُسے ملا تو گویا ماریوس کے ہاتھوں نظام حکومت کی تباہی یقینی ہو گئی کیوں کہ روما کی حالت پہلے ہی ایک مدت سے ناقص و نادرست ہو رہی تھی۔ یہ سُل پی کیو ہر اعتبار سے ساتر نی نوس کا مدّاح اور مقلّد تھا اور اس پر اعتراض بھی کرتا تھا تو صرف یہ کہ وہ اپنے منصوبے انجام دینے میں پوری قوّت اور ہمّت سے کام نہ لیتا تھا بلکہ ہچک جاتا تھا۔ چناں چہ اس کمی کو پورا کرنے کی غرض سے اُس نے چھ سو سوار اپنی اردلی میں مقرر کیے اور ان کا نام ہی "عمائد شکن" تجویز کیا۔ انھی کی مدد سے ایک بار اس نے مجلس عوام میں قنصلوں پر حملہ کیا اور ایک کے بیٹے کو جو چوک سے بھاگا تھا، پکڑ کے قتل کرا دیا۔ سیلا کا بھی ان لوگوں نے پیچھا کیا اور اسے بھاگ کر ماریوس کے مکان میں چھپنا پڑا جہاں تعاقب کرنے والے شبہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کہتے ہیں خود ماریوس نے اُسے اپنے مکان سے گزارا اور دوسرے راستے سے باہر بھیجا۔ لیکن سیلا اپنی سوانح میں ماریوس کے ہاں چھپنے سے قطعی انکار کرتا ہے اور

لکھتا ہے کہ جب میں نے بعض معاملات کی تائید سے انکار کیا تو سُل پی کیوس کے ساتھی مجھے جبراً ماریوس کے پاس مشورے کی غرض سے لے گئے اور ننگی تلواروں سے مجھے گھیرے رکھا۔ پھر میں نے اپنی مخالفت سے ہاتھ اٹھا لیا تو اسی طرح جلدی جلدی وہ چوک میں مجھے لاکر چھوڑ گئے۔

غرض، ان حرکتوں سے سُل پی کیوس کو چیرہ دستی حاصل ہوگئی تو اُس نے فوج کی سپہ سالاری سیلا سے لے کر ماریوس کے نام کردی اور اُس نے دو تری بیون بھیجے کہ سیلا سے فوج کا جائزہ لے لیں۔ اس پر سیلاّ نے سپاہیوں کو ایسا بھڑکایا کہ اُنھوں نے ان تری بیونوں کو جان سے مار ڈالا۔ ایسی تعدی سیلاّ کے بعض دوستوں کے ساتھ ماریوس بھی دو مرتبہ میں کرچکا تھا۔ پھر پینتیس ہزار فوج جو پوری طرح مسلح تھی، ماریوس کے خلاف بڑھی۔ کہتے ہیں اس نے غلاموں کو بھی مدد دینے کی شرط پہ آزادی کا اعلان کیا تھا مگر ایسے صرف تین غلاموں نے قبول کیا۔ اور چند روز مقابلہ کرنے کے بعد ماریوس مغلوب ہوکر بھاگ کھڑا ہوا۔ شہر سے باہر نکلنے کے بعد اس کے ساتھی منتشر ہوگئے۔ شام ہوتے ہی وہ اپنے ایک دیہاتی مکان میں پہنچا اور اس مقام (سلونیوم) سے بیٹے کو اپنے خُسر موکیوس کے پاس بھیجا کہ کھانے پینے کا سامان فراہم کرے مگر خود دوس نشیہ چلا آیا جہاں ایک دوست نومسریوس نے جہاز کا انتظام کر رکھا تھا۔ چناں چہ بیٹے کا انتظار کیے بغیر وہ اپنے داماد گرانیوس کے ساتھ اس میں سوار ہوکر روانہ ہوگیا۔

ماریوس کا بیٹا سامان کی تیاری میں گرفتار ہونے سے بال بال بچا
کیوں کہ مفروروں کی تلاش میں چند سوار اس طرف بھی آ نکلے تھے،
مگر مزرعے کے داروغہ نے انھیں آتے دیکھ کر اسے مٹر کی گاڑی
میں چھپا دیا اور خود شہر ہی کی جانب اسے لے چلا۔ سوار راستے میں
ملے مگر کچھ نہ بولے اور نوجوان ماریوس بہ خیریت شہر میں اپنی بیوی
کے پاس پہنچ گیا۔ پھر ضروریاتِ سفر لے کر وہ رات کو ساحل پر
پہنچا اور افریقہ کی جانب روانہ ہوگیا۔ اِدھر بوڑھے ماریوس کی
کشتی کو طوفانی ہوا نے اطالیہ کی طرف دھکیلا اور اس علاقے میں
اُترنے سے وہ بہت ڈرا کہ یہاں اس کا ایک پرانا دشمن جمی نیئس
بڑا اقتدار رکھتا تھا۔ ملاحوں سے کہہ سن کر بہ مشکل وہ آگے چلا
اور بالآخر سیرکیوم کے قریب ساحل پر اُترا۔ طوفان کی شدت
بڑھ رہی تھی اور سامان خور و نوش ختم ہوچکا تھا لیکن خشکی پر
سفر کرنا ایک طرف، لوگوں سے دو چار ہونا تک مخدوش تھا
اور چند گوالوں نے بھی خبر دی کہ سوار اس کی تلاش میں پھر رہے
ہیں لہٰذا وہ دور جنگل میں جا کر چھپا اور وہ رات بڑی مصیبت
سے بسر کی۔ دوسری صبح بھوک کی بے قراری اور گرفتاری کے خوف
سے نکل کر ساحل چلا کہ اس سے پہلے کہ قوت بالکل جواب
دے دے، کسی محفوظ جگہ پہنچ جائے۔ ساتھیوں کی یہ کہہ کہہ کر
ہمت بندھاتا جاتا تھا کہ مجھے ایک پرانی پیش گوئی کی بنا پر یقین
ہے کہ ایک مرتبہ اور عروج حاصل کرلوں گا۔ کیوں کہ جب وہ
لڑکا سا تھا، ایک عقاب کا گھونسلا اس کے دامن میں گرا جس

میں سات بچّے تھے ۔ یہ دیکھ کر ماں باپ بہت خوش ہوئے اور شگون بچارنے والوں نے بھی اسے بہترین فال بتایا اور کہا کہ تقدیر اسے سات مرتبہ حکومت و اقتدار کے زینے پر پہنچائے گی بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ واقعی ماریوس کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا مگر جن لوگوں نے اس کی جلاوطنی کے زمانے میں اور بھی ایسی حکایتیں بہت سی سُنی ہیں ، اس قصّے کو محض خیالی جانتے ہیں کیوں کہ عقاب کے کبھی دو سے زیادہ بچّے نہیں ہوتے ۔ حتّی کہ موسیوس شاعر ، جس نے لکھا ہو کہ عقاب تین انڈے دیتا ، دو سہتا اور ایک بچّہ نکالتا ہو ، اس نے بھی دھوکا کھایا ہو ۔ حقیقتِ حال جو کچھ ہو ، اس میں شک نہیں کہ ماریوس اپنی جلاوطنی اور انتہائی مصیبت میں بھی بارہا کہتا رہتا تھا کہ مجھے ساتویں مرتبہ قنصلی ملے گی ۔

ماریوس اور اس کی جماعت اطالیہ کے شہر میں تودنہ سے کوئی بیس فرلانگ پر ہوگی کہ ایک طرف تو انھیں کچھ سوار تیزی سے اپنی طرف آتے ہوئے نظر آئے اور دوسری طرف دو بادبانی کشتیاں جاتی دکھائی دیں ۔ پس یہ لوگ پوری قوّت سے بھاگے اور سمندر میں کود کر تیرتے ہوئے کشتیوں تک جا پہنچے ۔ ان میں سے گرانیوس اور اس کے چند ساتھی تو ایک کشتی میں پہنچے اور قریب ہی انادی نامی ٹاپو میں جا اُترے لیکن ماریوس اپنے بھاری جسم کے باعث بمشکل دو نوکروں کے سہارے دوسری کشتی میں سوار ہوا ۔ اس عرصے میں سپاہی بھی سامنے ساحل پر آگئے اور انھوں نے ملّاحوں

سے کہا کہ یا تو کنارے پر آئیں اور یا ماریوس کو سمندر میں پھینک کر خود جہاں چاہیں چلے جائیں۔ ادھر ماریوس آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور التجا کی کہ ایسی بے دردی نہ کریں۔ کشتی کے ناخدا دیر تک تذبذب میں رہے کہ کس کی مانیں۔ کبھی ایک ارادہ کرتے کبھی دوسرا۔ آخر میں اُنھوں نے سپاہیوں کو یہی جواب دیا کہ ہم ماریوس کو حوالے نہیں کریں گے۔ مگر جب یہ سوار غصے میں چلے گئے تو پھر ملّاحوں کے دل میں دُھکڑ پکڑ ہوئی اور انھوں نے تھوڑی دُور بڑھ کر لی ریس ندّی کے دہانے جہاں اس کی طغیانی سے دُلدل بن گئی ہے، ماریوس کو ساحل پر اُتار دیا کہ تھوڑی دیر آرام لو تا آں کہ سمندر کی ہوا موافق چلنے لگے۔ چناں چہ وہ ساحل کے قریب ایک کھیت میں جا لیٹا اور جیسا خیال کرتا تھا، وہی ہُوا کہ ملّاحوں نے اُسے اُتار کر اپنی کشتی کا لنگر اٹھا دیا کیوں کہ اسے حوالے کرنا مروّت کے خلاف تھا تو پناہ دینا بھی انھیں مخدوش نظر آیا۔

ماریوس کو تنہا چھوڑ کر سب جا چکے تو وہ کیچڑ پانی اور گڑھوں میں سے کمال تکلیف اور دشواری کے ساتھ راستہ طے کرتا ہوا ایک بڈھے کسان کے گھر تک پہنچا۔ اس کے قدموں میں گر کر پناہ دینے کی التجا کی اور کہا کہ آج میری جان بچالی تو اس کا صلہ دوں گا جو تمھاری امیدوں سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔ بڈھے نے اسے پہچان کر یا موجودہ حالتِ زار پر ترس کھا کر کہا کہ آرام لینا ہو تو جھونپڑی حاضر ہے لیکن چھپنے کی جگہ چاہتے ہو تو ندی کے کنارے جھنڈوں میں چلو جہاں ایک کھو بنی ہوئی تھی۔ ماریوس نے اسی کو پسند کیا اور بوڑھے سے

بہت سے سرکنڈے وغیرہ ڈال کر اُسے اچھی طرح چھپا دیا۔ لیکن یہاں چُھپے ہوئے کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ جمی نیوس کے آدمی تعاقب میں آپہنچے اور بڈھے کو دھمکانا شروع کیا کہ تو نے قومی دشمن کو چھپایا ہے۔ یہ شور سُن کے ماریوس نے اپنے کپڑے اُتارے اور ایک جوہڑ میں گھس گیا تھا مگر وہاں سے بھی اُن سپاہیوں نے پکڑ کر کھینچ لیا اور اسی طرح کیچڑ میں بھرے، ننگے بدن اسے مینتورنہ کے عمال کے پاس لائے اور اگرچہ ان سب شہروں میں ماریوس کو قتل کرنے کے احکام پہنچ چکے تھے، تاہم انھوں نے سوچ بچار کرنا مناسب سمجھا اور اسے ایک عورت فانیہ کے گھر میں قید کر دیا۔

یہ عورت ماریوس سے خوش نہ تھی۔ کیوں کہ اس کو پہلے ایک شوہر ٹی نیوس نے طلاق دی اور جب اُس نے مہر کا دعوا کیا تو بدچلنی کا الزام لگایا۔ یہ مقدمہ ماریوس کی چھٹی قنصلی میں اُس کے سامنے آیا تو تحقیق سے معلوم ہوا کہ فانیہ بُری زندگی بسر کرتی تھی مگر ٹی نیوس نے یہ جان بوجھ کر بھی اس سے شادی کر لی تھی اور ایک مدت وہ اس کے گھر میں رہی۔ تب ماریوس نے دونوں کو سخت تنبیہ کی۔ شوہر سے تو مہر دلوایا اور فانیہ پر تذلیل کی غرض سے چار پیسے ("کوپر") جرمانہ کیا تھا۔ تاہم اس موقع پر وہ ماریوس کے ساتھ اچھی طرح پیش آئی اور اُس نے بھی یہ فال نیک اُسے سُنائی کہ جب وہ اُس کے دروازے میں داخل ہو رہا تھا تو ایک گدھا دوڑتا ہوا آیا اور دلیرانہ نظر سے اُسے دیکھ کر ایک چشمے کی طرف اچھلتا، رینگتا ہوا پانی پینے دوڑ گیا۔ جس سے ماریوس نے یہ معنی نکالے کہ اس کی سلامتی سمندر

کی طرف سے ہوگئی - یہ بات سُنا کر وہ ایک کمرے میں آرام کرنے چلا گیا اور فانیہ سے کہا کہ باہر سے کمرا بند کر دے -

اِدھر مین تودنہ کے عمال نے آپس کے مشورے سے طے کیا کہ مارِیوس کو قتل کر دیا جائے مگر کوئی بستی والا تو اس کام کے کرنے پر آمادہ نہ ہوا البتہ ایک غالوی سپاہی، اور دوسری روایت میں ہے کہ کوئی کیمبری سوار تلوار لے کر کمرے میں گھُسا - اس میں روشنی کم تھی اور وہ حصہ جس میں مارِیوس لیٹا تھا، بالکل اندھیرے میں تھا - کہتے ہیں اسی میں سے مارِیوس کی آنکھوں سے اس شخص کو شعلے نکلتے نظر آئے اور اندھیرے سے اُس کی آواز بھی گونجی کہ "کیوں رے، تو کایوس مارِیوس کو قتل کرنے کی جرأت کرے گا" یہ سُن کر وہ جنگجُو تلوار چھوڑ کر بھاگ نکلا اور چلایا کہ "میں کایوس مارِیوس کو قتل نہیں کرسکتا" یہ واقعہ دیکھ کر وہاں کے لوگ سخت متحیر ہوئے اور پھر انھیں ندامت اور پشیمانی ہوئی کہ وہ ایسے محسنِ قوم کو جس نے اطالیہ کو بچایا تھا، مدد کرنے سے تو رہے، اُلٹے کمال بے دردی اور ناشکری سے مارنے پر آمادہ ہوگئے تھے - آخر اُنھوں نے کہا کہ "اسے چھوڑ دو کہ وطن کے باہر جہاں چاہے چلا جائے اور ہم دیوتاؤں سے معافی مانگ لیں گے کہ اس مصیبت میں اُسے اپنی بستی سے نکال دیا" ایسے ایسے خیالات نے انھیں آمادہ کیا کہ وہ مل کر اس کے کمرے میں آئے اور عزت حُرمت کے ساتھ ساحل کی طرف لے چلے - راستے میں ایک دیوی کا کُنج پڑتا تھا اور اس میں جو چیز اندر جاتی، اُسے خارج کرنا مذہباً ممنوع تھا - اگرچہ

کھا کے جاتے تو دیر لگتی اور یہ بھی ان کو منظور نہ تھا۔ تب ایک بوڑھے آدمی نے یہ بات نکالی کہ ہم ماریوس کو سلامتی کے لیے اس کُنج سے گزار رہے ہیں۔ پھر خود اُس کا کچھ اسباب لے کر کُنج میں سے گزرا اور دوسروں نے بھی تقلید کی۔ ساحل پر کشتی تیار کرا دی گئی تھی وہ اس میں سوار ہُوا اور خوش قسمتی سے اِناری کے ٹاپو پر جا اُترا جہاں اُس کا داماد گرانیوس اور دوسرے رفیق موجود تھے جنھیں ساتھ لے کر وہ افریقہ روانہ ہوا۔ راستے میں ان کے پاس پانی کم ہوگیا اور مجبوراً صقلیہ کے ساحل پر، اِریش کے قریب اُترنا پڑا جہاں ایک رومی سردار ان کی تاک میں تھا۔ چنانچہ ماریوس کے سولہ ساتھی مارے گئے۔ وہ خود بال بال بچ کر بھاگا اور جزیرہ مِنِین میں اُترا۔ یہاں پہلی دفعہ اسے اپنے بیٹے کے سلامت نکل آنے اور ہیمپ سال شاہ نومیدیہ کے پاس مدد کے لیے جانے کی اطلاع ملی۔ اس خبر سے ذرا ہمّت پاکر وہ قرطاجنہ کی جانب روانہ ہوا۔ ان دنوں افریقہ کا والی سکس تی لیوس نامی ایک رومی شخص تھا اور ماریوس نے اس کے ساتھ نہ کوئی بھلائی کی تھی نہ بُرائی۔ تاہم اسے امید تھی کہ شاید رحم کھا کر وہ دست گیری کرے گا۔ لیکن اپنی مختصر جماعت کے ساتھ وہ ساحل پر اُترا ہی تھا کہ ایک فوجی سردار نے آکر یہ پیغام سنایا کہ "والئ افریقہ نے آپ کو اس علاقے میں قدم دھرنے کی ممانعت کی ہے۔ اگر آپ خلاف ورزی کریں گے تو اس نے کہا ہے کہ میں مجلس کے فیصلے کے مطابق وہی سلوک کروں گا جو قومی غدّاروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔" یہ سُن کر ماریوس کو لفظ نہ ملے کہ اپنے غم و غصّے کا

اظہار کرسکتا ۔ وہ دم بہ خود بیٹھا صرف قاصد کو قہر کی نگاہ سے گھورتا رہا ۔ آخر اُس نے پوچھا کہ جواب میں والی سے کیا کہوں؟ ماریوس نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا ”کہنا تم نے کایوس ماریوس کو جلاوطنی کی حالت میں قرطاجنہ کے کھنڈروں میں بیٹھے دیکھا“ حقیقت میں اُس پر جو وقت پڑا تھا، قرطاجنہ کی تباہی اور گردشِ روزگار کی تشبیہ اُس کے عین مناسب تھی ۔

اُدھر نومیدیہ کا بادشاہ ہیمپ سال اس تردّد میں رہا کہ ماریوس کے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کرے ۔ اس نے عزت حرمت کا برتاؤ کیا لیکن جب وہ رُخصت مانگتا تو کسی نہ کسی حیلے سے روک لیتا تھا اور اس کی نیت دُرست معلوم نہ ہوتی تھی ۔ مگر اتفاق سے ایک واقعہ ایسا ہوا جس نے نوجوان ماریوس کی جان بچالی ۔ اس کی مصیبت نے شاہ نومیدیہ کی ایک حرم کو اس پر ترس دلایا اور چوں کہ وہ قبول صورت جوان تھا، وہ اس پر مائل بھی ہوگئی ۔ اوّل اوّل وہ اس کی ترغیبات سے بچتا رہا مگر جب معلوم ہوا کہ بچنے کی اور کوئی صورت نہیں اور اس عورت کا منشاء بھی محض ہوس ناکی نہیں ہے، تو پھر اس کی مہربانی سے فائدہ اٹھا کر، اور اسی کے خفیہ انتظام سے اپنے دوستوں سمیت وہاں سے نکل بھاگا اور باپ کے پاس پہنچ گیا ۔ جس وقت یہ دونوں ملے اسی وقت ساحل پر گزرتے ہوئے انھوں نے دو بچھوؤں کو لڑتے دیکھا جسے ماریوس نے بہت بدشگونی سمجھا اور یہ دونوں ایک مچھیرے کی کشتی میں بیٹھ کر کرکیناس جزیرے کی طرف جو قریب ہی تھا، روانہ ہوگئے ۔ وہ ابھی کچھ دور نہیں گئے تھے کہ

انھوں نے شاہی سواروں کو اپنی تلاش میں پُوری تیزی سے آتے دیکھا اور اس طرح وہ عین وقت پر سنگین ترین خطرے سے بچ گئے ۔

وہاں شہر روما میں جب خبر آئی کہ سیلّا ، میت ری داتس کے سپہ سالاروں سے مصروف جنگ ہے ، تو یہاں قنصلوں میں علانیہ لڑائی ہونے لگی ۔ اُک تاوِیُس نے اپنے ساتھی سینّا کو اس الزام پر کہ وہ شخصی حکومت قائم کرنے کی فکر میں ہے ، جبراً شہر سے نکال دیا اور اس کی بجائے مرولا کو قنصل بنا لیا ۔ سینّا نے اطالیہ کے اضلاع میں فوج جمع کرکے ان سے لڑنا شروع کیا ۔ ماریوس کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً موری تانیہ کے کچھ سوار اور اطالیہ کے مفروروں کو بھرتی کرکے وطن کی طرف روانہ ہوا ۔ یہ ایک ہزار کے قریب آدمی تھے اور ات رودیہ کے علاقے میں بہ مقام تِلاموں ساحل پر اُترے ۔ ماریوس نے غلاموں کی آزادی کا اعلان کیا اور بہت سے گوالے اور دیہاتی لوگ بھی اس کا نام سُن کر جوق جوق آنے لگے ۔ ان میں جوان اور مضبوط اشخاص کو اس نے فوج میں بھرتی ہونے کی ترغیب دی اور اس طرح تھوڑے ہی دن میں ایک جرار لشکر ، چالیس جہازوں میں سوار کرکے لے چلا ۔ وہ جانتا تھا کہ اُک تاوِیُس بہت اچھا آدمی ہے اور اپنے فرائض کو کمال دیانت سے انجام دیتا ہے بہ خلاف اس کے سینّا سے سیلّا کو بدظنی ہے اور یوں بھی سینّا ہی حکومت وقت سے لڑ رہا ہے ، لہذا اسی کے ساتھ مل جانے کا ماریوس نے ارادہ کیا اور پیام بھیجا کہ میں تمھیں قنصل ماننے اور تمھارے حکم پر چلنے کے لیے آمادہ ہوں ۔

سینّا نے اس پیش کش کو بڑی خوشی کے ساتھ منظور اور اُسے نائب قنصل نام زد کر کے عہدے کے ماہی مراتب روانہ کیے۔ ماریوس نے جواب دیا کہ میری موجودہ حالت ان اسباب عظمت و شان کے لائق کہاں ہے؟ لہٰذا اسی حال اور معمولی لباس میں رہا اور جس طرح جلاوطنی کے وقت سے بال نہیں کتروائے تھے، اب بھی انھیں بڑھنے دیا اور ستر برس کی عمر میں آہستہ آہستہ پیادہ سفر کرتا رہا کہ لوگوں کو اس کے حال پر ترس آئے۔ اگرچہ چہرے کی خشونت بہ دستور وہی تھی اور یہ انکسار بھی صاف پتا دیتا تھا کہ وہ اس تغیّر پر اتنا دل شکستہ نہیں ہے جس قدر کہ غضب ناک ہے۔ سینّا اور اس کی فوج کو سلامی دے کر اُس نے فوراً جنگی کارروائی شروع کی اور تھوڑے ہی دن میں معاملات کی صورت بدل دی۔ سب سے پہلے تو رسد کے جہازوں کو روک لیا پھر سارے تاجروں کو لوٹ کر غلّے پر قبضہ کیا۔ اور اپنے جہازوں سے بندرگاہوں کی ناکہ بندی کی۔ آخر روس شیہ کو (جو خاص رومہ کی بندرگاہ تھی) دھوکے سے چھین کر ساری بستی تاراج کر دی اور اہل شہر کو تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ دریائے (تی بر) کا راستہ رُک جانے سے حریفوں کو سمندر سے رسد رسانی کی کوئی امید نہ رہی اور اب ماریوس خود رومہ پر بڑھا اور جانی کلوم کی پہاڑی پر خیمہ زن ہوگیا۔

شہر کی حفاظت کو اتنا نقصان اُکتاویوس کے بھوڑپن سے نہیں پہنچا جس قدر اس کی قانون پرستی سے ہوا۔ لوگوں نے اسے مشورہ دیا تھا کہ غلاموں کو آزاد کر دے۔ اس نے جواب دیا کہ میں قانون

کی حمایت میں ماریوس کو جس ملک سے نکال رہا ہوں، اس کا شہری اعزاز غلاموں کو ہرگز نہ دوں گا۔ انھی دنوں اس متی لوس کا بیٹا، جسے ماریوس نے جلا وطن کرایا تھا، رومہ آیا اور وہ بہت بہتر سپہ سالار تھا سپاہیوں نے چاہا کہ وہ ان کی قیادت سنبھالے اور شہر کو بچانے کی تدبیر کرے۔ متی لوس نے خفا ہوکر حکم دیا کہ جاؤ اپنے قنصل کی اطاعت کرو تو یہ سپاہی بگڑ کر دشمن سے جا ملے۔ خود متی لوس نے شہر کی حالت مایوس کُن دیکھی تو وہاں سے چل دیا۔ لیکن کاسدیہ والوں کی ایک ٹولی اور بہت سے کاہن اور مُنجم اُک تاویوس کو یقین دلاتے رہے کہ آگے چل کر معاملات دُرست ہو جائیں گے اور اسے شہر کے اندر ہی مقیم رکھا۔ کوئی شُبہ نہیں کہ وہ رومیوں میں نہایت سچّا اور منصف مزاج آدمی تھا اور اس نے عہدۂ قنصلی کی عزّت کو برقرار رکھا۔ قدیم روایات اور قوانین کی بلا ردّ و رعایت اس شدّت سے پابندی کی گویا وہ ریاضی کے ازلی حقائق ہیں جن میں کبھی فرق نہیں آسکتا۔ بہ ایں ہمہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ کمزوری اس میں کیوں تھی کہ جنگ اور نظم و نسق کے ماہروں سے کہیں بڑھ کر وہ کاہنوں اور جوتشیوں کی بات مانتا تھا۔ حتّٰی کہ ماریوس کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے اس کے آدمیوں نے جو اسی لیے بھیجے گئے تھے، اُک تاویوس کو ممبر سے جبراً نیچے کھینچ کر قتل کر ڈالا اور کہا جاتا ہے کہ اس وقت بھی مقتول کی جیب میں ایک کاسدی تحریر (یا تعویذ؟) رکھی تھی! یہ بھی عجیب معمّا ہے کہ ان دو مشہور سرداروں میں ماریوس تو شگونوں میں عمل کرکے اکثر کامیاب ہوا اور

ٹھیک اسی قسم کے طریقوں نے ماریوس کا ناس کھو دیا!

اُکتاویوس کے اس طرح مارے جانے کے بعد مجلس عمائد کا جلسہ ہوا اور سینّا اور ماریوس کی خدمت میں ایک وفد بھیجا گیا کہ وہ امن و آشتی کے ساتھ شہر میں آئیں اور اہلِ شہر کو امان دیں۔ سینّا کے رُو بہ رُو یہ لوگ آئے تو وہ اپنی قنصلی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے اہلِ وفد کو نرم جواب دیا لیکن ماریوس قریب ہی خاموش کھڑا رہا۔ اس کی قہر آلود نگاہ اور بگڑے ہوئے تیور صاف بتا رہے تھے کہ وہ بہت جلد شہر میں خون کے دریا بہا دے گا۔ جلسہ برخواست ہونے بعد سینّا اپنے سواروں کے جلو میں شہر میں داخل ہوا مگر ماریوس پھاٹک پر ٹھیرا اور اپنا غصّہ چھپاکر کہنے لگا کہ مَیں تو بہ رُوئے قانون جلاوطن کیا گیا تھا۔ اب اگر میری ضرورت ہی تو باقاعدہ پہلے حکم کی منسوخی ہونی چاہیئے۔ گویا وہ قوانین کا بڑا احترام کرنے والا ہی یا وہ ایسے شہر میں واپس آرہا ہی جو خوف و جبر سے بالکل آزاد ہی۔ چناں چہ مجلس عوام منعقد ہوئی۔ ابھی تین چار برادریاں ہی رائے دینے پائی تھیں کہ ماریوس نے سب حیلے بالائے طاق رکھے اور غلاموں کے چیدہ دستے کے ساتھ جنھیں اس نے بھرتی کیا اور بار دی ای موسوم کرتا تھا، شہر میں گھس کر شہریوں کو قتل کرانا شروع کیا۔ بعض کی نسبت زبان سے اور بعض کے لیے صرف سر کے اشارے سے قتل کا حکم دیتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک رُکنِ مجلس ان کاریوس جو میرِ عدل کے معزز عہدے پر رہ چکا تھا، ملنے آیا اور ماریوس

نے اس کے سلام کا جواب نہ دیا تو گرد و پیش جو لوگ ننگی تلواریں لیے کھڑے تھے، انھوں نے وہیں اس کو مار ڈالا اور اس وقت سے یہ بھی ایک علامت ہوگئی کہ ماریوس جن کے سلام کا جواب نہ دے یا ان پر اعتنا نہ کرے، وہ فوراً قتل کر دیے جائیں۔ یہاں تک کہ دوست احباب بھی جو اس سے بات کرنے آتے، لرزہ براندام رہتے تھے کہ کہیں ان پر یہی نہ گزرے۔

بہت سے لوگ اس طرح مارے گئے تو سینا کو ندامت و پشیمانی ہونے لگی مگر ماریوس کا غصہ ابھی تک ویسا ہی تازہ تھا اور وہ روزانہ ان کی تلاش کرتا جن کی نسبت سابقہ مخالفت کا کوئی شبہ تھا۔ ہر سڑک اور ہر بستی اُن لوگوں سے بھری نظر آتی تھی جو چھپنے والوں کی تلاش کرتے پھرتے تھے۔ اس وقت دوستی اور مہماں نوازی تک مشکوک و پُرخطر ہوگئی تھیں کیوں کہ ایسے لوگ بہت کم تھے جنھوں نے پناہ لینے والوں سے دغا نہ کی اور اُنھیں گرفتار نہ کرا دیا ہو۔ اسی بنا پر کرنوتوس کے نوکر کمال تعریف کے مستحق ٹھیرے کہ اُنھوں نے اپنے آقا کو مکان میں چھپا کر کسی اور مقتول کا سر کاٹا اور اس کے ہاتھ میں کرنوتوس کی طلائی انگوٹھی پہنا کر ماریوس کے سپاہیوں کو دکھائی اور پھر اسی لاش کو پورے اعزاز اکرام سے دفن کر دیا۔ یہ چال چل گئی اور کرنوتوس بچ کر اپنے نوکروں کی مدد سے غالیہ پہنچ گیا۔ انتونیوس خطیب کے پناہ دینے والے نے بھی اپنی طرف سے اس کے کام آنے میں کمی نہیں کی تھی مگر بدقسمتی سے بھید کُھل گیا اور وہ مارا گیا۔ اصل یہ ہے کہ وہ اپنے پناہ گیر معزز مہمان کی تواضع اُن کی حیثیت کے مطابق کرنی چاہتا تھا اگرچہ خود ادنا طبقے کا آدمی تھا۔ چناں چہ اپنے نوکر سے اعلا درجے کی شراب منگوائی اور نوکر نے چھپ کر کلال سے کہا کہ اور اچھی قسم کی مہنگی

کلال نے پوچھا ہمیشہ تو تم معمولی لے جاتے تھے آج کیا خاص بات ہے۔ نوکر نے ان تونیوس کے آکر چھپنے کی کیفیت اس سے کہہ دی۔ اور نوکر کے جاتے ہی وہ شریر کلال خود ماریوس کے پاس پہنچا۔ وہ رات کا کھانا کھا رہا تھا۔ کلال کو دسترخوان پر ہی بلوالیا اور حال پوچھا۔ جب اس نے کہا میں ان تونیوس کو پکڑوا سکتا ہوں تو ماریوس نے خوشی کا نعرہ بلند کیا اور تالیاں بجائیں۔ وہ خود جانے کے لیے کھڑا ہوگیا تھا مگر دوستوں نے روکا اور اس نے انیوس کو چند سپاہی دے کر بھیجا کہ مغرور خطیب کا سر کاٹ لائے۔ وہ کوٹھے پر ٹھیرا ہوا تھا۔ انیوس نیچے رہا اور اس نے سپاہیوں کو اوپر بھیجا مگر وہاں پہنچ کر وہ ایک دوسرے سے قتل کرنے کو کہتے تھے۔ خود کوئی یہ جرأت نہ کرتا تھا۔ کیوں کہ ان تونیوس کی سحر بیانی نے انھیں مسحور کر دیا اور اس نے اپنی جان بچانے کی التجا کچھ اس طرح کی کہ وہ گردن جھکا کر رونے لگے۔ جب دیر زیادہ ہوئی تو انیوس خود اوپر آیا اور وہاں یہ کیفیت دیکھی کہ ان تونیو تقریر کر رہا ہے اور سپاہی حیران کھڑے ہیں اور گویا ان کے دل پگھل گئے ہیں۔ تب انیوس نے انھیں بزدل کہہ کے خود خطیب کا سر کاٹا۔

کاتولس کی نسبت جو کیمبری قوم کی جنگ میں ماریوس کا ہم عہدہ تھا، لوگوں نے سعی سفارش کی مگر ماریوس نے جواب دیا ”وہ ضرور مارا جائے گا۔“ تب کاتولس نے اپنے آپ کو کمرے میں بند کرلیا اور اندر بہت سی آگ سلگائی اور گھٹ کر مر گیا۔ کشت و خون کا یہ بازار عرصے تک گرم رہا۔ بے سر کی لاشیں گلی کوچوں میں پھنکی پھرتی تھیں اور زیر قدم کچلی جاتی تھیں۔ انھیں دیکھ کر لوگوں کو کچھ ترس بھی نہیں آتا تھا

البتہ دہشت پیدا ہوتی تھی۔ سب سے زیادہ ظلم باروی ای غلاموں نے ڈھایا۔ صاحبانِ خانہ کو اُن کے گھروں میں جا جا کر مارا۔ بچّوں پر تعدّی کی۔ عورتوں کی آبروُ ریزی کی۔ غرض بے روک قتل و غارت کرتے رہے یہاں تک کہ سینّا اور سرتوریوس کی جمعیت نے آپس میں مشورہ کر کے ایک رات ان کے پڑاؤ پر حملہ کیا اور سب کو چُن چُن کے مار ڈالا۔

اس عرصے میں، جیسے ہوا بدل جاتی ہے، یکایک خبر پہنچی کہ سِیلّا نے میت ری داتس کی جنگ ختم کر دی اور صوبوں پر قبضہ کر کے بڑی بھاری فوج کے ساتھ دومہ واپس آ رہا ہے۔ ان خبروں نے اُن مظالم اور ناقابلِ بیان مصائب میں وقفہ پیدا کیا۔ ماریوس ساتویں دفعہ قنصل منتخب ہوا اور پہلا کام سال کے پہلے ہی دن یعنی یکم جنوری کو یہ کیا کہ ایک شخص لوسی نوس کو تارپیہ کی چٹان سے نیچے گرا کے قتل کرایا۔ اور یہ اُس کی جماعت نیز شہر کے لیے ایک اور فالِ بد تھی۔ خود ماریوس پیرانہ سالی اور ان روز افزوں پریشانیوں سے ضعیف و کاہیدہ ہوتا جاتا تھا اور آنے والی جنگ کا خوف، تازہ خطرات و مصائب اس کی روح کو گھلائے دیتے تھے۔ ان مصیبتوں کا اسے ذاتی تجربہ تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اب اُکتاوِیوس یا مِرون جیسے سپہ سالاروں سے جو ناتجربہ کار سپاہیوں یا محض بلوائیوں کی فوج لے کر لڑنے آئے تھے، مقابلہ نہیں ہے بلکہ خود سِیلا جیسا زبردست دشمن بڑھا چلا آ رہا ہے جس نے پہلے اسے جلا وطن کرایا اور بعد میں میت ری داتس جیسے بادشاہ کو بحرِ خزر تک بھگایا تھا۔ ان خیالات اور جلا وطنی کی تکلیفوں کی یاد نے اس کو سخت ہراساں کر دیا۔ رات کی نیند اڑ گئی اور وہ کثرت

سے شراب پینے لگا بلکہ رات کو اس طرح پیتا اور نشے میں چور ہو جاتا جو اس کی عمر کے کسی طرح مناسب نہ تھا۔ یہ سب اس کوشش میں کہ کسی طرح نیند آجائے اور پریشان خیالات سے اسے نجات ملے۔ پھر سمندر کی طرف سے ایک قاصد آیا تو اسے مستقبل کی طرف سے اور بھی یاس و دہشت ہوئی اور کسی معمولی تحریک سے ذات الصدر کے مرض میں مبتلا ہو گیا، جیسا کہ پوسی دونیوس حکیم (جو زمانۂ علالت میں کسی سفارت کے متعلق اس سے باتیں کرنے آیا تھا) بیان کرتا ہی۔ ایک مورّخ کایوس پیزو کی روایت ہی کہ ماریوس رات کے کھانے کے بعد دوستوں کے ساتھ چہل قدمی کر رہا تھا کہ اس کی زندگی کا تذکرہ چھڑ گیا اور وہ اس کے نشیب و فراز بیان کرکے کہنے لگا کہ ایک عقل مند آدمی کو زیبا نہیں ہی کہ وہ حسنِ تقدیر پر بھروسا کیے چلا جائے۔ پھر سب سے رخصت ہو کر اپنے کمرے میں گیا اور سات روز تک بستر سے نہ اُٹھا یہاں تک کہ جان دے دی۔

بعض لوگوں کی روایت ہی کہ اس آخری بیماری میں وہ کبھی کبھی مجنونانہ حرکتیں کرتا۔ اس تصور میں کہ میتری داتس کے خلاف صف آرا ہی، وہ چیختا، چلاتا کبھی جسم اور ہاتھوں کو اس طرح حرکت دیتا گویا سپہ سالاری کر رہا ہی۔ یہ دلیل تھی کہ رقابت اور غرور نے اُس کے دل میں اس کام کو انجام دینے کی کیسی آگ بھڑکا رکھی تھی۔ ہر چند وہ ستّر سال جی چکا تھا اور پہلا شخص تھا جو سات مرتبہ قنصل بنایا گیا۔ اس کی دولت اور املاک اتنی تھیں جو کئی بادشاہوں کو کفایت کرتیں، بہ ایں ہمہ وہ تقدیر کی خرابی کا شاکی تھا کہ جو چاہتا تھا، اُسے حاصل کرنے سے پہلے موت آگئی۔

حکیم افلاطون کو جب اپنی موت قریب نظر آئی تو اُس نے قضا و قدر کا شکر ادا کیا کہ اسے ایک انسان اور یونانی پیدا کیا، جانور یا جنگلی قوم کا آدمی نہیں بنایا، اور پھر اس بات پر کہ وہ سقراط کے عہد میں پیدا کیا گیا تھا۔ مگر ناسپاس و فراموش کار لوگ وقت گزرنے کے ساتھ اچھی باتوں کو بھول جاتے ہیں اور مزید و خوش تر مسرت کی امید میں، جو کچھ انھیں حاصل ہے، اس کی بھی قدر نہیں کرتے نہ اس سے لطف اٹھاتے ہیں۔ حال آں کہ تقدیر مستقبل کو اُلٹ پلٹ کر سکتی ہے اور جو اس وقت حاصل ہے، ظاہر ہے کہ وہ ہمارا ہو چکا ہے۔ مگر انسانی ہوس ایک طبعی چیز ہے اور جب تک عقل و حکمت اور تعلیم سے بنیاد مضبوط نہ کی جائے اور اسی پر بیرونی زندگی کی تعمیر نہ ہو، انسان کی لامحدود خواہشوں کو تلاش و حصول سے کبھی سیری نہیں ہو سکتی۔

اس طرح ماریوس کی موت ساتویں قنصلی کے سترہویں دن واقع ہوئی۔ اہلِ روما بہت خوش ہوئے تھے کہ انھیں ایک ظالمانہ استبداد سے نجات ملی لیکن تھوڑی کی مدت میں معلوم ہوا کہ بڈھے اور فرسودہ آقا کی بجائے اب ایک جوان اور زیادہ جان دار کے پنجے میں پھنس گئے ہیں۔ اس لیے کہ ماریوس کے بیٹے نے شریف ترین اور معزز شہریوں کے قتل کرنے میں باپ سے بھی بڑھ کر درندگی اور بے رحمی کا ثبوت دیا۔ شروع میں لوگوں نے دشمن کے مقابلے میں اس کی دلیری و پامردی دیکھ کر فرزندِ مریخ کا لقب دیا تھا لیکن بعد میں جو اوصاف ظاہر ہوئے تو وہ زہرہ کا بیٹا (یعنی حرام زادہ) کہلانے لگا۔ آخر کار سیلا نے اسے پری نس تہ میں محصور کر لیا اور جب بچ نکلنے کی کوئی تدبیر نہ چل سکی اور شہر مسخر ہو گیا تو اس نے اپنے ہاتھ سے اپنے تئیں ہلاک

لی سان در

دِلفی کے مندر میں اکان تھیہ والوں کا علاحدہ عجائب خانہ بنا ہی اور اس پر یہ کتبہ تحریر ہی:

> "اموالِ غنیمت جو براسی دس اور اکان تھیہ
> والوں نے ایتھنزیوں سے حاصل کیے"

اس لیے عمارت کے پھاٹک سے ملا ہوا سنگ مرمر کا جو بُت استادہ ہی، اُسے بعض لوگ براسی دس کا سمجھتے ہیں۔ حال اں کہ وہ لی سان در کا پُتلا ہی جس میں قدیم وضع کے مطابق بال بڑھے ہوئے اور گھن کی ڈاڑھی دکھائی ہی۔ یہ قول بھی درست نہیں ہی کہ ارگوس والوں نے اپنی ہزیمت کے بعد، اظہارِ غم کے لیے ڈاڑھیاں منڈوا دی تھیں اور ان کے برخلاف اہلِ اسپارٹہ نے اپنی فتوحات کی یادگار میں ڈاڑھیاں بڑھنے دی تھیں۔ بلکہ حقیقت میں یہ ان کے مقننِ اعظم لکرگس کا بنایا ہوا ضابطہ تھا کیوں کہ وہ کہا کرتا تھا کہ لمبے بالوں سے خوب صورت آدمی اور زیادہ وجیہ نظر آنے لگتا ہی اور بدصورت کو لمبے بال زیادہ خوف ناک بنا دیتے ہیں۔

لی سان در کے باپ کا نام ارس توکلی توس بتایا گیا ہی۔ وہ شاہی خاندان سے نہ تھا، پھر بھی نسباً ہرقلی تھا۔ اس کا بچپن غریبی میں گزرا اور وہ اپنے ملک کے رسم و رواج کا زیادہ سے زیادہ پابند رہا،

جتنا کوئی رہ سکتا ہے۔ وہ مردانہ ہمّت رکھتا تھا اور ہر قسم کی مسرتوں سے مستغنی تھا بہ جز اُن کے جو اچھے کام کرنے والوں کی کام یابی اور اعزاز یابی سے اُن کے حصّے میں آتی ہیں۔ اور ایسی خواہشوں سے نوجوانوں کا مغلوب ہونا اسپارٹہ میں معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔ کیوں کہ یہ قوم اوّل سے خواہش مند تھی کہ اس کے لڑکے اچھی اور بُری شہرت میں امتیاز کریں۔ ذلّت پر انھیں رنج ہو اور مدح سُن کر مسرور ہوں۔ اور یقین رکھتی تھی کہ اس باب میں جو شخص بے حس ہو، وہ مردانہ ہمّت سے عاری اور نکوئی کرنے کے ناقابل ہوتا ہے۔ اس طرح حصولِ شہرت کا شوق، قومی تعلیم کی بہ دولت لی سان در کی سیرت کا جُز بن گیا اور اگر آیندہ ساری عمر باقی رہا تو ہم اسے الزام نہیں دے سکتے۔ اسی کے ساتھ وہ بڑے آدمیوں کا حد درجہ اطاعت گزار تھا جو اہلِ اسپارٹہ کے مزاج کے خلاف بات تھی۔ حتّٰی کہ وہ اہلِ اقتدار کی کبر و نخوت کو بھی بہ وقت ضرورت آسانی سے برداشت کرلیتا تھا جسے بعض لوگ سیاسی دانائی کا بڑا جُز خیال کرتے ہیں۔ ارسطو نے لکھا ہے کہ بڑے لوگ سب سوداوی مزاج کے ہوتے ہیں جیسے سُقراط، افلاطون اور ہرقل تھے۔ اسی طرح، وہ لکھتا ہے، لی سان در پر بھی جوانی میں تو نہیں مگر پیرانہ سالی میں خلطِ سودا غالب آگئی تھی۔ اس کی سیرت کا خاص وصف یہ ہے کہ افلاس کو بہت اچھی طرح برداشت کیا اور دولت اسے نہ مغلوب کرسکی نہ اخلاق کو بگاڑ سکی۔ اپنے وطن کو اس نے دولت سے مالا مال کیا اور شوقِ زر سے بھر دیا مگر خود یہ نام وری کمائی کہ روپے کی محبت سے بالکل پاک تھا۔ ایتھنز

کی جنگ کے بعد اس نے اہلِ وطن میں کثرت سے چاندی سونا درآمد کیا اگرچہ خود اپنے پاس ایک درہم بھی نہیں رکھا ۔ جب اس کی بیٹیوں کے لیے ڈِیونی سیوس بادشاہ نے صقلیہ کی ساخت کے چند بیش قیمت لہنگے بھیجے تو لی سان در نے انھیں لینے سے انکار کر دیا اور کہا مجھے ڈر ہے اِنھیں پہن کر وہ اور بھی بدزیب معلوم ہوں گی ۔ لیکن کچھ مدت بعد جب وہ اسی بادشاہ کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا گیا اور اُس نے دو لبادے بھیجے کہ ان میں سے جو پسند ہو، اپنی بیٹی کے واسطے لے لو تو لی سان در نے کہا وہ اپنے لیے خود ہی خوب پسند کرے گی ۔ اور یہ کہہ کر دونوں لبادے لیے چلا گیا ۔

پلوپونیسیہ کی جنگ اس وقت کافی طول کھینچ چکی تھی اور اتھینز والوں کو صقلیہ میں ہزیمت ہونے کے بعد، معلوم ہوتا تھا کہ بحری فوقیت ہاتھ سے نکل جائے گی ۔ لیکن ال کی بیادیس جلاوطنی سے واپس آیا تو اس نے اہلِ ایتھنز میں پھر ایک نئی روح پھونک دی ۔ اہلِ اسپارٹہ یہ رنگ دیکھ کر بہت گھبرائے اور اچھے ہتھیاروں اور سپہ سالاروں کی کمی نے اُن کو آمادہ کیا کہ پھر لی سان در کو بلا کر امیر البحر مقرر کریں ۔ وہ اس وقت شہر افسوس میں تھا اور اہلِ شہر اُس سے خوش اور اسپارٹہ کی طرف مائل بھی تھے لیکن اس کے قریب ہی لِڈیہ (لُود) کا علاقہ تھا جہاں ایرانی سپہ سالار مقیم تھے اور بہت سے ایرانی اِفسوس میں بھی رہنے سہنے لگے تھے جن کے اثر سے یہاں کے لوگوں نے وہی عجمی طور طریق اختیار کر لیے اور اس شہر کی حالت ابتر ہو گئی تھی ۔ یہ دیکھ کر لی سان در نے اپنا

پڑاؤ یہاں ڈال دیا اور حکم دیا کہ سب تجارتی جہاز یہاں ہوکر جایا کریں اور خود بھی جنگی جہاز بنوانے شروع کیے۔ چناں چہ بہت جلد اس علاقے کی بندرگاہیں ازسرنو آباد ہوگئیں اور کام ملنے سے لوگ خوش حال اور کارخانے بارونق ہوگئے۔ اس طرح لی سان در کی بہ دولت شہر میں اس آئندہ شان شوکت کے آثار پیدا ہوئے جو آج کے دن اُسے حاصل ہے۔

پھر جب معلوم ہوا کہ شاہ ایران کا بیٹا سی روس شہر سارڈیس میں آگیا ہے تو وہ اس سے گفتگو کرنے گیا اور ایرانی حاکم تی سافرنیس پر الزام لگایا کہ اسے حکومت ایران کی طرف سے اسپارٹہ کی مدد اور ایتھنزیوں کے سمندر سے اخراج پر مامور کیا گیا تھا لیکن الکی بیادس کے اثر میں آکر وہ ادھر سے غافل ہوگیا اور جہاز والوں کی تنخواہ بھی اتنی کم کردی ہے کہ بیڑے کا ستیاناس ہوگیا۔ سی روس جسے تی سافرنیس سے ذاتی عداوت تھی، دل سے چاہتا تھا کہ اس پر بددیانتی کا الزام لگے لہذا لی سان در کو خوب موقع ملا کہ روزانہ نوجوان شہزادے کے کان بھرے اور خصوصاً اپنی مودبانہ گفتگو سے اس کے دل میں جگہ پیدا کرے اور جنگ جاری رکھنے کا جوش دلائے۔ حتّٰی کہ جب وہ رخصت ہونے لگا تو سی روس نے اُس کو دعوت دی اور استدعا کی کہ وہ جو خواہش رکھتا ہو، بیان کرے اسے بڑی خوشی سے اور ضرور پورا کیا جائے گا۔ لی سان در نے جواب میں کہا کہ جب آپ اس قدر عنایت فرماتے ہیں تو میری مخلصانہ التجا یہ ہے کہ جہازیوں کی تنخواہ میں ایک آنہ اضافہ کردیا

جائے کہ وہ تین کی بجائے چار آنے (یومیہ) پایا کریں! اسی روس اس کا یہ قومی جوش دیکھ کر نہایت خوش ہوا اور اُسے دس ہزار دارک (اشرفیاں) دیں جن سے وہ جہازیوں کی تنخواہ میں اضافہ کر سکا اور اسی ترغیب کی بہ دولت دشمن کے بہت سے ملاح اُس کے بیڑے میں آکر شریک ہو گئے اور جو نہ بھی آئے، اُن میں بد دلی پیدا ہو گئی اور وہ اپنے کپتانوں سے روز لڑنے جھگڑنے لگے۔ یہ سب تھا، پھر بھی لی سان در کو سمندر میں بڑی لڑائی لڑنے کی ہمت نہ پڑتی تھی کیوں کہ ال کی بیاد نہایت مستعد سپہ سالار تھا جس نے اس وقت تک بر و بحر کی کسی لڑائی میں شکست نہ کھائی تھی۔ لیکن جب ال کی بیادس فوکیہ گیا اور بیڑے کی قیادت ایک ناخدا انتیوکوس کے سپرد کر دی اور وہ خود افسوس کی بندرگاہ میں لی سان در کو ذلیل کرنے کی غرض سے ٹھٹھے لگاتا ہے داخل ہوا تو اُس نے بھی غیظ میں آکر اپنے جہاز بھیجے۔ ایتھنزیوں کی کمک آئی تو ادھر سے بھی اور جہاز بھیجے گئے تا آن کہ یہ معمولی آویزش اچھا خاصا بحری معرکہ بن گئی اور اس میں لی سان در کام یاب ہوا۔ اُس نے غنیم کے پندرہ جہاز پکڑ لیے اور فتح کی یادگار میں مینار تعمیر کیا۔ یہ کوئی بڑی جنگ نہ تھی مگر اِس کا ایک اہم نتیجہ یہ ہوا کہ شہر والے ال کی بیادس سے بگڑ گئے اور اسے معزول کر دیا۔ سپاہیوں میں بھی اس کے خلاف نفرت پھیل گئی اور وہ ساموس کو چھوڑ کر کرسونس چلا گیا ÷

اس واقعے کے بعد لی سان در نے مختلف ریاستوں کے سب سے دلیر و تیز مزاج آدمی اِفسوس میں مدعو کیے اور اُن کو ترغیب

اور اشتعال دیا کہ اپنی اپنی جگہ مُلکی معاملات میں در خور حاصل کریں اور آیندہ ایتھنز کے شکست کھانے کے بعد، عوامی حکومتوں کی بجائے، حکومتِ خواص قائم کریں جو آگے چل کر دس دس اشخاص پر مشتمل ہوئی۔ اس انقلاب کی بنیاد مضبوط کرنے کی غرض سے لی سان در نے ان لوگوں کو جو اس کے دوست اور ہم خیال ہو گئے تھے، بڑے بڑے عُہدے اور اعزاز دیے اور ان کے جذبۂ حرص کو سیر کرنے کی غرض سے خود بھی ظلم و ناانصافی میں شرکت کی۔ حتّیٰ کہ ایسے لوگ جُوق جُوق اس کے گرد جمع ہو گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ اگر لی سان در کا اقتدار قائم رہا تو وہ اپنی اغراض حسب دل خواہ پوری کر سکیں گے۔ یہی سبب تھا کہ لی سان در کی جگہ کالی کراتی دس امیر البحر مقرّر ہوا تو اُنھیں ناگوار گزرا اور اس نے اسپارٹہ والوں کی سادہ صداقت اور کامل انصاف کے ساتھ حکومت کرنی شروع کی تو یہ غرض پرست اشخاص اور بھی ناراض ہوئے۔ وہ اس کی نکوئی کی تعریف کرتے تھے۔ مگر اسی طرح جیسے کوئی کسی سورما کی مورت کی خوب صورتی کا ثنا خواں ہو ورنہ اُن کی آرزو یہ تھی کہ لی سان در جیسا شخص حاکم ہو جو اپنے دوستوں اور طرف داروں کے اغراض کی حمایت میں کمر بستہ رہے۔ چناں چہ جب وہ جہاز میں بیٹھ کر رُخصت ہُوا تو ان کے دل ٹوٹ گئے اور وہ زار و قطار روئے۔ لی سان در نے بھی ان کو کالی کراتی سے بد دل کرنے میں حصّہ لیا۔ یعنی بیڑے کی تنخواہ کا جو رُپیہ باقی تھا، اُسے سارڈیس بھیج دیا اور جہازیوں سے کہا کہ جاؤ اپنے نئے امیر البحر سے تنخواہ طلب کرو اور دیکھو کہ وہ کہاں سے تم کو رُپیہ

دیتا ہی ۔ پھر چلتے وقت بھی یہ جما دی کہ کہنے لگا " لیجیے میں بیڑا آپ کے حوالے کرتا ہوں جو اس وقت سمندر کا مالک ہی " کالی کراتی دِس نے اس کا پول کھولنے کے لیے جواب دیا کہ اگر ایسا ہی تو چلیے آپ ساموس کو بائیں ہاتھ پر چھوڑ کر جزیرہ ملی توس پر بیڑا میرے حوالے کیجیے ، کیوں کہ اگر سمندر پہ ہمارا تسلّط ہی تو ہمیں اپنے دشمنوں سے (جن کا بحری مستقر ساموس تھا) کیا خوف ہوسکتا ہی ؟ لی سان در نے جواب دیا کہ اب تو بیڑے کی قیادت آپ کے ہاتھ میں ہی ، یہ کہہ کر سیدھا پلوپونسیہ کی طرف روانہ ہوگیا اور کالی کراتی دِس کو بڑی پریشانی کے عالم میں چھوڑ گیا ۔ کیوں کہ خزانہ خالی تھا اور وطن سے وہ رُپیہ لایا نہ تھا نہ اُسے یہ گوارا تھا کہ ایشیا کی بستیوں سے جن کی مالی حالت پہلے ہی خراب تھی ، جبراً کوئی محصول وصول کرے ۔ اب اس کے سامنے ایک ہی چارۂ کار تھا کہ لی سان در کی طرح خود بھی سلطنت ایران کے حکّام کا دروازہ کھٹ کھٹائے ۔ مگر اس کام کے لیے وہ نہایت ناموزوں تھا کیوں کہ اس کی غیرت و عالی حوصلگی وحشی عجمیوں کے در پہ جانا اور ان کی خوشامد کرنا گوارا نہ کرتی تھی ۔ بے شک اُن کے پاس کثرت سے سونا تھا لیکن اور کوئی چیز قابلِ تعریف نہ تھی ۔ اور یہ ذلت اُٹھانے کی نسبت وہ اسے بہتر سمجھتا تھا کہ یونانی ایک دوسرے کے ہاتھ سے نقصان اٹھاتے رہیں مگر کسی غیر قوم کے آگے دستِ سوال دراز نہ کریں ۔ چناں چہ جب سخت مجبور ہوکر وہ لڈیہ گیا اور سیروس کے محل پہ پہنچ کر اطلاع کرائی کہ کالی کراتی دِس امیر البحر اس سے بات کرنا چاہتا ہی تو دربانوں نے

جواب دیا کہ "او پردیسی، سی روس کو ملاقات کی فرصت نہیں، وہ شراب پی رہا ہے۔" کالی کراتی نے کمال سادگی سے کہا "اچھا، اس کے چھک کر پی لینے تک میں ٹھیر جاؤں گا۔" یہ سُن کر وہ اسے محض گنوار سمجھے اور واپس جانے پر اس کا خوب مذاق اُڑایا۔ پھر جب دوبارہ وہ گیا اور اس دفعہ بھی اندر جانے کی اجازت نہ ملی تو اسے بہت ناگوار ہوا اور وہ بافسوس واپس چلا آیا اور اُن لوگوں کو سخت بددعائیں دیں جنھوں نے اوّل اوّل ان عجمیوں کو اپنی تذلیل کرنے کی اجازت دی اور اپنی دولت مندی کے باعث یہ گستاخی سکھائی۔ اُس نے حاضرین کو گواہ کرکے قسم کھائی تھی کہ جب کبھی وہ اسپارٹہ واپس جائے گا تو حتی المقدور پوری کوشش کرے گا کہ یونانیوں میں باہم صلح کرا دے تاکہ عجمیوں کے مقابل اُنھیں قوت حاصل ہو اور وہ ایک دوسرے کے خلاف اُن کی مدد مانگنے کے محتاج نہ رہیں، لیکن یہ بلند منصوبے جو قوم اسپارٹہ کے شایانِ شان تھے، پورے ہونے کی نوبت نہ آسکی کیوں کہ کالی کراتی دس جو اپنی معدلت اور عالی ہمتی اور شرافت قلب کے لحاظ سے بہترین یونانیوں کا مثیل تھا، ارگی نوسہ کے بحری معرکے میں شکست کھا کر فوت ہوگیا۔

اس واقعے کے بعد حلیف ریاستوں نے پھر اسپارٹہ کو ایلچی بھیجے کہ لی سان در کو امیر البحر مقرر کیا جائے اور وعدہ کیا کہ اُس کے زیرِ قیادت وہ پورے جوش سے جنگ میں حصہ لیں گے اور سی روس نے بھی اسی بات کی درخواست کی۔ مگر وہاں کا قانون تھا

کہ ایک ہی شخص دو دفعہ امیر البحر مقرّر نہ ہو سکتا تھا۔ اسی کے ساتھ چوں کہ وہ اپنے حلیفوں کو رضامند رکھنا چاہتے تھے لہذا انھوں نے خطاب امیر البحر تو ایک شخص اراکوس کو دیا لیکن دراصل پورا اختیار لی سان در کو دے کر اسے نائب امیر البحر بنا کر بھیجا۔ جو اُن لوگوں کی خواہش کے عین مطابق تھا جنھیں امید تھی کہ اُس کے وسیلے سے عوامی حکومتوں کو ہر جگہ توڑ کر خود اقتدار و دولت حاصل کر لیں گے۔ بہ خلاف اس کے جو لوگ اپنے جنگی حاکموں کو صداقت و انصاف کا پابند دیکھنا چاہتے تھے، انھیں کالی کراتی دس کے مقابلے میں لی سان در چالاک اور فریبی معلوم ہوا جو لڑائی میں اکثر کام عیاری سے نکالتا تھا اور عدل و انصاف کی وہیں تک تعریف کرتا تھا جہاں تک اس میں اپنا نفع نظر آتا ہو اور جب ایسا نہ ہو تو مطلب کی بات کو حق پر ترجیح دیتا تھا۔ وہ صداقت کو بہ ذاتہ دروغ سے بہتر نہیں سمجھتا تھا۔ بلکہ اپنی غرض اور فائدہ دیکھ کر ان دونوں کی قدر و قیمت جانتا تھا۔ وہ اُن لوگوں پر ہنستا تھا جن کی رائے میں ہرقل کی ذرّیات کو جائز نہ تھا کہ جنگ میں فریب سے کام نکالیں۔ اور کہا کرتا تھا کہ "جہاں شیر کی کھال نہ پہنچتی ہو، لومڑی کی کھال کا جوڑ لگانا ہی پڑتا ہے"۔ چناں چہ میل توس کے معاملے میں اس کا طرز عمل جو تاریخ میں محفوظ ہے، اسی کی تصدیق کرتا ہے۔ اس شہر میں اپنے دوست آشناؤں سے لی سان در نے وعدہ کیا تھا کہ اگر عوام کی حکومت کا خاتمہ کر دو اور اپنے دشمنوں کو نکال باہر کرو تو میں تمھاری مدد کروں گا۔ مگر جب ان لوگوں نے اپنے سیاسی حریفوں

سے صلح کرلی تو لی سان در ظاہر میں تو خوش ہوا اور خود بھی اس مصالحت میں مدد دینے پر آمادگی کا اظہار کیا لیکن تخلیے میں اس نے اپنے دوستوں کو بہت بُرا بھلا کہا اور شہ دی کہ وہ عوام پر حملہ کر دیں۔ پھر جب یہ تحریک شروع ہوئی تو وہ خود شہر میں داخل ہوا اور حکومت عوام کے خلاف بعض سازش کرنے والوں سے ظاہر میں تو بہت سختی سے پیش آیا اور دھمکیاں دیں کہ اُنھیں سزا دیے بغیر نہ رہے گا لیکن اندر خانہ اہلِ سازش کی ہمت بڑھائی اور کہا کہ اب مَیں آ پہنچا ہوں، تم کو کسی بات کا خوف نہ کرنا چاہیے۔ اس مکر و ریاکاری کا اصل مقصد یہ تھا کہ عوامی حکومت کے سرآوردہ اشخاص بھاگ کر اپنی جان نہ بچاسکیں بلکہ شہر میں گرفتار ہوکر مارے جائیں۔ چناں چہ یہی ہوا کہ اُن میں جو لوگ اس کی بات کو سچ سمجھے تھے، وہ سب مارے گئے۔

ان درو کلید (مورّخ) نے لی سان در کا ایک قول نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قسم کی حُرمت اُس کی نظر میں کس قدر کم تھی اس روایت کے مطابق لی سان در کی نصیحت تھی کہ "بچّوں کو گوٹوں سے، بڑوں کو قسموں سے" دھوکا دینا چاہیے۔ یہ ساموس کے حاکم جابر پولی کراتس کی تقلید ہے اور کیسی شرم کی بات ہے کہ قانون کے مطابق مقرّر کیا ہوا سپہ سالار نقل بھی کرے تو ایک غاصب کی۔ دوسرے اہلِ اسپارٹہ کے طور طریق سے بھی اس قول کی کوئی مناسبت نہیں جس کا منشا یہ ہے کہ دیوتاؤں سے دشمنوں کا سا برتاؤ کیا جائے بلکہ اور بھی بدتر۔ کیوں کہ جو شخص جھوٹی قسم سے اپنا مطلب نکالتا

ہی وہ گویا معترف ہی کہ اپنے دشمن سے تو ڈرتا ہی اور اپنے خدا کو حقیر جانتا ہی ۔

اب سی روس نے لی سان در کو شہر سار دیس میں طلب کیا۔ اُسے کچھ رُپیہ دیا اور آیندہ اور دینے کا وعدہ کیا بلکہ جوانی کے جوش میں از رہِ اخلاص یہاں تک کہا کہ "اگر میرے باپ (= شہنشاہِ عجم) نے تمھیں کچھ نہ دیا تو میں اپنے رُپے سے دوں گا اور اگر میرے پاس بھی زرِ نقد نہ رہے تو اُس تخت کو کاٹ کر رُپیہ فراہم کروں گا جس پر بیٹھ کر عدالت کرتا ہوں" (یہ تخت سونے چاندی کا بنا ہوا تھا) پھر یہ کہہ کر کہ میری واپسی تک سمندر کی لڑائی نہ لڑنا کیوں کہ میں فینشیہ اور سلی شیہ سے بہت سے جہاز لاؤں گا ، وہ بادشاہ سے ملنے کے لیے روانہ ہوا اور مدیہ پہنچ کر حکم دیا کہ شہروں کے خراج لی سان در کو ادا کیے جائیں اور ان کا نظم و نسق بھی اس کے سپرد کر دیا[۱]۔

لی سان در کے پاس کسی بڑی لڑائی کے لائق تو جہاز نہ تھے مگر جو تھے ، اُن کو وہ بے کار بھی نہ رکھ سکتا تھا۔ لہذا بعض جزیروں پر حملہ آور ہوا اور اجی نہ اور سلامیس کو تاراج کر کے ایتھنز کے علاقے میں فوج اُتاری ۔ دکی لیہ سے اسپارٹہ کا بادشاہ اجلیس بھی اس سے ملنے اتی کا پہنچ گیا تھا۔ لی سان در نے اُس کی سلامی اُتاری اور اپنے بیڑے کو اُس کی بری فوج کے سامنے

---

[۱] شہروں سے یہاں بہ ظاہر یونانی شہر مراد ہیں جو ایشیائے کوچک میں آباد اور دولتِ ایران کے خراج گزار تھے۔ مترجم۔

اس طرح پھیلا کر دکھایا گویا وہ پورے سمندر کا مالک ہے اور جہاں چاہے جہاز لے جا سکتا ہے۔ لیکن یہ سن کر کہ ایتھنزی جہاز اس کے پیچھے آ رہے ہیں، وہ ایک دوسرے راستے جزیرۂ سلامیس سے نکل کر ایشیا کی طرف فرار ہو گیا اور آبنائے دردانیال کو خالی پاکر اس کے ساحلی شہر لامپ ساکوس پر بحری حملہ کیا"۔ اسپارٹہ کی بری فوج نے بھی مدد دی اور اس کے توراکس نامی سردار نے خشکی سے شہر پناہ پر یورش کی اور شہر کو فتح کر کے سپاہیوں سے لٹوا دیا۔ ایتھنز کے بیڑے کو شہر لامپ ساکوس کے ہاتھ سے جانے اور لٹنے کی خبر ہوئی تو وہ فوراً پلٹے اور سس توس پہنچ کر رسد حاصل کی اور پھر دشمن کے مقابلے کے لئے اگوس پوتامی تک بڑھے۔ ان کے جنگی جہازوں کا شمار ایک سو اسی تھا اور انھی میں ایتھنزی سردار فی لوکلیس جس نے لوگوں کو ترغیب دے کر یہ فتوا دلوایا کہ جنگ کے قیدیوں کا داہاں انگوٹھا قطع کر دیا جائے تاکہ وہ آیندہ برچھا نہ چلا سکیں اگرچہ پتوار چلا سکتے تھے۔

اہل ایتھنز نے اگلی صبح لڑنے کے خیال سے، ایک روز پڑاؤ پر آرام لیا۔ مگر لی سان ڈر اور ہی فکر میں تھا۔ اس نے جہازی سپاہ اور ملاحوں کو علی الصباح اپنی اپنی جگہ بھیج دیا۔ بری فوج بھی ساحل پر صف آرا کر دی گئی مگر جہازوں کو حکم دیا کہ وہ ہرگز اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھیں۔ اور دن نکلے جب ایتھنزی جہاز مقابلے میں آئے اور دعوت جنگ دی تو اس وقت بھی لی سان ڈر نے کوئی جنبش نہ کی اور اس کے جہاز لنگرگاہ میں صف جنگ باندھے چپ چاپ

کھڑے رہے۔ صرف چند کشتیاں دیکھ بھال کرتی رہیں یہاں تک کہ
شام ہوگئی اور ایتھنزی اپنے ساحلی پڑاؤ کی طرف واپس ہوئے۔
دوسرے تیسرے اور چوتھے دن بھی یہی کیفیت گزری جس نے
ایتھنز والوں کو یقین دلا دیا کہ دشمن ڈر گیا اور لڑنے سے
گریز کرتا ہے۔ یہی موقع تھا جب (جلاوطن) ال کی بیادیں اپنے
قریب کے قلعے کرسونس سے گھوڑے پر سوار ہوکر ایتھنز کی بحری
لشکرگاہ میں آیا اور ان کے سرداروں پر نکتہ چینی کی۔ اوّل تو
لشکرگاہ پر اعتراض کیا کہ وہ کھلی ہوئی ریتی پر ہے جہاں تک
ان کے جہاز مشکل سے پہنچتے تھے۔ دوسرے انھیں رسد کے لیے
سسی توس جانا پڑتا ہے حال آں کہ اگر وہ وہیں پڑاؤ کرتے تو
اس زحمت سے بچ جاتے اور دشمن سے بھی کافی فاصلہ ہو جاتا جو
شبانہ روز کی نقل و حرکت پر نظر کر رہا ہے اور خود ان کے سپاہی
اُسے کم زور سمجھ کر ایسے غافل ہوگئے ہیں کہ ان کو کسی نظم اور ضابطے
کی پروا نہیں رہی؛ مگر ال کی بیاد کی نصیحت پر کسی نے کان نہ
دھرا اور تی ای اس نے حقارت سے جواب دیا کہ آپ اب عہدے پر
نہیں ہیں، دوسرے لوگ ہیں! پس ال کی بیادس جسے یہاں تک
شبہ تھا کہ بعض سردار دشمن سے مل گئے ہیں، واپس چلا گیا۔
پانچویں دن بھی جب ایتھنزی جہاز سامنے آئے اور حسب معمول
غرور و نخوت میں بھرے ہوئے واپس روانہ ہوئے تو لی سان در
نے چند جہاز ان کے پیچھے بھیجے کہ جس وقت ایتھنزی ساحل پر
اُتریں وہ فوراً واپس آکر آدھے راستے ہی سے۔ ایک برنجی ڈھال

ستول پر چڑھا کر خبر دے دیں۔ پھر خود بیڑے کا چکّر لگایا اور سب کو جنگ پر آمادہ کر کے جونہی وہ ڈھال بلند ہوتی دیکھی، جنگ کی قرنا پھونک دی اور نہایت سُرعت سے بیڑا لے کر دشمن پر حملہ آور ہوا۔ یہاں دونوں برِ اعظموں کا فاصلہ پندرہ فرلانگ ہی جسے پتوار کھینے والوں کے جوش و سرگرمی نے بہت جلد طے کر لیا۔ سب سے پہلے ایتھنزی سردار کونون نے اپنے ساحل پر سے دشمن کا بیڑا آتا ہوا دیکھا اور ساتھیوں کو پکارا کہ فوراً جہازوں پر سوار ہوں بلکہ سخت پریشانی میں بعض لوگوں کو کھینچ کھینچ کر لایا اور بعض سے التجا کی کہ دشمن کا حملہ روکنے کی تدبیر کریں لیکن اس کی سعی و کاوش سب بے نتیجہ تھی کیوں کہ ایتھنزی بیڑے کے سپاہی ہر طرف منتشر ہو چکے تھے۔ انھیں اپنے سرداروں کی ناتجربے کاری کی بہ دولت کسی جنگ وغیرہ کا گمان تک نہ تھا اور واپس آ کر بعض ہاٹ بازار کی طرف چل دیے تھے، بعض سیر کے لیے نکل گئے تھے اور بعض ڈیروں میں سوتے یا کھانا پکانے کی تیاری میں تھے۔ غنیم اس حالت میں نعرے مارتا سر پر آ پہنچا تو صرف کونون اپنے آٹھ جہاز لے کر قبرس کی طرف بچ نکلا، ورنہ باقی سب جہاز اسپارٹہ کے حملہ آوروں کا شکار ہوئے۔ بعض تو خالی پڑے تھے۔ بعض اپنے سپاہیوں کے آتے آتے ڈبو دیے گئے۔ بہت سے جہازی جو بلا ہتھیار دوڑ کر آئے تھے، دشمن کی تلوار کا لقمہ بنے اور بہت سے جو ساحل پر بھاگ گئے تھے، تعاقب کر کے مارے گئے۔ لی سانڈر نے تین ہزار سپاہی اور تمام سپہ سالار بیڑے سمیت گرفتار کیے اور

اور ان کی لشکر گاہ کو لوٹ کر فتح کی نفیری بجاتا اور خوشی کے گیت گاتا ہوا، دشمن کے جہاز باندھ کر اپنے پڑاؤ کو روانہ ہوا۔ سارے ایتھنزی بیڑے میں سے صرف کونون کے آٹھ اور ایک مقدس جہاز پارالوس سلامت بچے اور وہ جنگ عظیم جو سال ہا سال سے جاری اور مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی اس شدت کے درجے تک پہنچی تھی جس کا یقین کرنا مشکل ہے اور جس میں پچھلی تمام یونانی جنگوں کے سرداروں اور سپہ سالاروں کے مجموعی نقصان سے بڑھ کر نقصان ہوا تھا، لی سان در نے خفیف زحمت اٹھا کر ایک گھنٹے میں ختم کر دی۔ اور وہ دشوار و عظیم کام جو ہزاروں سے نہ ہو سکا تھا، تنہا اس کی اصابت رائے اور استعدادِ عمل نے انجام کو پہنچا دیا۔

یہی سبب ہے کہ بعض لوگوں نے اس واقعے کو خدائی امداد کا نتیجہ قرار دیا اور ہر چند اشخاص یقین دلاتے تھے کہ کاسٹر اور پولوکس دیوتاؤں کے ستارے لی سان در کے جہاز کے دونوں طرف درخشاں دیکھے گئے جب کہ وہ لنگر گاہ سے دشمن پر حملے کے لیے آگے بڑھا۔ عام عقیدے کے مطابق آسمان سے ایک بڑا پتھر بھی اسی وقت اگوس پوتامی میں گرا جو قتل عام کی نشانی تھا اور جسے آج تک اس علاقے کے لوگ دکھاتے اور بڑا احترام کرتے ہیں۔ حکیم انکساغورث کی پیش گوئی تھی کہ آسمانوں میں جو ستارے جڑے ہیں، اگر ان میں کوئی لغزش یا تزلزل واقع ہوا جس نے ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنی جگہ سے ہلا دیا تو باقی کواکب

بھی سب گر پڑیں گے کیوں کہ ان میں سے کوئی بھی اپنی پہلی جگہ پر نہیں ہی بلکہ اس حکیم کے قول کے مطابق ، وزنی اور پتھر کی طرح ، اوپر کی ہوا آڑی پڑنے سے جو اُن کے گرد ہی ؛ چمک رہے ہیں اور اُسی گردش کی قوّت سے ، جس نے اوّل سے انھیں گرنے سے روک رکھا تھا ، حرکت کیے جاتے ہیں ۔ مذکورہ بالا گردش اُس وقت وجود میں آئی جب سرد اور وزنی اجسام پہلی مرتبہ عام کائنات سے ٹوٹ کر الگ ہوئے ۔ اس توجیہ کے سوا ، بعض صاحبوں کی یہ رائے ہی کہ یہ شہاب ، فضائے بسیط کے شرارے یا ٹکڑے نہیں ہیں جو نیچے کی ہوا سے رگڑ کھا کر جلتے اور فوراً بجھ جاتے ہیں اور نہ اس کا سبب نیچے کی ہوا کا بڑی مقدار میں اوپر جانا اور یک بہ یک آگ میں لے جانا ہی بلکہ اجرام فلکی کی دوری حرکت میں کمی آجانے سے بے قاعدگی پیدا ہو جاتی ہو اور بعض اجرام کرۂ ارض پہ آ پڑتے ہیں ۔ ان کے عام طور پر مشاہدے میں نہ آنے کی وجہ یہ ہی کہ وہ آباد زمین کی بجائے اکثر کھلے سمندروں میں گر جاتے ہیں ۔

مگر دای ماکوس ، مذہب پہ اپنے رسالے میں انکساغورث کے قول کی تائید کرتا ہی اور لکھتا ہی کہ مذکورہ بالا پتھر کے آسمان سے گرنے کے قبل پچھتّر دن تک برابر ایک بڑا آتشیں جسم آسمان پہ نظر آتا رہا جیسے کوئی آگ کا بادل ہو اور ایک جگہ ٹھیر سے رہنے کی بجائے اِدھر اُدھر بے قاعدہ گھومتا رہا اور اس میں سے شرارے ، شہاب ثاقب کی طرح جگہ جگہ ٹوٹتے رہے ۔

آخر میں جب وہ اس علاقے میں گرا اور لوگوں کو خوف و حیرت سے نجات ملی تو انھوں نے آکر دیکھا کہ وہ آگ نہ تھی نہ اس کی کوئی علامت پائی گئی بلکہ محض ایک پتھر پڑا تھا جو اگرچہ خاصا بڑا تھا لیکن اس آتشین بادل کی جسامت سے کوئی نسبت نہ رکھتا تھا۔ دای ماکوس کی بات ماننے کے لیے ذرا خوش اعتقاد سامعین کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر اس کی روایت سچی ہو تو ان لوگوں کا قول بالکل غلط ٹھیرے گا جن کا بیان تھا کہ یہ کسی پہاڑ کی چوٹی کا پتھر تھا جسے شدید آندھی نے اپنی جگہ سے اڑا کر یہاں لا پھینکا۔ بہر حال اس بحث کی تفصیل میں جانے کے لیے دوسرا محل مناسب ہوگا۔

حکام تفتیش نے تین ہزار ایتھنزیوں کو جو اس معرکے میں اسیر کیے گئے، قابلِ قتل قرار دیا۔ تب لی سان در نے ان کے سپہ سالار فیلوکلیس کو آواز دی کہ کہو تم کس سزا کے مستحق ہو کہ اپنے ہم وطنوں کو اہلِ یونان سے لڑنے کا مشورہ دیتے تھے؟ فیلوکلیس نے جو اس مصیبت عظمیٰ سے مطلق افسردہ معلوم نہ ہوتا تھا، کہا: ایسے الزام لگانے سے کیا فائدہ جن کا صحیح فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ البتہ تم جو اس وقت فاتح ہو، میرے ساتھ وہی کرو جو مغلوب ہونے کی صورت میں خود برداشت کرتے"! تب لی سان ور نے غسل کیا اور جیسا کہ تھیوفراس توس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے، نفیس جُبّہ پہن کر قیدیوں کو قتل گاہ کی طرف لے گیا۔ اس کے بعد لی ساندر شہر بہ شہر جہازوں میں گیا اور ہر جگہ ایتھنز والوں کو ہدایت کرتا تھا

کہ اپنے وطن کو جاؤ ورنہ جس ایتھنزی کو ہیں شہر کے باہر پاؤں گا، قتل کیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ مطلب یہ تھا کہ ایتھنز میں اتنے آدمی بھر جائیں کہ اجناس خوردنی کا قحط پڑ جائے اور پھر اُسے شہر کا زیادہ محاصرہ کرنا نہ پڑے۔ اسی کے ساتھ وہ ہر جگہ جمہوری حکومتوں کا خاتمہ کرتا اور ایک اسپارٹی حاکم مقرر کر دیتا کہ اُن انجمنوں کے دس ارکان کے ساتھ (جو اس نے بہت پہلے قائم کرائی تھیں) حکومت کرے۔ یہ کام اُس نے نہ صرف حریفوں کے شہروں میں بلکہ حلیف ریاستوں میں بھی انجام دیا اور اطمینان کے ساتھ ایک ایک ریاست میں اپنا بیڑا لیے پھرا اور اس طرح ایک اعتبار سے پورے یونان میں اپنی سیادت قائم کر دی۔ حکام کے انتخاب میں وہ کسی نسب یا دولت مندی کا لحاظ بھی نہ کرتا تھا بلکہ محض اپنے دوستوں اور طرف داروں کو سارا اقتدار سُپرد کر دیتا تھا کہ جسے چاہیں نوازیں اور جسے چاہیں سزا دیں بعض موقعوں پر جب کہ اس کے نئے حاکم قتلِ عام کراتے وہ خود موجود رہتا اور انھیں اپنے مخالفین کے قتل و جلا میں مدد دیتا تھا۔ لیکن سچ پوچھیے تو یہ اسپارٹہ کی حکومت کا کوئی پسندیدہ نمونہ نہ تھا جو اس نے اہلِ یونان کے سامنے پیش کیا۔ ظرافت نگار شاعر تھیوپم پوس نے اہل اسپارٹہ کو اُن پیشہ ور ساقنوں سے تشبیہ دی تھی کہ جب یونانیوں کو آزادی کی میٹھی شراب کا چسکا لگا تو اُنھوں نے اس میں سرکہ ڈال دیا۔ لیکن اوّل تو یہ شراب شروع سے تیز و تلخ تھی، دوسرے لی سان در نے

محض آمیزش نہیں کی بلکہ تمام جمہوری حکومتوں کا قلع قمع ہی کر ڈالا اور اُن کی بجائے نہایت متعصّب اور بے باک خواص کی حکومتیں قائم کر دیں۔ ان واقعات کو دیکھیے تو شاعر کی پھبتی پھیکی معلوم ہونے لگتی ہے۔

ان کاموں میں کچھ مدت صرف ہوئی۔ پھر اس نے اسپارٹہ والوں کو پہلے سے آدمی بھیج کر خبر دی کہ وہ دو سو جہاز لیے ہوئے واپس آرہا ہے لیکن اتی کا میں نہری فوجوں کے آملنے کے باوجود ایتھنز والوں نے مقابلہ کیا اور اُس کی تسخیر میں دیر گی تو لی سانڈر پھر ایشیا کی طرف چلا گیا اور وہاں بھی ہر یونانی بستی میں آئینی حکومتیں توڑ کر دس، دس اشخاص کی حکومت قائم کی۔ اس میں ہر جگہ بہت سے لوگ جان سے مارے گئے اور بہت سے خارج البلد کیے گئے۔ ساموس میں تو اُس نے وہاں کے سارے باشندوں کو نکال دیا اور جن پناہ گزینوں کو ساتھ لایا تھا، ساری ریاست اُن کے حوالے کر دی۔ سس توس پر ابھی تک ایتھنز کا قبضہ تھا۔ لی سان در نے اسے چھین کر وہاں بھی اصلی باشندوں کی بجائے سب زمینیں اور مکان اپنے جہازیوں کے حوالے کر دیے۔ لیکن پہلی بار اس کا یہی فعل اہل اسپارٹہ نے نامنظور کیا اور اہل سس توس کو دوبارہ اپنے وطن میں بسنے کی اجازت ملی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ جب اجی انہ، ملوس وغیرہ سے ایتھنزی نکالے گئے اور لی سان در نے ان شہروں کو ایک مُدّت کے بعد اپنے اصلی باشندوں کے حوالے

کیا تو اس پر تمام یونان میں خوشی منائی گئی۔

اس عرصے میں محصور ایتھنز کا قحط سے بڑا حال ہوگیا تھا۔ یہ معلوم کر کے لی سان در پھر اُس کی بندرگاہ (پی ریوس) میں بیڑا لے کر پہنچا اور اپنی من مانی شرطوں پر شہر سے ہتھیار رکھوا لیے۔ ایک روایت مشہور ہے کہ اس نے اسپارٹہ کے حکام کو اس طرح اطلاع دی کہ "ایتھنز لے لیا گیا" اور انھوں نے جواب میں لکھا "کافی لے لیا گیا"، لیکن یہ لطیفہ بعد میں گھڑا گیا ہے ورنہ وہاں کے حکّام نے (اہل ایتھنز کو) یہ حکم لکھا تھا کہ "پی ریوس اور لمبی فصیلوں کو گرا دو۔ دوسروں کی سب بستیوں کو خالی کر دو اور اپنی زمینوں میں ہی رہو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم کو امن دیا جائے گا اور تُمھارے جلا وطن بھی واپس کر دیے جائیں گے۔ رہے جہاز، ان میں سے جس قدر ضروری سمجھے جائیں، اتنے رہنے دو۔" شرائط صلح کا یہ نوشتہ ایتھنز والوں نے قبول کیا۔ ہاگ نون کے بیٹے تھرامن نے اس کو مان لینے کی تحریک کی تھی۔ کہتے ہیں، اسی موقع پر ایک نوجوان مُقرر کلیومنیس نے اس سے سوال کیا کہ تمس طاکلیس نے یہ فصیلیں اہل اسپارٹہ کے علی الرّغم تعمیر کرائی تھیں۔ تم کو یہ جرات کیوں کر ہوئی کہ اس مدبر کے خلاف تقریر اور عمل کرنے لگے؟ تھرامنیس نے جواب دیا کہ "اے نوجوان، مَیں تمس طاکلیس کے خلاف کوئی عمل نہیں کرتا۔ اس نے بھی یہ فصیلیں شہر والوں کی حفاظت کے لیے کھڑی کرائی تھیں، اور ہم بھی ان کو شہر والوں کی حفاظت کے لیے گرائے دیتے ہیں۔ اور اگر فصیلوں کے ہونے پر ہی کسی شہر کی راحت موقوف ہے تو سب سے زیادہ تکلیف میں اسپارٹہ ہوگا

جہاں کوئی فصیل نہیں ہے"

غرض لی سان در نے بارہ جہازوں کے سوا، اُن کا سارا بیڑا ضبط کر لیا اور فصیلیں ماہِ مونی کیون کی سولہ تاریخ کو قبضے میں لیں اور یہ وہی تاریخ تھی جس میں اہلِ ایتھنز نے سلامیس پر عجمیوں کو شکست دی تھی۔ پھر آئینِ حکومت بدلنے کی کارروائی شروع کی۔ لیکن اسے اہلِ شہر نے گوارا نہ کیا اور مخالفت کرنے لگے۔ تب لی سان در نے انھیں کہلا بھیجا کہ چوں کہ فصیلیں ابھی تک منہدم نہیں ہوئیں، لہٰذا اہلِ شہر نے شرائطِ صلح کی خلاف ورزی کی اور ہمیں اس معاملے پر از سرِ نو غور کرنا پڑے گا۔ چناں چہ بعض راویوں کا بیان ہے کہ واقعی حلیفوں کی مجلسِ شوریٰ میں یہ تجویز کی گئی تھی کہ تمام ایتھنزیوں کو غلام بنا کے بیچ دیا جائے اور تھیبس کے باشندے اریان طوس نے تو یہاں تک کہا کہ شہر کو تڑوا کے یہ سارا علاقہ بھیڑوں کی چراگاہ بنا دیا جائے۔ لیکن فوجی سرداروں کے دوسرے اجلاس میں کسی نے یوری پدیس کے ناٹک "الکترا" کا یہ شعر گا کے پڑھا:

الکترا، پری، ای دُختر اگاممنوں
دوبارہ میں ترے ویران گھر کو آتا ہوں

تو جملہ حاضرین کے دل پگھل گئے اور ایسے شہر کو توڑنا اور برباد کرنا انھیں سخت ظالمانہ فعل نظر آیا جس نے ایسے ایسے آدمی پیدا کیے تھے۔

جب اہلِ شہر نے ہر شے حوالے کر دی تو لی سان در نے

ایتھنز کی کئی مرلی بجانے والیوں کو طلب کیا اور تمام لشکریوں کو جمع کرکے مرلی کی دھن میں فصیلیں توڑیں اور جہازوں کو آگ لگوا دی ۔ حلیفوں کے گلوں میں ہار ڈالے گئے اور خوب خوشیاں منائی گئیں کہ گویا آج انھیں ایتھنز کے استبداد سے آزادی حاصل ہوئی ۔ اسی کے ساتھ پی ریوس میں دس اور خاص ایتھنز میں تیس اشخاص کی حکومت قائم کی گئی اور بالاحصار (اکروپولس) میں ایک اسپارٹی والی کالی بیوس متعین کیا گیا ۔ اسی والی نے ایک دفعہ آتولی کوس کو مارنے کے لیے عصا اٹھایا تھا اور آتولی کوس نے چھڑی مار کر اسے زمین پر گرا دیا تھا ۔ اصل میں وہ ایتھنز کا مشہور پہلوان تھا جس پر زنوفن نے اپنا ناٹک " ضیافت " لکھا ہے لیکن اس گستاخی پر لی سان در ناراض نہیں ہوا بلکہ اس نے کالی بیوس کو تنبیہ کی اور کہا کہ تم آزاد لوگوں پر حکومت کرنا نہیں جانتے ۔ مگر تیس حاکموں نے کالی بیوس کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے چند روز بعد آتولی کوس کو ہلاک کر دیا ۔

پھر لی سان در نے لنگر اٹھایا اور تھریس گیا جہاں جوق در جوق لوگ آتے اور طرح طرح کے تحائف اور نذرانے اسے پیش کرتے تھے ۔ واقع میں وہ ایک اعتبار سے تمام یونان کا اس وقت مالک بنا ہوا تھا ۔ لیکن یہ سب تحائف اور سرکاری مال گزاری وغیرہ کی رقوم اس نے جی لی پوس کی تحویل میں دے کر اسپارٹہ روانہ کر دیں ۔ جو ایک زمانے میں صقلیہ میں سپہ سالار تھا ۔

کہتے ہیں اس نے راستے میں بوریوں کے نیچے سے ٹانکے کھول کر تھوڑا تھوڑا رُپیہ نکال لیا اور انھیں پھر سی دیا لیکن اِسے یہ خبر نہ تھی کہ ہر بوری میں حساب کا پرچہ بھی لکھا ہوا رکھا تھا۔ پھر اسپارٹہ پہنچ کر چوری کا رُپیہ تو اُس نے اپنے گھر کی کھپریل میں چھپا دیا اور بوریاں اوپر کی مہریں دکھا کر حکّام شہر کے حوالے کیں۔ بعد میں جب یہ بوریاں کھولی گئیں اور اُن سے رُپیہ اُتنا نہ نکلا جتنا پرچوں میں تحریر تھا تو حکّام کو بہت حیرانی ہوئی۔ اس وقت جی لی پوس کے نوکر نے ایک معمّے میں یہ راز افشا کیا۔ یعنی کہا کہ کھپریل کے نیچے بہت سے اُلّو پڑے ہیں۔ اور واقع میں بہت سا چوری کا رُپیہ وہ تھا جس پر ایتھنز کی رائج الوقت علامت یعنی اُلّو کی تصویر منقوش تھی۔ ایسی ممتاز اور اعلیٰ خدمات انجام دینے کے بعد جب جی لی پوس کی اس ذلیل حرکت کا حال کُھلا تو وہ اسپارٹہ سے نکل گیا۔

اِدھر شہر کے دانش مندوں کو، بہت کچھ اس واقعے سے خوف ہوا کہ دولت اچھے اچھے شہریوں کے اخلاق بگاڑ دیتی ہے اور وہ لی سان در پر بگڑے اور حکّام سے تحریک کی کہ سب سونا چاندی، بیرونی بدعت قرار دے کر اسپارٹہ کے باہر بھیج دیا جائے۔ حکّام نے باہم مشورہ کیا اور ان میں سے ایک نے رائے دی کہ ہمیں سونا چاندی شہر میں لانے کی ضرورت نہیں، قدیم لوہے کے سکّوں پہ قناعت کرنی چاہیے جو تپانے کے بعد سرکے میں بُجھا لیا جاتا تھا کہ اور کسی کام میں نہ آسکے اور

بھاری اور کم قیمت ہونے کی وجہ سے زیادہ تعداد میں اس کا لانا، لے جانا خاصا عذاب ہوتا تھا۔ اور اسپارٹہ ہی پر موقوف نہیں، قدیم زمانے میں اکثر ملک لوہے یا تانبے ہی کا سکہ چلایا کرتے تھے۔ ادھر لی سان در کے طرف دار اس رائے کے خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ یہ سونا چاندی شہر ہی میں رہے لہٰذا یہ قرار پایا کہ ان قیمتی سکوّں سے سرکاری ضرورتوں میں کام لیا جائے مگر ذاتی طور کوئی شخص انھیں رکھے گا تو انتہائی سزا، یعنی قتل کا مستوجب ہوگا۔ گویا قانون ساز لِگرگس کو حرص وطمع کا نہیں بلکہ فقط سکوّں کا خوف تھا۔ کیوں کہ سرکاری کام میں لانے کے معنی تو یہ ہوئے کہ اُس کی قدر و منزلت اتنی بڑھ جائے جتنی محض ذاتی استعمال کی ممانعت سے کم نہ ہوسکتی تھی۔ دوسرے یہ کب ہوسکتا تھا کہ جس چیز کو وہ سرکاری استعمال میں دیکھیں، اس کو ذاتی قبضے میں لانا بُرا یا بے کار سمجھیں حال آں کہ حکومت اس کو پسند کرتی اور فائدہ مند جانتی ہو۔ حقیقت میں لوگوں کی انفرادی کمزوریاں اور لغزشیں سارے شہر کے اخلاق پر اتنا اثر نہیں کرسکتیں جس قدر کہ عام یا سرکاری اعمال بہت جلد اُن کی معاشرت میں سرایت کرجاتے ہیں اس لیے کہ اگر کُل میں خرابی ہو تو قرینہ غالب ہے کہ اس کے اجزا بھی خراب ہوجائیں گے، بہ تمانے کہ محض جُز کی خرابی کُل تک اثر انداز ہونے میں کافی وقت لگے گا اور اس کا علاج اور تدارک بھی ہوتا رہے گا۔ ایک اور عیب اس نئے قانون میں یہ تھا کہ ہر شہری کے گھر پر

اب دہشت اور قانون کا پہرا لگانا پڑا کہ اس میں رُپیہ داخل نہ ہونے پائے۔ مگر ان کے دل و دماغ سے اب یہ امید نہ کی جا سکتی تھی کہ رُپے کی خواہش کو ادنا اور اپنے ناشایان سمجھیں گے جب کہ عام طور پر حصولِ دولت کو معزز اور اعلا مقصد سمجھا جا رہا تھا۔ مگر اس باب میں ہم اپنی ایک دوسری تحریر میں اہلِ اسپارٹا پر کافی نفریں کر چکے ہیں۔

اموالِ غنیمت سے لی سان در نے اپنا اور دوسرے جہازی ناخداؤں کے برنجی بُت بنوا کے دلفی میں نصب کرائے۔ اور کاس تور و پولوش ستاروں کی مورت بھی بنوائی جو لیوکٹرا کی جنگ سے کچھ پہلے غائب ہو گئی۔ اکان تھیہ والوں کے خزانے میں سونے اور ہاتھی دانت کا ایک سہ طبقہ (چھوٹا سا) جہاز محفوظ تھا جسے سی روس نے اس فتح کبیر کے اعزاز میں لی سان در کو ہدیہ بھیجا تھا۔ دلفی کا مصنف الک زن دری دِس لکھتا ہے کہ یہاں لی سان در نے اپنی کچھ چاندی بھی محفوظ کرا دی تھی اور یہ اس عام بیان کے مطابق ہے کہ لی سان در مفلسی کی زندگی بسر کرتا تھا اور اسی پر وہ غرور و نخوت دکھاتا تھا، جو اتنے وسیع اقتدار کے باوجود مناسب نہ تھا۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ دوریس مؤرخ کے بہ قول یونانیوں میں وہی پہلا شخص ہے جس کی وطن کے شہروں میں دیوتا کی طرح قربان گاہیں تیار ہوئیں اور اُن پہ نذر و نیاز کے ساتھ فتح کے گیت گائے گئے جن میں ایک کی پہلی بیت کتابوں میں محفوظ ہے ؎

بزرگ یونانیوں کا قائد، فراخ اسپارٹہ سے آیا
اسی کا تہوار ہم نے جس کو ترانۂ فتح سے منایا

ریاست سامیہ کی حکومت نے فیصلہ کیا کہ جُونو دیوی کا تہوار آیندہ سے لی سان دریا موسوم ہوگا، اور شعرا میں سے ایک شخص ہشری لوس ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا تھا کہ نظم میں اس کے کارنامے سراہتا رہے۔ ایک اور شاعر انتی لوکوس نے اس کی مدح میں کچھ شعر کہے تھے، وہ لی سان در کو بہت پسند آئے اور صلے میں ٹوپی بھر کر چاندی شاعر کو دی۔ اس مدح گوئی میں انتی ماک اور نک راتوس شاعروں میں مقابلہ بھی ہوا۔ لی سان در نے جیت کا سہرا نک راتوس کے سر پر باندھا جس سے اس کا حریف شاعر ایسا جلا کہ اپنی نظم محو کر دی لیکن افلاطون حکیم نے جو اُس زمانے میں جوان اور اسی شاعر انتی ماک کی شاعری کا مدّاح تھا، اس کو تشفی دی اور کہا کہ جاہل اپنی جہالت سے خود نقصان میں رہتے ہیں جس طرح بصارت جانے سے اصلی خسارہ اندھے ہی کو ہوتا ہے۔ اریس تونوس مطرب نے بھی جو چھ مرتبہ پی تھیہ کے میلے میں سب سے بازی جیت چکا تھا، لی سان در سے براہِ خوشامد کہا تھا کہ اگر آیندہ میں جیتا تو اپنا نام "لی سان در" رکھوں گا۔ لی سان در نے کہا "یعنی اس کا غلام"؟

اس کا یہ غرور و تکبر برابر والوں کو بے شبہ ناگوار گزرتا تھا مگر اس کی خدمت کرنے والے اتنے زیادہ تھے کہ ہوسِ کشور کشائی کے ساتھ ساتھ نخوت اور دوسروں کی تحقیر کا جذبہ بڑھتا گیا اور سزا و جزا دونوں میں وہ اس اعتدال کا پابند نہ رہا جو ہر فرد

ذاتی معاملات میں لازم سمجھتا ہے۔ دوست آشناؤں کو بھی وہ ایسی ہی مطلق العنان حکومت عطا کرتا تھا اور اس کے غصے کی تسکین کے لیے کسی کی جلاوطنی بھی کافی نہ ہوتی تھی بلکہ اپنے مخالفین کا وہ بالکل قلع قمع کر ڈالنا چاہتا تھا۔ مثال کے طور پر می لسیہ کے قائدینِ عوام کی نسبت اسے اندیشہ ہوا کہ وہ چھپ رہے ہیں اور بچ کر نکل جائیں گے تو اس نے قسم کھائی کہ وہ انھیں کوئی گزند نہیں پہنچائے گا اور جب وہ اس کے اعتبار پر ظاہر ہوگئے تو اس نے انھیں پکڑ کر حکومتِ خواص کے حوالے کر دیا کہ سب قتل کر دیے جائیں جن کی تعداد آٹھ سو تھی۔ اسی پر منحصر نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ اس کے دورِ اقتدار میں جتنے جمہوری گروہ کے آدمی مارے گئے، ان کا شمار میں آنا محال ہے۔ اور یہ قتل محض اُن جرائم کی بنا پر نہیں کیے جاتے تھے جو اُس کے خلاف کیے گئے ہوں، بلکہ وہ دوسروں کو بھی بے تکلف یہ امتیاز دے دیتا تھا اور اپنے دوستوں کی حرص و عداوت کی سیری کے لیے بھی ایسے قتل کرانے جائز رکھتا اور خود بھی ان موقعوں پر شریک ہوتا تھا۔ اسی پر اُس کے ہم وطن اِت یوکلیس کا یہ قول ضرب المثل بنا کہ "یونان دو لی سان در برداشت نہیں کر سکتا" مورخ تھیوفراس طوس کہتا ہے کہ ایک اور شخص نے یہی بات الکی بیادیس کی نسبت کہی تھی لیکن الکی بیاد کا سب سے بڑا عیب ایک قسم کی بدچلنی اور خود داری تھا حال آں کہ لی سان در سے اس لیے خوف اور نفرت کی جاتی تھی کہ اول درجے کا بے رحم تھا۔

اہلِ اسپارٹہ بھی اُس کے خلاف کوئی الزام اور فریاد نہیں سُنتے تھے البتہ جب (ایرانی والی) فرنا بازو نے ، جس کا کچھ علاقہ لی سان ڈر نے تاراج کیا اور اپنے ایک دوست اور ساتھی سردار توارش کو تھوڑی سی چاندی خُفیہ اپنے پاس رکھنے کے جُرم میں قتل کرا دیا ، اسپارٹہ میں قاصد بھیجے تو وہاں کے حُکّام کو یہ حرکتیں ناگوار گزریں اور انھوں نے ایک بتّی کا رقعہ اُسے واپس بلانے کے واسطے روانہ کیا ۔ یہ رقعہ ایک جھلّی یا چرمی کاغذ پر جسے وہ اپنے عصا پر لپیٹ کر بتّی بنا لیتے تھے ، لکھا جاتا تھا ۔ اسی عصا کی گولائی کے برابر ایک چوبی گتّا بھی رقعے کے ساتھ بھیجا جاتا تھا کیوں کہ جب تک اس پر وہ جھلّی لپیٹ کر سیدھی نہ کی جائے ، رقعے کی عبارت مربوط نہ ہو سکتی تھی ۔ اُن کے مخفی احکام کا یہ طریقہ تھا اور اس چوبی گتّے کو " سکی تیل " اور رقعے کو اسی چوب یا عصا کی نسبت سے " چوب " کہتے تھے جس طرح مظروف کو ظرف کا نام دے دیا جاتا ہی +

جس وقت یہ چوب لی سان ڈر کو ملی تو وہ گھبرایا ۔ اور یہ سمجھ کر کہ فرنا بازو کی شکایت سب سے زیادہ کارگر ہوئی ہوگی ، سیدھا اس سے ملنے اور باہمی مصالحت کی صورت نکالنے ہلنس پونٹ پہنچا اور اس سے درخواست کی کہ ایک اور خط حکّام کے پاس روانہ کرے جس میں یہ صراحت ہو کہ اسے لی سان ڈر سے کوئی نقصان نہیں پہنچا اور اس کے خلاف کوئی شکایت نہیں ہی ۔ گر فرنا بازو نے وہ جو مثل ہی ، کریتی سے کریتی کا دانو کھیلا اور ظاہر میں تو

لی سان در کے حسب خواہش خط لکھا لیکن علاحدہ ایک دوسرا خط لکھ کر مُہر زدہ لفافہ اُس کے حوالے کیا جسے لے کر وہ اسپارٹہ پہنچا اور اس یقین کے ساتھ کہ اس پہ سب سے بڑا الزام رفع ہو جائے گا، وہ خط حکّام کے حوالے کیا۔ کیوں کہ اس میں شک نہیں کہ فرنا بازو بادشاہ ایران کے سرداروں میں سب سے زیادہ اسپارٹہ کا دوست اور جنگ میں مددگار تھا اور اہلِ اسپارٹہ اس کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ لیکن جب حکّام نے وہ خط کھول کر پڑھا اور لی سان در پر ثابت ہوا کہ بقول ہومر ؎

”گھرے ہیں اُلی سس کی طرح اور بھی کچھ لوگ
دُنیا میں وہی ایک عقل مند نہیں ہے“

تو وہ بہت پریشان ہوا اور اُس وقت وہاں سے چلا آیا مگر دو چار دن بعد حکّام سے کہا کہ مجھے امون دیوتا پر قربانیاں چڑھانی ہیں جن کی منّت مانی تھی لہٰذا میں ضرور وہاں جاؤں گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ واقعی اُس نے ایک محاصرے کے موقعے پر امون کو خواب میں دیکھا تھا اور قصد کر لیا تھا کہ اس کو رضامند کرنے کے لیے لی بیہ جا کر اس کے مندر پر بھینٹ چڑھائے گا۔ لیکن اکثر لوگوں کی رائے تھی کہ یہ محض بہانہ تھا ورنہ وہ حکّام کے خوف سے، نیز یہ دیکھ کر کہ اسے اپنے وطن میں دوسروں کا محکوم بن کر رہنا پڑے گا، سیاحت کے لیے نکل جانا چاہتا تھا۔ جس طرح بہت دن تک چراگاہ میں آزاد چرتے پھرنے کے بعد گھوڑا اصطبل میں بندھنے اور اپنے کام پہ لگائے جانے سے

گھبراتا ہی۔ اِفورس نے اس کے سفر کا جو سبب لکھا ہی، اسے ہم اپنی جگہ پر آئندہ بیان کریں گے۔

غرض بہ دقت تمام حکّام سے اجازت لے کر وہ جہاز میں روانہ ہوگیا۔ لیکن اسپارٹہ کے بادشاہ جانتے تھے کہ جگہ جگہ شہروں میں لی سان در کے خاص دوست حاکم ہیں اور اُن کی بہ دولت وہ گویا سارے یونان کا مالک بنا ہوا ہی، لہذا اُنھوں نے ہر جگہ سے ان لوگوں کو معزول کرنے اور اہلِ شہر کے ہاتھ میں اقتدار واپس دِلوانے کی تجویز کی۔ لیکن اس کے عمل میں آتے ہی پھر جگہ جگہ فساد پیدا ہوئے۔ سب سے پہلے خود ایتھنز میں لوگوں نے شہ پاتے ہی اپنے تیس جابروں پر حملہ کیا اور انھیں مغلوب کرلیا۔ یہ سُن کر لی سان در جس قدر جلد ہوسکا، وطن واپس آیا اور اپنی حکومت کو ترغیب دی کہ جمہوری حکومتوں کو سر نہ اٹھانے دیں اور خواص کی مدد کریں۔ چناں چہ اسپارٹہ سے تیس جابروں کو پہلے بہت سا رُپیہ اور پھر لی سان در کو سپہ سالاری کی غرض سے روانہ کیا گیا۔ بیچ میں اسپارٹہ کے ایک بادشاہ پاوسے نیاس اس کی نام وری سے حسد کرکے خود ایتھنز پہنچا اور عوام کو سمجھا بجھا کے فساد فرو کردیا لیکن بعد میں دوبارہ شورش برپا ہوئی اور پاوسے نیاس مطعون ہوا کہ اس نے عوام کو اتنی ڈھیل دے دی کہ وہ شیر ہوگئے۔ اِسی نسبت سے لی سان در کی شُہرت میں اضافہ ہوا کہ اس نے اپنی غرض یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے نہیں بلکہ فقط اسپارٹہ کے فائدے کی خاطر

سپہ سالاری کا کام انجام دیا۔

کردار کی طرح اس کی گفتار بھی دلیرانہ اور حریف کو خاموش کر دینے والی ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر شہر ارگوس کے لوگ حدودِ ریاست کے بارے میں اسپارٹہ سے جھگڑتے تھے اور اپنی قانونی دلائل کو بہت قوی سمجھتے تھے۔ لی سان ڈر نے تلوار دکھا کر ان سے کہا کہ "سرحد کی سب سے قوی دلیل اُس کے پاس ہے جو اس (تلوار) کا مالک ہے۔" قصبہ مگارا کا ایک شخص اُس کے ساتھ زیادہ بے تکلفی کی باتیں کر رہا تھا۔ لی سان ڈر نے کہا "عزیز من، ایسی زبان صرف شہر والوں کو زیب دیتی ہے۔" جنگ میں بیوشیہ کے حلیف مذبذب ہوئے تو اُس نے یہ سوال کہلا بھیجا کہ ہم تمہارے علاقے سے برچھے تانے ہوئے گزروں یا نیچے کیے ہوئے؟" ایک دفعہ کورنتھ کے محاصرے میں اسپارٹہ کے سپاہی تامل کر رہے تھے کہ شہر پر یورش کریں یا نہ کریں کہ اتفاق سے ایک خرگوش فصیل پر سے نیچے کودتا نظر آیا۔ لی سان ڈر نے اسے دیکھ کر کہا "تمھیں ایسے دشمن سے ڈرتے ہوئے شرم نہیں آتی جس کی سستی کی وجہ سے خرگوش تک اُس کی فصیلوں پر سو جاتے ہیں۔"

شاہ اجیس نے وفات پائی تو اس کا ایک بھائی اجی سی لاوس اور ایک نام نہاد بیٹا لیونتی کی دس وراثت کے دعوے دار تھے لیکن جب ال کی بیادس بھاگ کر اسپارٹہ آیا تو اجیس کی بیوی ملکہ تی میہ سے اس کا ایسا خلا ملا ہوا کہ لوگ اس بیٹے کو بھی اسی سے خیال کرنے لگے تھے۔ کہتے ہیں خود اجیس نے حساب لگا کر یہ رائے قائم

کی تھی کہ وہ اس کا بیٹا نہیں ہوسکتا اور اسی لیے کبھی اس پر التفات نہیں کرتا تھا لیکن اس کے مرض الموت کے وقت لیون تی کی دس اور بعض دوستوں نے اتنی منت سماجت کی کہ اجیس مجبور ہوگیا اور اس کی فرزندی کا اعلان کر دیا۔ حاضرینِ جلسہ نے اس کے موافق شہادت بھی دی اور ایک کاہن نے کسی قدیم پیش گوئی کی بنا پر اجے سی لوس کو جو لنگڑا تھا، بادشاہی کے لیے بہت منحوس قرار دیا لیکن لی سان در کی کوشش اور اثر کے سامنے کسی کی نہ چلی اور اجے سی لوس ہی بادشاہ بنا دیا گیا۔ پھر لی سان در نے ایک طرف تو نئے بادشاہ کو اُبھارا کہ ایرانیوں پر حملہ کرکے دائمی عظمت حاصل کی جائے اور دوسری طرف اپنے ایشیائی دوستوں کو لکھا کہ وہ اُسے، یعنی لی سان در کو مجوزہ جنگ میں سپہ سالار بنائے جانے کی تحریک کریں۔ اُس نے اجے سی لوس کو بادشاہ بنانے میں جو سعی کی تھی، اس کا یہ معاوضہ بھی کچھ بہت زیادہ نہ تھا لیکن اربابِ ہوس، اگرچہ حکم رانی کے دوسرے اوصاف رکھتے ہوں، اکثر اپنے برابر والوں سے ایسا حسد کرتے ہیں کہ جن کو وہ اپنا مددگار بنا سکتے تھے، انھیں حریف بنا لیتے ہیں اور یہی حسد بہت سے اچھے کام کرنے میں ان کے مانع آجاتا ہے۔ غرض اجے سی لوس اسے ایشیا کی مہم میں تیس مشیروں میں داخل کرکے اپنے ہم راہ تو لے گیا لیکن بعد میں لوگوں کا اس کی طرف رجوع دیکھ کر اسے اور بھی حسد ہوا اور اس نے لی سان در کو خاں ساماں کی خدمت سپرد کر دی اور ایشیائی یونانیوں کے ایک وفد سے کہا کہ "جاؤ اب ہمارے خان ساماں کی سلامی دیا کرو" اس پر لی سانڈر

کو خود بادشاہ کے پاس آنا پڑا اور ان میں یہ مختصر مگر پُر معنی گفتگو ہوئی :

" او اجے سی لوس واقعی تم اپنے دوستوں کو دبانا خوب جانتے ہو "

جواب : " ان دوستوں کو جو مجھ سے بھی اوپر چڑھنا چاہتے ہیں، لیکن جو میرے اقتدار میں اضافہ کریں وہ بے شک اس میں حصّہ پائیں گے "

" او اجے سی لوس ، ممکن ہو، میں نے اتنا کیا نہ ہو جتنا تم کہہ رہے ہو ۔ لیکن باہر کے دیکھنے والوں کی خاطر تم سے میں درخواست کرتا ہوں کہ کسی ایسی جگہ مجھے سرداری دو جہاں تم سمجھو کہ میں تمھارے خلاف مزاج کم سے کم اور فائدے کے لیے زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دے سکوں گا "

چناں چہ وہ سفیر بنا کر ہلس پونٹ روانہ کیا گیا اور اگرچہ اجے سی لوس سے نہایت ناراض تھا مگر اپنے فرائض میں کوئی کوتاہی نہ کی اور اس عہدے کی مُدّت پوری کرنے کے بعد اسپارٹہ چلا آیا۔ اپنی بے توقیری پر وہ نہ صرف اجے سی لوس سے ناراض ہوا بلکہ پوری حکومت اسپارٹہ سے اس کو نفرت ہوگئی اور اب اُس نے ارادہ کرلیا کہ حکومت میں ردّ و بدل اور آئین میں انقلاب کی اُس تجویز کو عمل میں لائے، جو معلوم ہوتا ہے ایک مُدت سے وہ مرتب کر رکھی تھا اور جس کے چل جانے کا ابھی وقت تھا۔ تجویز کا خلاصہ یہ تھا

کہ ہرقلی گروہ، جو ڈوریان قوم کے ساتھ مل کر پیلوپونیسس آیا، اگرچہ نہایت نامی گرامی اور تعداد میں کثیر ہو گیا تھا، لیکن اس کے ہر خاندان کو یہ حق نہ تھا کہ بادشاہ ان میں سے منتخب کیا جائے بلکہ یہ منصب صرف دو خاندانوں یوری پون تی اور اجیسی کے لیے مخصوص ہو گیا تھا۔ گو کہ دوسرے سب افراد ان لوگوں کی طرح قابلیت حاصل ہو سکتے تھے۔ لی سان در خود بھی ایک ہرقلی خاندان سے تھا اور جب اس نے اپنے کارناموں سے اتنی شہرت اور غیر معمولی اثر حاصل کیا تو اسے یہ بات بہت ناگوار گزری کہ اسپارٹہ کو اپنی محنت سے اتنی کچھ ترقی دینے کے باوجود اور نسب میں بھی دوسروں کی مثل ہونے کے باوصف وہ اس کی بادشاہی میں پوری طرح حصے دار نہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے منصوبہ بنایا کہ ان دو خاندانوں کی اجارہ داری توڑ کر اسے نہ صرف ہرقلی بلکہ جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں، ہر اسپارٹہ والے کے واسطے کھول دیا جائے اور ذاتی اوصاف کی بنا پر ہر شخص کو اعلیٰ سے اعلیٰ منصب کا اہل قرار دیا جائے، جب کہ وہ خود اپنے کاموں کی بنا پر الوہیت کے درجے تک سربلند کیا جا چکا تھا۔ لی سان در کو امید تھی کہ اگر اس طرح بادشاہی کے واسطے مقابلہ ہوا، تو اس کے ہوتے کوئی دوسرا اسپارٹہ کا آدمی اس منصب پر منتخب نہ ہو سکے گا۔

چنانچہ پہلے اس نے شہریوں کو بیچ کے طور پر بھانے کی کوشش اور تیاری کی اور کلیون ہالی کرناسی کا ایک خطبہ اس باب میں مطالعہ کیا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ اس قسم کی خلاف توقع بدعت زیادہ دلیری کام میں لائے بغیر عمل میں نہ آسکے گی، اس نے عام جلسوں میں نکلنا

شروع کیا اور خدائی وسائل سے کام لینے کی بھی تدبیر کی۔ اس غرض کے لیے اپالو کے ربانی اقوال اور جوابات جمع کیے تاکہ اپنے ہم وطنوں کے دل میں پہلے مذہبی اوہام اور خطرات پیدا کیے جائیں اور کلیون کے خطبے کی بجائے اس تدبیر سے انھیں اپنی تجویز پر غور کرنے کے لیے آمادہ کیا جائے۔ وہ اپالو مندر کے اقوال مسخ کرنے میں کامیاب نہ ہوا اور دودونہ دیوی کی کاہنہ بھی اُس کے کہے میں نہ آئی۔ تب اُس نے لی بیہ میں امون دیوتا کے مہنتوں سے گفتگو کی اور بہت سا سونا بھی ان کو پیش کیا جس پر وہ ناراض ہوئے اور انھوں نے اسپارٹہ آدمی بھیج کر لی سان در کی شکایت کی۔ لیکن یہاں اس شکایت کو سُننے کے بعد عدالت نے لی سان در کو بَری کر دیا جس پر لی بیہ والے یہ کہہ کر واپس چلے گئے کہ "اے اہلِ اسپارٹہ جب تم ہمارے دیس میں آکر بسو گے تو دیکھو گے کہ ہم تم سے بہتر عدل کرنا جانتے ہیں۔" ان کا یہ قول ایک قدیم پیش گوئی پر مبنی تھا، جس میں کہا گیا ہے کہ اسپارٹہ کی قوم لی بیہ میں آباد ہوگی۔ یہ روایت افوروس کی ہے لیکن چوں کہ یہ پوری سازش بہت پیچ در پیچ تھی اور نہایت باقاعدہ مدارج و مراحل سے گزر کر منزلِ مقصود تک پہنچنے والی تھی، لہذا ہم اسے ایک مورخ اور فلسفی کے بیان سے ذیل میں نقل کرتے ہیں:

> پون تُوس میں ایک عورت نے دعوا کیا کہ وہ اپالو دیوتا سے حاملہ ہوگئی ہے۔ بعض نے اسے مانا اور بعض نے تردید کی لیکن جب اس کے بیٹا پیدا ہوا تو بعض خاصے باثر اشخاص اُس بچے کی پرورش اور غور پرداخت میں حصّہ لینے لگے۔ بچے کا نام کسی وجہ

بے سی لنوس رکھا گیا۔ لی سان در نے اس سے اپنا کام لینے کی تجویز کی۔ ڈلفی کے مندر سے یہ روایت بھی اسپارٹہ میں لائی اور مشہور کی گئی کہ وہاں بہت سے قدیم نوشتے صیغۂ راز میں رکھے ہیں جن کو کوئی دیکھ نہیں سکتا، جب تک کہ اپالو کی نسل سے ایک آنے والا نہ آئے اور خاص خاص علامتوں سے مندر کے محافظوں کو قائل کر کے خود وہ نوشتے حاصل کر کے، ان کا مطلب نہ بتائے۔ منصوبہ یہ تھا کہ سی لنوس سے جسے پسر اپالو ہونے کا دعویٰ تھا، یہ کام لیا جائے اور اپالو کے بعض مہنتوں کو شریک سازش کر کے، بعد جرح و تنقیح اعلان کرایا جائے کہ وہی ان نوشتوں کا پڑھنے والا ہے۔ پھر بہت سے گواہوں کی موجودگی میں وہ اُن کو پڑھے اور دوسری پیش گوئیوں کے ساتھ، اہل سازش کے اصل مطلب کی یہ بات بھی پڑھ کر سنائے کہ اسپارٹہ والوں کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں کا انتخاب سب سے اچھے شہریوں میں سے کیا کریں۔ یہ سب مصالحہ تیار کر لیا گیا تھا اور سی لنوس بھی اب سن رُشد کو پہنچ چکا اور اپنا کام انجام دینے پر تیار تھا لیکن اپنے ایک مددگار یا اس ناٹک میں حصہ لینے والے کی عین وقت پر بُزدلی دکھانے اور پیچھے ہٹ جانے سے لی سان در کا سارا کھیل بگڑ گیا۔ یہ ایں ہمہ یہ راز اس کے جیتے جی کھُلنے نہ پایا بلکہ اس کے مرنے پر آشکارا ہوا۔

اس کی موت ایجےسی لوس کی ایشیا سے مراجعت کے قبل واقع ہوئی جب کہ اس نے اپنے آپ کو، بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ سارے یونان کو بیوشیہ کی جنگ میں اُلجھایا۔ کیوں کہ دونوں قول

مشہور ہیں کہ خود وہ جنگ کا باعث ہُوا اور یا تھبس والے، جنھوں نے اسپارٹہ کو لڑائی میں پھنسانے کے لیے، شاہ ایران کے فرستادوں کی رشوت لے کر فوکیبہ پر حملہ کیا اور اس کا علاقہ تاراج کر ڈالا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ تھبس نے اموالِ غنیمت میں ایک عُشر کا مطالبہ کیا حال آں کہ دوسرے حلیف جو کچھ ملا، اس پر قانع رہے۔ مگر تھبس نے وہ غنائم اسپارٹہ بھیجنے پر اعتراض کیا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان کی بہ دولت ایتھنز والوں کو پہلا موقع تیس جابروں سے جن کو لی سان ڈر نے مسلط کیا تھا، رستگاری حاصل کرنے کا میسر آیا۔ اس لیے کہ اسپارٹہ والوں نے تو ان جابروں کی تقویت کے لیے یہ حکم جاری کیا تھا کہ ایتھنز کے پناہ گزیں جس ملک میں پائے جائیں، گرفتار کر لیے جائیں اور اگر ان کی گرفتاری میں کہیں رکاوٹ پیدا کی جائے تو اس ریاست کو اسپارٹہ کے جتھے سے خارج کر دیا جائے۔ لیکن تھبس والوں نے اس کے جواب میں یہ قانون بنایا کہ بیوشیہ کا ہر شہر اور مکان ایتھنزیوں کے لیے کھول دیا جائے اور جو شخص ان پناہ گزینوں کو مدد نہ دے، اس کو پکڑ کر بہت بھاری جُرمانے کی سزا دی جائے۔ اس کا یہ فعل واقعی یونان کے سورما ہرقل و باکوس کی اولاد کے شایانِ شان تھا اور اس شریفانہ اور سچے یونانی نمونے کے قانون کو محض شائع کرنے پر ہی انھوں نے قناعت نہ کی بلکہ اُس کے مطابق عمل کر کے بھی دکھا دیا۔ کیوں کہ تھراسی باوس انھی کے علاقے سے ہتھیاروں اور رُپے کی مدد لے کر خفیہ طور پر ایتھنز کے خلاف بڑھا تھا۔ لی سان ڈر کے تھبس کے مخالف ہو جانے کے یہ اسباب

تھے ۔ سن کے ساتھ اس کے مزاج کی سوداویت بھی بڑھ گئی تھی ۔ غرض اسی کی تحریک پر اسپارٹہ کے حکّام نے تھیبس پر نگرانی قائم کرنے کی غرض سے ایک فوج روانہ کی جس کا سردار خود لی سان در تھا ۔ کچھ مُدّت بعد اسپارٹہ کا (دوسرا) بادشاہ پاوسے نیاس بھی کی ترون کا چکّر کھا کے حملے کے لیے بیوشیہ روانہ ہُوا ۔ لی سان در فوکیس کے راستے بڑھا ۔ اہلِ ارکومی نیہ نے اس کی خود اطاعت قبول کرلی اور لیبادیہ کو اس نے غارت کر دیا ۔ پاوسے نیاس کو اس نے دو خط بھیجے اور ہدایت کی کہ مجھ سے ہل یارتوس کے سامنے آملو، جہاں میں صبح ہوتے پہنچ جاؤں گا لیکن یہ قاصد تھیبس کے جاسوسوں کے ہاتھ پڑ گئے اور انھوں نے خط پڑھ کر اپنے شہر کی حفاظت تو ایتھنز کی امدادی فوج کے سُپرد کی اور خود راتوں رات لی سان در کے آنے سے کچھ پہلے ہل یارتوس پہنچ گئے ۔ اُسے ان کا شہر کے اندر پہنچ جانا معلوم ہوا تو پہلے باہر ایک پہاڑی پر ٹھیرا کہ پاوسے نیاس کا انتظار کرے لیکن دن چڑھا تو صبر نہ کرسکا اور اپنے رفیقوں کو ہمت دلاتا ہوا ایک قطار کی شکل میں شہر پناہ کی طرف لے گیا ۔ لیکن رات کو جو تھیبسی کمک شہر میں پہنچی، اس کا ایک حصّہ شہر کے باہر چھپا ہوا تھا، اس نے دشمن پر عقب سے پیش قدمی کی اور اِدھر شہر پناہ کے اوپر تھیبس والے پہلے تو صف جمائے خاموش کھڑے رہے اور پھر جب

لی سان در قریب آیا تو ایک دم پھاٹک کھول کر اُس پر حملہ آور ہوئے۔ اسی حملے میں وہ اور ساتھ ہی جو رمّال رہتا تھا، دونوں مارے گئے کچھ اور اسپارٹی بھی کام آئے لیکن زیادہ تر بھاگ کر پورے لشکر سے جا ملے۔ تھبس والوں نے دونوں جانب سے ان کا پیچھا کیا اور ایک ہزار آدمی قتل کیے خود ان کے بھی تین سو جوان مارے گئے اور ان میں اکثر وہ لوگ تھے جن پر اسپارٹہ کی جانب داری کا شبہ کیا جاتا تھا۔ اپنی صفائی کی غرض سے انھوں نے سب سے بڑھ کر جاں فشانی دکھائی اور پیچھا کرتے ہوئے پہاڑی زمین اور کراڑوں میں بھاگتے دشمن کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ تھبس کی بیرونی جمعیت اُس مقام سے آگے بڑھی تھی جسے کی سُوسا کا چشمہ کہتے ہیں اور جس کی نسبت مشہور ہے کہ (قدیم یونان کے کنہیا جی) باکوس دیوتا کو ولادت کے بعد دائیوں نے یہیں غسل دیا تھا۔ اس کے قریب بلسان (مصری مینہدی) کثرت سے اُگتی ہے اور یہیں رادمن توس نامی سورما رہا کرتا تھا جس کی قبر الیا کہلاتی ہے۔ الک منا کی قبر بھی قریب ہی دکھاتے ہیں جس نے اپنے پہلے شوہر کے بعد رادمن تو سے شادی کی اور یہیں دفن ہوئی۔

اس حادثے کی خبر پاوسے نیاس کو راستے میں ملی اور وہ اپنی فوج مرتب کرکے ہل یادتوس پہنچا اور اُدھر سے اہلِ تھبس کی مدد کے لیے تھراسی بلوس بھی اپنی اتھنزی جمعیت لے آیا۔ پاوسے نیاس اپنے مقتولوں کی لاشیں صلح کے ذریعے لینا چاہتا تھا جس پر اسپارٹہ کے اکابر ناراض ہوئے اور کہا کہ ہمیں لی سان در کی لاش لڑ کر جبراً

چھین لینی چاہیے ۔ اس میں اگر کامیابی نہ ہو تو اس سے بڑھ کر عزت کیا ہوگی کہ اپنے سپہ سالار کے ساتھ اسی میدان میں مارے جائیں"۔ پاوسے نیاس یہ سُن کر بہت متفکر ہوا اور آخر یہ سمجھ کر کہ شہر پناہ کے نیچے سے لاش جبراً لانا بہت دشوار ہے، اس نے عارضی صلح کے وسیلے ہی سے لاش حاصل کی اور فوج کو واپس لے گیا ۔ پھر بیوشیہ کی سرحد کے باہر حلیفوں کے پہلے علاقے میں پہنچ کر پانوپیہ کی سرزمین میں اسے دفن کیا جہاں اب تک اُس سڑک پر جو دِلفی سے شرونیہ جاتی ہے، اس کا تعویذ بنا ہوا ہے ۔

کہتے ہیں لی سان در کو ایک ربانی قول پہنچا تھا کہ وہ "زمینی اژدھے سے ہوشیار رہے" اور ھل یارتوس کا سپاہی مسمی نیوکوروس جس نے اس کو قتل کیا، اس کی ڈھال پر بھی اژدھے کی تصویر بنی تھی لہذا اس پیش گوئی کا یہی مطلب سمجھا گیا ۔ یہ بھی روایت ہے کہ تھبس والوں کو اِسمنوس کی درگاہ سے یہ حکم ملا تھا جس میں دِل یوم کی جنگ اور اُس کے تیس برس بعد اس ھل یارتوس کے معرکے کی پیش گوئی تھی؛

شکارِ گرگ میں بھولو نہ انتہائی حدیں
نہ اُرکلید کو جو لومڑی کا جنگل ہے!

انتہائی حدوں، سے دِل یوم مراد تھا جہاں بیوشیہ کی سرحد اتی کا سے جا ملتی ہے اور اُرکلید کی پہاڑی جسے اب الوپکوس کہتے ہیں، ھلی کون ندی کے قریب ھل یارتوس کے علاقے میں واقع ہے ۔

لی سان در کے اس طرح مارے جانے کا اسپارٹہ والوں کو سخت صدمہ ہوا اور اُنھوں نے اس کی موت کا پاوسے نیاس بادشاہ سے

مواخذہ کیا۔ اسے جواب دہی کی ہمت نہ پڑی اور تگیہ بھاگ گیا جہاں ساری عمر منروا دیوی کی خانقاہ میں بسر کی۔ پھر، جس وقت لی سان در کی مفلسی کا حال معلوم ہوا تو لوگوں کی نظر میں اس کی عزت اور زیادہ بڑھ گئی کہ جس شخص کو اتنا وسیع اقتدار حاصل تھا اور شہر شہر کے نذرانوں سے اور دولتِ ایران سے جس قدر چاہے، روپیہ لے سکتا تھا، اس نے اپنی ذات کے لیے کچھ بھی لینا نہ چاہا۔ اور یہ روایت تھیوپومپوس نے اپنی تاریخ میں لکھی ہی جو لی سان در کی تعریف کرنے کی بجائے تعریض پر مائل ہی اور جب وہ اس کی نسبت کلمۂ خیر کہے تو وہ بہ نسبت اس کی ہجوگوئی کے، کہیں زیادہ قابلِ اعتناء ہی۔ لیکن افوروس لکھتا ہی کہ کچھ عرصے بعد اسپارٹہ کے حلیفوں کے متعلق کوئی بحث پیدا ہوئی تو لی سان در کے کاغذات جو وہ اپنے پاس رکھتا تھا، دیکھنے کی ضرورت داعی ہوئی۔ چناں چہ شاہ اجے سی موس اس کے مکان پر آیا اور انھی کاغذات میں وہ کتاب بھی برآمد ہوئی جس میں اسپارٹہ کے آئین کے خلاف مفصل خطبہ تحریر تھا کہ یہاں کی بادشاہی دو خاندانوں سے مخصوص رہنے کی بجائے شہریوں کے لیے عام کر دی جائے اور ان میں جو سب سے بہتر ہو اُسی کا انتخاب کیا جائے کرے۔ اجے سی موس نے پہلے تو ارادہ کیا کہ اس تحریر کو شائع کر دے کہ لوگوں کو لی سان در کی اصل فطرت کا حال معلوم ہو لیکن لک راتی دس نے جو ایک مردِ عاقل اور اس وقت حکّام کا صدر تھا، اُسے روک دیا اور کہا کہ گڑے ہوئے لی سان در کو اُکھاڑنے کی بجائے بہتر ہی کہ اس کی یہ ترغیب آمیز عیارانہ

تحریر بھی اُسی کے ساتھ دفن کر دی جائے۔ مرنے کے بعد اس کے اور بھی اعزاز کیے گئے۔ انھی میں اُن لوگوں پر جُرمانہ بھی تھا، جنھوں نے اس کی بیٹیوں سے پہلے تو شادی کرنی چاہی اور پھر اس کی مفلسی کا حال معلوم ہُوا تو اس کی وفات کے بعد، شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ کیوں کہ اس کے معنی یہ تھے کہ جب تک وہ اُس کو دولت مند سمجھتے تھے، اس وقت تک تو ادب و احترام کرتے تھے لیکن جب افلاس نے اس کی نیکی اور معدلت ثابت کی تو اُسے چھوڑ بیٹھے۔ اور معلوم ہوتا ہی اسپارٹہ میں یہ بھی ایک ضابطہ تھا کہ جو شادی نہ کرے یا دیر میں کرے یا بُری جگہ کرے، وہ سزا کا مستوجب ہوگا۔ اور بُری جگہ شادی کا الزام زیادہ تر انھی پر عائد ہوتا تھا جو اپنے دوستوں اور شریفوں میں رشتہ کرنے کی بجائے دولت مندوں میں پیوند ڈھونڈتے تھے۔

لی سان در کے یہی حالات تھے جو ہم کو ملے اور اُوپر بیان کیے گئے۔

سِیلّا

لُوسیوس کورنِلیوس سِیلّا طبقۂ امرا کے ایک خاندان سے تھا۔ اس کے اجداد میں ایک شخص روفی نوس قُنصلی کے عہدے پر مقرر ہوا لیکن اسے وہ ذلت نصیب ہوئی جو اس عزت سے زیادہ نمایاں تھی۔ وہ یہ کہ اُس کے قبضے میں قانون کے خلاف دس پونڈ سے زیادہ وزن کا چاندی کا سامان برآمد ہوا اور اس جُرم پر وہ مجلسِ عمائد سے نکال دیا گیا۔ اس کے بعد اس کی اولاد گُم نامی میں رہی۔ خود سِیلّا کے ماں باپ بھی کچھ خوش حال نہ تھے۔ وہ جوانی میں ایک کم کرائے کے مکان میں رہا کرتا تھا اور یہ واقعہ بھی اس بات کے ثبوت میں پیش کیا جاتا تھا کہ اُس نے جو کچھ حاصل کیا، وہ اس کی قابلیت سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ ایک مرتبہ وہ اپنے لی بیہ کے کارناموں کی شیخیاں ہانک رہا اور اُنھیں مبالغے سے بیان کر رہا تھا تو کسی معزز آدمی نے تعریض کی کہ "کیوں صاحب آپ کس طرح متدین ہوسکتے ہیں کہ آپ کے والد نے مرتے وقت کوئی ترکہ نہ چھوڑا اور اور پھر آپ اس قدر دولت مند ہوگئے؟" حق یہ ہے کہ جس زمانے میں وہ تھا، اس وقت پاکیزہ اور ستودہ اخلاق کا دَور ختم ہو چکا تھا اور عیش و دولت کی بھوک کا غلبہ تھا۔ پھر بھی جو لوگ اپنے خاندان کی موروثی سادگی اور کم مائگی کو ترک کر بیٹھتے تھے اُن پر اسی طرح اعتراض کیا جاتا تھا جس طرح موروثی دولت کو

اڑا دینے والوں پر۔ چناں چہ جن دنوں اقتدار کامل اُس کے ہاتھ میں آیا اور بہت سے اشخاص کو اس نے موت کی سزا دی، ایک آزاد غلام نے (جسے ممنوعہ اشیا رکھنے کی بنا پر قتل کا فتوا سُنایا گیا تھا) از رہِ طعن بیان کیا کہ ایک زمانے میں وہ سیلا کے ساتھ ایک ہی مکان کی بالائی منزل میں رہا کرتا تھا۔ زیریں منزل کا کرایہ تین ہزار سسترکہ (= پیسے) تھا اور خود اُسے اوپر کے کمروں کا کرایہ دو ہزار دینا پڑتا تھا اور اس طرح سیلّا اور اس کی حیثیت میں ایک ہزار سسترکہ (یعنی کوئی ڈھائی سو یونانی دواتیوں) ہی کا فرق تھا۔ سیلّا کی ابتدائی حیثیت کی نسبت اسی قدر لکھنا کافی ہوگا۔

اس کی شکل وصورت کا عام اندازہ اس کے مجسموں سے ہوسکتا ہو لیکن اس کی نیلی آنکھیں جو بڑی تیز اور چمکیلی تھیں، چہرے کے رنگ سے مل کر اور زیادہ تُند و خوف انگیز ہوگئی تھیں کیوں کہ اس کے گورے رنگ میں گہرے سُرخ دھبے تھے۔ اسی بنا پر اس کا نام سیلّا پڑا اور ایتھنز میں ایک ہزل نویس نے اس پر "شہ توت پر دودھ" کی پھبتی کہی۔ ان باتوں کا نقل کرنا جن سے اس کی سیرت کے بعض پہلو ظاہر ہوتے ہیں، اس لیے بھی بے محل نہیں ہو کہ سیلّا خود اس قسم کے تمسخر کا عادی تھا اور جوانی میں پیشہ ور نقّال اور مسخروں کے ساتھ خلا ملا رکھتا اور ان کی ادنا دل چسپیوں میں حصّہ لیا کرتا تھا۔ پھر جب اعلا اقتدار اُس کے ہاتھ میں آیا تو اُن دنوں بھی وہ اکثر شہر کے سب

سے بے باک نقالوں اور سانگ کرنے والوں کو جمع کرتا اور ان کے ساتھ شراب خواری اور جھگڑ لڑنے میں اپنے سن و سال اور عالی مرتبے کا بھی کچھ لحاظ نہ رکھتا تھا حتیٰ کہ اہم امور میں جو اُس کی توجہ کے محتاج ہوتے، ہرج واقع ہوتا تھا۔ دسترخوان پر بیٹھ کر وہ متانت و ثقاہت کو بالائے طاق رکھ دیتا اور وہی سیلا جو دوسرے موقعوں پر گھڑنل کاروباری آدمی نظر آتا اور جس کے چہرے سے خشونت ٹپکتی تھی، شراب سامنے آتے ہی بے تکلف یاروں کے جلسے میں بالکل بدل جاتا اور معمولی گویوں اور نچنیوں سے گھل مل کے باتیں کرتا اور ہر ایک کی خوشی پوری کرنے پر آمادہ ہو جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اسی بے اعتدالی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کی طبیعت پر عیاشی غالب آگئی اور وہ نفس پرستی کا ایسا شکار ہوا کہ بڑھاپے میں بھی ضبط سے کام لینے کے قابل نہ رہا۔ ایک نقال متروبیوس کے ساتھ اس کا دیرینہ تعلق تھا۔ ابتدائی عشق بازیوں میں اُس نے ایک دولت مند مگر بازاری عورت، نیکوپولی سے بھی محبت کے پینگ بڑھائے اور کچھ اپنی جوانی کی ادا اور کچھ دیرینہ روابط کی بنا پر اسے ایسا موہ لیا کہ پھر وہ گویا عاشق ہوگئی اور مرتے وقت اپنی ساری دولت اُس کے نام وصیت کرگئی۔ اسی طرح ایک سوتیلی ماں کا جو اسے بہت عزیز رکھتی تھی، سارا ترکہ اُسے ملا اور ان اسباب سے وہ خاصا مال دار آدمی ہوگیا۔

ماریوس کی پہلی قنصلی میں وہ فوج کا بخشی منتخب ہوا اور جوگرتھا کی جنگ میں لی بیہ گیا، جہاں عام طور پر اس کی

تعریف ہوئی اور ایک اتفاقی موقع سے فائدہ اٹھاکر اُس نے چالاکی سے نومیدیہ کے بادشاہ بوکوس کو اپنا دوست بنا لیا۔ اس بادشاہ کے سفیر وہاں کے قزاقوں سے بھاگ کر آ گئے تھے، ان کی اس نے خاطر تواضع کی اور تحفے تحائف دے کر اُنھیں فوجی بدرقے کے ساتھ روانہ کیا۔ بوکوس اپنے داماد جُوگرتھا سے بہت دن سے خائف اور متنفّر تھا اور وہ رومیوں سے شکست کھاکر اسی کی پناہ میں آیا ہوا تھا مگر بوکوس انھی دنوں اس فکر میں تھا کہ اُسے دغا سے رومیوں کے حوالے کردے۔ سفیروں کے اس واقعے کے بعد اُسے یہ بہتر معلوم ہوا کہ براہِ راست داماد کو پکڑوانے کی بجائے سِیلا کو بُلاکر اُس کے ذریعے یہ کام کرائے۔ سیلّا نے ماریوس کو بوکوس کے پیام سے مطلع کیا اور اُس سے ایک فوجی دستہ لے کر شاہ نومیدیہ کے پاس پہنچ گیا۔ حال آں کہ یہ فعل خطرے سے خالی نہ تھا اور ایسے وحشی بادشاہ سے جو اپنے عزیز قریب کے ساتھ بے وفائی کرنے پر آمادہ ہو، کچھ بعید نہ تھا کہ خود سِیلّا کو گرفتار کرلے۔ چناں چہ جب یہ دونوں اس کے قابو میں آگئے تو وہ بہت دن تک اپنے دل میں یہ سوچ بچار کرتا رہا کہ کس کے ساتھ دغا کی جائے آخر پہلے ہی منصوبے پر چلنے کا فیصلہ کرکے اُس نے جُوگرتھا کو سِیلّا کے حوالے کر دیا۔

دشمن کے اس طرح ہاتھ آنے سے لڑائی فتح ہوگئی اور ماریوس کا رومہ میں جلوسِ فتح بھی نکلا لیکن اس سے حسد کرنے والوں نے اصل کام یابی ماریوس سے منسوب کردی جس پر سِیلّا نے

دل ہی دل میں بہت پیچ و تاب کھایا ۔ اور واقعہ یہ ہے کہ خود سیلا کے مزاج میں چھچھور پن تھا اور چوں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ادنا درجے اور گم نامی کی حالت سے نکل کر لوگوں میں مشہور و ممتاز ہوا لہٰذا اُسے اس قدر شہرت کی ہوس بڑھی کہ انتہائے خود نُمائی سے مذکورہ بالا واقعے کی تصویر اپنی مُہر پر کُھدوائی جسے وہ ساتھ لیے پھرتا اور آیندہ ہمیشہ اسی کو استعمال کرتا تھا ۔ تصویر میں بوکوس، اپنے داماد جوگرتھا کو حوالہ کرتے اور سیلا کو اپنی تحویل میں لیتے دکھایا گیا ہے ۔ اس نے ماریوس کو بہت برافروختہ کیا لیکن وہ سیلّا کو اپنی رقابت کے لائق نہیں سمجھتا تھا اور اسی لیے آیندہ بھی اپنی دوسری قُنصلی میں اُسے ایک دستے کا سردار پھر تیری بیوں بنا کر ساتھ لے گیا اور بہت سے کام لیتا رہا ۔ چناں چہ تکتوساگی قوم کا رئیس کوپی لوس اسی کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور مارسیوں کو جو خاصی بڑی اور طاقت ور قوم تھی، اسی نے رومیوں کی دوستی اور اتحاد پر مجبور کیا ۔ مگر کچھ عرصے کے بعد سیلّا نے دیکھا کہ ماریوس اس کے ساتھ حسد کرنے لگا ہے اور کارنمایاں دکھانے کے موقعے دینا نہیں چاہتا بلکہ اس کی ترقی میں حارج ہے، تو اُس نے ماریوس کے ساتھی قُنصل کاتولوس کی رفاقت اختیار کر لی جو نہایت شریف سپہ سالار تھا اگرچہ اس میں مستعدی کی کمی تھی ۔ اس حاکم کے تحت میں سیلّا کو بڑی بڑی خدمات تفویض ہوئیں اور وہ بہت جلد شہرت و اقتدار کے زینے پر چڑھنے لگا ۔ الپس کے وحشیوں کو اسی نے بہ زورِ شمشیر مطیع کیا اور فوج میں سامانِ رسد کی کمی ہوئی تو اس کا ذمّہ خود

اٹھاکر نہ صرف کاتولوس کے سپاہیوں کو افراط سے سامان بہم پہنچایا بلکہ ماریوس کی فوج کی بھی سربراہی کی ۔ اس بات نے ، جیسا کہ وہ تحریر کرتا ہے ، ماریوس کو دلی صدمہ پہنچایا اور یہی چھوٹی چھوٹی طفلانہ رقابتیں اور ابتدائی ادنا درجے کے قضیے تھے جو آیندہ خانہ جنگیوں اور خون خرابوں کے طولانی دور سے گزر کر تمام حکومت کی ابتری اور جابرانہ بادشاہی پر منتج ہوئی اور ثابت کر دیا کہ یوری پی دس نے ہوس جاہ کی نسبت جو تنبیہ کی اور لوگوں کو خبردار کیا ہے کہ اس جذبے کو قابو میں رکھیں جو اعلیٰ قوتوں میں شامل مگر اپنے پرستاروں کے حق میں سب سے بڑھ کر مخرب و مہلک ہے ، یہ قول کس قدر عاقلانہ اور سیاسی جسم کی بیماریوں سے کتنی اچھی تشخیص پر مبنی ہے ۔

اب سیلاؔ نے یہ سمجھ کر کہ میرے جنگی کارنامے مُلکی حکومت میں حصہ داری کا مستحق بنا چکے ہیں ، میر عدل کے عہدے کے لیے اپنا نام پیش کیا مگر انتخاب میں کامیابی نہیں ہوئی ۔ سیلاؔ نے اس ناکامی کا سارا الزام عوام کے سر تھوپا اور لکھا کہ وہ مجھے میر عدل سے پہلے سرہنگ بنانا چاہتے تھے کہ شاہ بوکوکس کی دوستی کے باعث میں سرہنگی کے زمانے میں افریقہ سے درندے طلب کرتا اور ان کے مقابلے اور شکار کے تماشے شہر والوں کو دکھاتا ۔ لیکن یہ محض شیخی کی باتیں اور جھوٹی تاویلیں ہیں جس کا سب سے اچھا ثبوت یہ ہے کہ دوسرے ہی سال لوگوں کی خوشامد درآمد کرکے اور کچھ رشوت کے زور سے وہ میر عدل منتخب ہوگیا ۔ اسی عہدے کے زمانے میں ایک بار

اس نے بگڑ کر سیزر سے کہا کہ میں تمھارے خلاف اپنے اختیارات سے کام لوں گا۔ سیزر نے شکرا کر کہا "بے شک آپ نے ان کو خریدا ہے اس لیے انھیں اپنا کہہ سکتے ہیں۔"

اس عہدے کی مدت ختم ہوئی تو وہ کپادوسیہ بھیجا گیا کہ اریوبارزن کو دوبارہ اپنی ریاست دلوائے لیکن اس ظاہری حیلے کی تہ میں اصل مقصد یہ تھا کہ شاہِ ممیت ری داتس پیشِ نظر رکھّی جائے جس کی بے چین طبیعت اور جنگی سرگرمیوں نے پھر اسے بہت بڑے علاقے اور سلطنت کا مالک بنا دیا تھا۔

سیلّا کے پاس اپنی کوئی بڑی فوج نہ تھی۔ لیکن حلیفوں کی دلّی امداد کی بہ دولت وہ کام یاب ہوگیا۔ کپادوسیہ کے بہت سے باشندے اور ان سے بھی زیادہ تعداد میں اُن کے ارمنی حلیف مارے گئے اور گوردیوس کو ملک سے نکال کر اریوبارزن کو حکومت پر بحال کر دیا گیا۔ ابھی وہ فرات کے کنارے مقیم تھا کہ شاہ ارساکس (= اشکان) کا پارتھی سفیر اوروبازو اُس کے پاس آیا۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ رومہ اور پارتھیہ میں ربط قائم ہوا۔ ہم اسے بھی سیلّا کی خوش بختی میں شمار کر سکتے ہیں کہ وہی پہلا رومی تھا جس کے ذریعے اہلِ پارتھیہ نے دوستی اور اتحاد کی درخواست کی۔ اسی ملاقات کا قصّہ بیان کیا جاتا ہے کہ سیلّا نے تین کرسیاں بچھوائیں۔ ایک اوروبازو کے لیے، ایک اریوبارزن کے واسطے اور بیچ میں تیسری کرسی پہ خود متمکّن ہوا۔ یہ کیفیت سُن کر بعد میں شاہ پارتھیہ نے اوروبازو کو قتل

کرا دیا ۔ لیکن رومیوں میں بعض لوگ سیلاّ کی تعریف کرتے تھے کہ عجمیوں کے ساتھ اس شان شوکت سے ملاقات کی اور بعض غرور اور بے جا خود نمائی کا الزام دیتے تھے ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اوروبازد کے عملے میں ایک کالدی (منجّم) سیلاّ کے چہرے کو بڑے غور و متانت سے دیکھتا اور جسم و مزاج کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کرتا رہا اور اس کی فطرت کا اندازہ کر کے اپنے اصول قیافہ شناسی کے مطابق یہ رائے ظاہر کی کہ ناممکن ہے کہ ایسا شخص سب سے بڑا آدمی نہ بن جائے ۔ بلکہ تعجب ہے کہ وہ اس وقت بھی کیوں کر سب کا سردار بن جانے سے رکا رہا !

سیلاّ کی وطن کو واپسی پر کن سوای نوس نے اس پر استحصال بے جا کا مقدمہ قائم کیا کہ وہ ایک دوست دار سلطنت سے اس قدر زر کثیر جبراً کیوں لایا ؟ لیکن پیشی کے وقت کن سوائی نوس کچہری میں حاضر نہ ہوا اور مقدمہ خارج ہوگیا ۔ اسی اثنا میں ماریوس کے ساتھ اس کی مخالفت کی آگ بھڑ بھڑ کنے لگی جس کا سبب بوکوس کی شہرت طلبی تھی کہ اہل رومہ کو خوش کرنے اور سیلا کی رضا جوئی کے لیے اس نے کچھ تحفے رومہ کے بالا حصار کے مندر جوپی تر کو بھیجے اور ان میں ایک طلائی مورت بھی تھی کہ جوگر تھا سیلاّ کے حوالے کیا جا رہا ہے ۔ ماریوس نے مشتعل ہوکر چاہا کہ ان تحائف کو باہر پھنکوا دے ادھر سے سیلاّ کے طرف دار اٹھ کھڑے ہوئے اور اس جھگڑے سے شہر بھر میں شورش و ہنگامہ برپا ہو جاتا اگر عین اسی وقت وہ ملکی جنگ یک بیک پورے

زور سے نہ بھڑک اُٹھتی جس کی چنگاریاں بہت دن سے اندر ہی اندر سُلگ رہی تھیں۔ اس واقعے نے سیلا اور ماریوس کے مناقشے کو پھر کچھ دیر کے لیے فرو کر دیا۔

اس جنگ میں بہت سے نشیب و فراز دیکھنے میں آئے۔ رومیوں پر سخت وقت گزرے اور بعض دفعہ ان کی سلطنت ہی معرضِ خطر میں پڑ گئی مگر ان معرکوں میں ماریوس کوئی نمایاں بہادری نہ دکھا سکا اور آخر میں اس بات کا صریحی ثبوت چھوڑ گیا کہ جنگی مہارت کے واسطے مضبوط اور جان دار جسم بھی ضروری ہے۔ برخلاف اس کے سیلا نے بہت ہی فتوحات حاصل کیں اور اپنے ہم وطنوں میں بڑا سپہ سالار مشہور ہوا۔ اس کے دوست تو اسے سب سے بڑا سپہ سالار بتاتے تھے مگر دشمن اسے سب سے خوش قسمت سمجھتے تھے۔ لیکن سیلا اس پر مطلق بُرا نہ مانتا تھا اور اس باب میں اس کا طرزِ عمل تی موطیوس ایتھنزی جیسا نہ تھا۔ جس کی نسبت مشہور ہے کہ حریفوں نے اس کے کارنامے خوش بختی سے منسوب کیے اور ایک تصویر بنوائی جس میں تی موطیوس کو سوتا دکھایا تھا اور تقدیر اس کے پہلو میں کھڑی شہروں کو کمند میں پھنسا رہی تھی، تو اس پر وہ بہت بگڑا گویا کامیابی کو تقدیر سے منسوب کرنے میں یہ لوگ اس کی لیاقت کو بٹہ لگاتے اور جس تعریف کا خود مستحق تھا، اس سے محروم کرنا چاہتے تھے۔ چناں چہ ایک مرتبہ جنگ سے واپس آ کر اُس نے لوگوں سے کہا کہ ”اے ایتھنز والو، اس (کامیابی) میں تقدیر کا کوئی دخل نہ تھا!“ یہ

ایک طفلانہ تمرّد کی بات تھی جس کا تقدیر کی دیوی نے یہ بدلہ لیا کہ عام روایت کے بموجب پھر وہ کوئی بڑا کام نہ کر سکا اور تقدیر نے ہر جگہ ناسازگاری کی۔ یہاں تک کہ اس سے اتنی بے اعتباری پیدا ہوئی کہ آخر کار خارج البلد کر دیا گیا۔ اس کے برعکس سیلّا اپنے کاموں کا انتساب تقدیر کی یاوری اور خدا کی مہربانی سے سُن کر بہت خوش ہوتا بلکہ خود انھیں خوبیٔ تقدیر سے منسوب کرتا تھا، خواہ اس میں اپنی بڑائی کرنا مقصود ہو یا واقعی تقدیر کی وساطت پر وہ ایسا ہی اعتقاد رکھتا ہو۔ اپنی سوانح میں بھی اس نے تحریر کیا ہے کہ مَیں نے جو کام خوبی سے انجام کو پہنچایا ہے، ان میں سب سے اچھے وہ نکلے جن کو عین وقت پر سوچے سمجھے بغیر محض ہمّت سے کر گزرا۔ پھر اپنے ذاتی خصائص میں بھی وہ جنگی قابلیت کی نسبت تقدیر کی مہربانی کو زیادہ سراہتا ہے اور مجموعی طور پر اپنے آپ کو ایک ربانی قوّت کا ساختہ پرداختہ بتاتا ہے۔ یہاں تک کہ متی لوس کے ساتھ جو اُس کا ہم عہدہ تھا، دوستی اور اپنی شادی تک کو خدا کی مہربانی کا کرشمہ محسوب کرتا ہے۔ کیوں کہ اس میں شک نہیں کہ اندیشہ تو یہ تھا کہ متی لوس بہت فسادی آدمی نکلے گا مگر اس کے ساتھ وہ نہایت آشتی پسند رفیق ثابت ہوا۔ سیلّا نے اپنی سوانح، لیوکولوس کے نام معنون کی ہے اور اُسے بھی تنبیہ کی ہے کہ کسی بات کو اتنا قابلِ اعتبار نہ سمجھے جس قدر کہ وہ ہدایت جو رات کو خدا کی طرف سے ملتی ہے۔ اس نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ جب مُلکی جنگ میں لڑنے کے لیے شہر سے چلا تو لاورنا کے قریب زمین شق ہوئی اور اندر سے آگ نکل پڑی جس کا ایک روشن شعلہ

آسمان کی طرف اڑتا نظر آیا۔ اس پر رمالوں نے حکم لگایا کہ کوئی اعلا اوصاف اور غیر معمولی صورت کا آدمی حکومت اپنے ہاتھ میں لے اور شہر کے مفسدوں کو فرو کرے گا۔ سیلا دعوا کرتا ہے کہ ایسا شخص خود وہ تھا کیوں کہ سر کے سنہری بالوں کی وجہ سے وہی غیر معمولی صورت کا آدمی تھا۔ پھر اپنے کارناموں کو گنوا کر وہ اپنے اعلا اوصاف اپنے منہ سے بیان کرنے میں بھی کوئی شرم نہیں کرتا۔ اس کے تقدیر پر اعتقاد کے بارے میں اسی قدر لکھنا کافی ہوگا۔

مجموعی طور پر دیکھیے تو وہ بہت ہی بے قاعدہ مزاج کا آدمی معلوم ہوتا ہے جس میں متضاد اوصاف تھے۔ غارت گری کا غلبہ تھا تو بخشش بھی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ جسے چاہتا، عزت بخشتا اور جسے چاہتا، بلا معقول وجہ کے ذلیل کر دیتا۔ جن سے کام پڑتا، ان کی بڑی لجاجت کرتا اور جن کا اس سے کام پڑتا، ان کے ساتھ نخوت سے پیش آتا۔ اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کی طبیعت میں غرور زیادہ تھا یا غلامی۔ سزا دہی میں بھی یہی بے اعتدالی تھی کہ بعض دفعہ معمولی خطا پر سخت اذیت کا حکم دیتا اور کبھی بڑے بڑے جرم صبر سے برداشت کر لیتا۔ دشمنوں کی بدترین عداوت کے بعد خوشی سے صلح و معافی دینے پر تیار ہو جاتا اور کبھی معمولی قصور پر موت اور اموال کی ضبطی کا حکم سناتا۔ اس کی نسبت ہم یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ حقیقت میں وہ ایک ظالمانہ انتقامی فطرت رکھتا تھا لیکن اپنا فائدہ سوچ کر ضبط سے کام لینا جانتا تھا۔ اسی ملکی جنگ میں سپاہیوں نے اس کے ایک نائب البی نوس نامی کو جو

میرِ عدل کے مرتبے کا آدمی تھا، پتھروں اور لٹھوں سے کچل کر مار ڈالا تو اتنے صریح جرم کی اس نے باز پرس تک نہ کی بلکہ بہ طور شیخی کہنے لگا کہ اب یہ سپاہی اپنی قانون شکنی کی تلافی کے لیے کوئی اچھا کارنامہ دکھائیں گے۔ لوگوں نے ہر چند انصاف کا مطالبہ کیا لیکن اُن کے شور غوغا پر اُس نے کوئی اعتنا نہ کی کیوں کہ اب ملکی جنگ ختم ہوتی نظر آتی تھی اور وہ ماریوس کو ہٹا کر میت ری دالس کی جنگ میں خود سپہ سالار بنائے جانے کا منصوبہ باندھ رہا تھا اور فوج والوں کی ہر طرح خاطر تواضع منظور تھی۔

روم کو واپس ہوا تو پہلی مرتبہ عمر کے پچاسویں برس میں قنصلی پر اُس کا انتخاب ہوا اور صدر پروہت رمتی لوسس کی لڑکی سسی لیہ سے شادی ہوئی جس کا خاندان نہایت ممتاز تھا۔ اس شادی کا عوام نے گیتوں میں طرح طرح سے مضحکہ اُڑایا اور لی وی کے بقول اُمرا بھی ناراض ہوئے کہ سیلا اس رشتے کا ہرگز اہل نہ تھا۔ حال آں کہ اُنھی نے اسے قنصلی کے مرتبے پر فائز کرایا تھا۔ سیلا کی یہ ایک ہی بیوی نہ تھی۔ بلکہ جوانی میں اس کی ای لیہ سے شادی ہوئی جس سے ایک لڑکی تھی۔ پھر ایک اور الیہ سے اور پھر کلی لیہ سے بیاہ کیا مگر اسے بانجھ ہونے کی بنا پر چھوڑ دیا اگرچہ عزت آبرو کے ساتھ، تحفے تحائف دے کر رخصت کیا۔ لیکن جب اسی واقعے کے بعد اُس نے متی لوس کی بیٹی سے شادی کی تو لوگوں کو شبہ ہوا کہ اُس نے

کلی لیہ پر بے وجہ الزام لگایا ہے۔ بہ ہر حال متی لوس کی بیٹی کے ساتھ وہ ہمیشہ احترام سے پیش آیا چناں چہ جب لوگ ماریوس کے حامیوں کو واپس بلانے کے آرزومند تھے اور سیلاّ نے انکار کر دیا تھا تو انھوں نے اپنی بیوی سسی لیہ متی لا سے شفاعت کرائی۔ اور ایتھنز والوں پر سیلاّ نے جو سختی کی، اس کا ایک سبب یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ محاصرے کے زمانے میں ان لوگوں نے شہر پناہ سے اس کی بیوی کا خاکہ اُڑایا تھا۔ مگر یہ قصہ اپنی جگہ پر آگے آئے گا۔

سیلاّ اپنے وسیع منصوبوں کے سامنے قُنصلی کو بھی خاطر میں نہ لایا اور بے صبری سے میت ری ڈاتی جنگ کے منصوبے بناتا رہا۔ یہاں اس کا حریف ماریوس تھا جو پیرانہ سالی کے باعث گزشتہ جنگ سے دست کش ہوا اور جس کا جسم بے قابو ہوا جاتا تھا، بہ ایں ہمہ شہرت کی پیاس اور قابلیت دکھانے کے مجنونانہ جوش میں کہ یہ جذبے کبھی افسردہ اور مُردہ نہیں ہوتے، اب اب بھی سمندر پار ایک بڑی جنگ میں سپہ سالاری پانے کی طمع رکھتا تھا۔ جس وقت سیلاّ لشکر گاہ میں گیا اور فوجی انتظامات میں مصروف تھا، اس وقت ماریوس اپنے گھر میں بیٹھا یہی فکر کر رہا تھا اور آخر وہ نفرت انگیز فتنہ اٹھا کر چھوڑا جس نے رومہ کو اتنا نقصان پہنچایا کہ اس کے سارے دشمنوں سے جو مجموعی نقصان پہنچا، وہ بھی نسبتاً کم تھا۔ اس ابتری کی خبر دیوتاؤں نے بھی پہلے سے دے دی تھی۔ مقدس قربان گاہ کے آتش دان

نے ایک شرارہ خود بہ خود بھڑک کر نکلا اور بہ مشکل بجھایا گیا۔ تین کوّے اپنے بچّوں کو شارعِ عام پہ لائے اور انھیں کھا گئے اور بچی کھچی ہڈیاں پھر اپنے گھونسلے میں لے گئے۔ ایک مندر میں تبرک کا سونا چوہوں نے کترا اور وہاں کے مجاوروں نے موش دان لگا کر ایک چوہیا کو پکڑا تو اس نے وہیں پانچ بچے جنے اور ان میں سے تین کو کھا گئی۔ مگر ان سب سے بڑھ کر ایک علامت یہ دیکھی گئی کہ ایک دن جب کہ مطلع بالکل صاف تھا، آسمان پہ تُرنا کی آواز سُنی گئی جو اتنی بلند اور زہرہ گداز تھی کہ لوگ حیرت و خوف سے کانپ اُٹھے۔ اِترُسکی فرقے کے حکما نے یقین دلایا کہ یہ خارق سارے عالم میں انقلاب کی دلیل ہی اور نیا جُگ بدلنے والا ہی۔ کیوں کہ اُن کے عقیدے میں آٹھ جُگ ہوتے ہیں اور ہر جُگ میں انسانوں کی خُو خصلت مختلف ہوتی ہی۔ اور جب ایک جُگ کا مقررہ زمانہ ختم ہوتا ہی تو زمین آسمان میں اس قسم کی خرق عادت نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں جن سے ان علوم کا مطالعہ کرنے والے نئے جُگ کی آمد کا اندازہ کر لیتے اور جان لیتے ہیں کہ دُنیا میں انسانوں کی ایک نئی نسل پیدا ہو رہی ہی جو رسم رواج اور زندگی کے طور طریق میں پچھلی نسل سے بالکل مختلف ہو گی اور دیوتاؤں کا بھی اس کے ساتھ سلوک مختلف ہوگا۔ ان کا قول ہی کہ جُگوں کے بدلنے پہ دوسرے بڑے تغیرات کے ساتھ ایک کرشمہ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہی کہ کہانت کا فن بڑی ترقی کر جاتا ہی اور خدا کی طرف سے ایسی صاف اور صریح نشانیاں بھیجی جاتی ہیں کہ

کاہنوں کے احکام اکثر صحیح نکلتے ہیں مگر دوسری ہی پشت میں یہ بات جاتی رہتی ہے اور کاہنوں کے سامنے دھندلی اور غیر یقینی علامتیں رہ جاتی ہیں جن کی وجہ سے ان کے اکثر احکام محض قیاسی رہ جاتے ہیں۔ لسّ گنّی کے عاقل ترین حکما کا مذہبی نظریہ یہی تھا۔ اُدھر مجلسِ عمائد کا بلونا دیوی کے مندر میں اجلاس ہو رہا تھا اور اُن کے خوارق کی نسبت رومی فال گویوں سے مشورے کیے جا رہے تھے کہ اتنے میں ایک چڑیا چونچ میں ایک ٹڈا لیے آئی جس کا آدھا ٹکڑا وہیں گر گیا اور آدھے کو وہ لیے ہوئے باہر اُڑ گئی۔ معبّروں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ ٹڈے سے شہری آبادی مراد ہے جو بہت اُچھلتی کودتی اور باتیں بناتی ہے اور چڑیا سے غالباً کھیتوں والے یعنی بڑے زمین دار مراد ہیں۔ اور یہ واقعہ علامت ہے کہ آئندہ بڑے زمین داروں اور شہری آبادی میں سخت کش مکش اور فساد برپا ہوں گے۔

اُس وقت ماریوس نے وکیلِ عوام سلپی کیوس کے ساتھ رشتۂ اتحاد جوڑا۔ اُس کا حرم زدگی میں جواب ہی نہ تھا لہٰذا یہ سوال تو پیدا نہ ہوتا تھا کہ وہ فلانے سے شرارت میں بڑھ گیا البتہ لوگ یہ سوچا کرتے تھے کہ خود اپنی شرارت میں وہ پہلے کی نسبت کتنا بڑھ گیا۔ وہ سفّاک، دلیر اور حریص تھا اور ان جملہ اوصاف میں اوّل درجے کے بے شرم و بے باک۔ رومہ کے شہری حقوق علانیہ پردیسیوں اور غلاموں کے ہاتھ بیچتا تھا اور ہمیں چوک میں سرکاری تجوریوں پر روپیہ گن گن کر وصول کرتا تھا۔ تین ہزار

اہلِ سیف اپنے ساتھ رکھتا تھا اور شہ سوار (یعنی متوسط) طبقے کی ایک جماعت بھی ہمیشہ تیار رہتی تھی کہ اُس کے اشارے پر کام کرے ۔ اس فوجی جمعیت کو وہ "عمائد شکن" موسوم کرتا تھا ۔ ایک قانون یہ وضع کیا تھا کہ مجلسِ عمائد کا کوئی رُکن دو ہزار دراکما (= درہم) سے زیادہ قرض نہ لے مگر خود جب مرا تو تیس لاکھ کا مقروض تھا ۔ یہ شخص تھا جسے ماریوس نے قومی حکومت پر لہکا دیا اور جس نے تمام آئین و مصالح کو اپنی زبردستی اور تلوار کے زور سے اُلٹ پلٹ کرکے من جملہ دوسرے خطرناک قوانین و ضوابط کے ایک حکم یہ جاری کیا کہ میت ری داتس کی جنگ کا انتظام ماریوس کے ہاتھ میں دیا جائے ۔ جب یہ حکم سیلا اور اُس کے ساتھی قنصل پوم پیوس کے پاس پہنچا جو کاستور کے مندر کے قریب اجلاس کر رہے تھے تو اُنھوں نے تمام سرکاری کام روک دینے کا اعلان کیا (تاکہ وہ حکم نافذ ہو سکے) مگر سل پی کیوس نے عوام کو بھڑکا کر ان قنصلوں پر بھی حملہ کرا دیا ۔ پوم پیوس کا نوجوان بیٹا اسی بلوے میں مارا گیا اور خود وہ مشکل سے عوام کے ہاتھ سے بچا ۔ اسی طرح سیلا کا عوام نے ماریوس کے گھر تک پیچھا کیا اور اسے زبردستی لاکر التوا کی کارروائی منسوخ کرائی ۔ تب سل پی کیوس نے پوم پیوس کو قنصلی سے معزول اور سیلا کو اپنے عہدے پر اس شرط کے ساتھ رہنے دیا کہ میت ری داتس کی جنگی مہم ماریوس کے حوالے کر دی جائے گی ۔ پھر فوراً چند عامل نولا روانہ کیے کہ وہاں رومی لشکر کا جائزہ لے کر اُسے

ماریوس کے پاس سے آئیں لیکن اس عرصے میں سیلا بچ کر نکلا
اور لشکر گاہ میں پہلے سے جا پہنچا تھا۔ سپاہیوں نے جب ساری
حقیقت سُنی تو شہر کے عاملوں کو سنگ سار کر دیا جس کے بدلے
میں مارِیوس نے شہر کے اندر سیلا کے دوستوں کو تلوار کے
گھاٹ اُتارا اور اُن کا مال اسباب چھین لیا۔ لوگ اِدھر سے اُدھر
فرار ہونے لگے۔ بعض لشکر گاہ چھوڑ کر شہر میں آئے اور بہت
سے شہر چھوڑ کر لشکر کی طرف بھاگے۔ مجلسِ عمائد کی آزادی
مسلوب اور وہ بالکل مارِیوس و سل پی کیوس کے حکم کی پابند
ہو گئی تھی۔ اس نے سیلا کا فوج لیے ہوئے شہر کی طرف
بڑھنا سُنا تو گھبرا کر دو میر عدل روانہ کیے کہ اُسے قریب آنے سے
روکیں۔ اُنھوں نے سیلا سے جس دلیرانہ انداز میں باتیں کیں،
اس پر بھڑک کر سپاہی تیار ہو گئے تھے کہ اُن کا وہیں خاتمہ کر ڈالیں
لیکن یہاں تک نوبت نہ آئی اور اُنھوں نے اِن عدالتی حاکموں
کا عصا توڑ ڈالنے اور قرمزی کناروں کا چُغہ پھاڑنے پر قناعت
کی۔ پھر بہت کچھ گستاخی اور تہدید کے بعد انھیں واپس شہر
جانے دیا۔ یہاں پہنچ کر اُنھوں نے اعلان کیا کہ اب مخالفت
اس نوبت پر پہنچ گئی ہے کہ ظاہراً کسی مصالحت کی گنجایش باقی نہیں۔
لوگوں کو اپنے حاکمانِ عدالت کو اس حال میں دیکھ کر کہ ان کے چُغے
تک پھاڑ دیئے گئے تھے، نہایت ملال ہوا۔ مارِیوس نے
لڑائی کی تیاریاں کیں اور اُدھر سے سیلا اپنے ساتھی قنصل کے
ساتھ نولا سے پورے چھ ۶ جیش لیے ہوئے بڑھا جو سب کے سب

آمادہ تھے کہ سیدھے شہر میں گھس جائیں۔ اگرچہ خود سیلا ابھی تک مُذبذب اور اندیشہ مند تھا۔ لیکن جب اُس نے قربانی کی اور پوس تومیوس فال گو نے جانور کی انتڑیاں دیکھیں تو دونوں ہاتھ سیلا کی طرف پھیلا کر درخواست کی کہ "مجھے رسیوں میں باندھ کر اس جنگ کے خاتمے تک قید میں ڈال دو کہ اگر تم کو کامل و عاجل فتح نہ ہو تو جو چاہو سزا دینا۔" کہتے ہیں خود سیلا کو خواب میں چاند کی دیوی یا بقول بعض بلونا نظر آئی جس نے برق و رعد کو اس کے ہاتھ میں دیا اور نام بہ نام دشمنوں کو گِنا کر کہا کہ ان پر وار کر۔ پھر حملہ کرتے ہی وہ سب گراے اور غائب ہو گئے۔ اس خواب سے سیلا کی اور ہمت بندھی اور اپنے ساتھی سے اس کا حال بیان کر کے دوسرے دن اُس نے رومہ کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔ موضع پکی نی کے قریب ایک وفد اس سے ملا اور التجا کی کہ اسی کوچ کے جوش میں بڑھتے بڑھتے شہر پر نہ جا پڑے۔ کیوں کہ مجلس عمائد نے فیصلہ کیا ہے کہ سب کام اس کے حسب مُراد کیے جائیں گے۔ چناں چہ سیلا وہیں پڑاؤ ڈالنے پر رضامند ہوگیا اور اپنے سرداروں کو لشکر گاہ بنانے کے لیے زمین کی پیمایش و دُرستی وغیرہ کا حُکم دیا۔ اہلِ وفد بھی مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔ لیکن ان کے جاتے ہی اُس نے دو سرداروں کو شہر پناہ اور بڑے دروازے پر اپنا پہرا قائم کرنے کے لیے روانہ کیا۔ پھر خود بھی ساری فوج کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے تیز تیز آگے بڑھا۔ اس کا ایک سردار شہر میں تو بلا مزاحمت داخل ہوگیا تھا۔

لیکن اندر غیر مسلح عوام نے اس پر مکانوں کی کھپریل اور پتھروں کی ایسی بارش کی کہ وہ فصیل کی طرف پسپا ہوا۔ اس عرصے میں سیلاؔ بھی پہنچ گیا۔ اور یہ کیفیت دیکھ کر فوج کو حکم دیا کہ مکانوں میں آگ لگا دو۔ بلکہ ایک جلتی مشعل لے کر خود آگے آگے ہو لیا اور تیر اندازوں سے کہا کہ نفطہ کے خدنگ چھتوں پر برسا دیں۔ ان باتوں کو پہلے سے اُس نے نہیں سوچا تھا بلکہ محض وقتی اشتعال میں ایسا کیا اور پھر سب کو اپنا دشمن تصوّر کر کے عزیز، آشنا کا لحاظ یا رحم کیے بغیر بہ زورِ آتش شہر میں گھس پڑا۔ اور ظاہر ہے کہ آگ دوست دشمن میں کوئی تمیز نہیں کرتی۔

اس مجادلہ میں ماریوس کو "دھرتی ماتا" کے مندر میں پسپا ہونا پڑا۔ یہاں اُس نے غلاموں کو آزادی کا اعلان کر کے تعاون کی دعوت دی لیکن حریف نے اسے آدبایا اور وہ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ سیلاؔ نے مجلسِ عمائد کا جلسہ طلب کیا اور ماریوس کے گردن زنی ہونے کا فیصلہ کرایا۔ چند اور اشخاص بھی سزائے موت کے مستوجب قرار دیے گئے جن میں وکیلِ عوام سل پی کیوس بھی تھا۔ اُسے خود اُس کے غلام نے پکڑوا دیا۔ اس کے قتل کے بعد سیلا نے غلام کو پہلے آزادی دی، پھر تارپیہ کی پہاڑی سے سر کے بل گرا کے مروا دیا۔ ماریوس کا سر لانے پر اس نے انعام کا اعلان کرایا حال آں کہ یہ بات سیاسی اعتبار سے مناسب تھی نہ اخلاقاً اسے زیب دیتی تھی کہ چند روز پہلے اپنی جان بچانے کو اسی ماریوس کے گھر میں اُس نے پناہ لی اور

اسی کی بہ دولت سلامت رہا۔ ورنہ ماریوس اسے گھر سے بہ حفاظت باہر نہ بھیج دیتا اور سل پی کیوس کے ہاتھوں قتل ہونے دیتا تو سارے اقتدار کا مالک بھی ہو جاتا لیکن یہ جانتے بوجھتے بھی اُس نے سیلا کی جان بچائی اور اب جب ماریوس پر ویسی ہی مصیبت پڑی تو بھلائی کا یہ معاوضہ اُسے ملا۔

ان حرکتوں سے اہلِ مجلس تو دل میں سیلا سے ناراض ہوئے مگر عوام الناس کا غصہ اور ناراضی چھپ نہ سکی بلکہ اُن کے افعال سے ظاہر ہوگئی۔ سیلا کے بھتیجے نونیوس اور ایک خاص رفیق سرویوس کو انھوں نے ذلت کے ساتھ نامنظور کیا اور ان کی بجائے دوسرے اشخاص کا سرکاری عہدوں پر انتخاب کرلیا جس سے سیلا کو جلانا مقصود تھا۔ مگر اُس نے بناوٹ سے اپنی رضامندی ظاہر کی گویا اُس کے وسیلے سے لوگوں کو حسب منشا کام کرنے کی دوبارہ پوری آزادی مل گئی ہی۔ پھر جمہور کا غصہ فرو کرنے کی خاطر ہی، اپنے مخالفین میں سے ایک شخص لوسیوس سینا کو اپنے ساتھ قنصلی کے عہدے پر فائز کیا اگرچہ پہلے بڑی بڑی قسمیں کھلوائیں کہ وہ سیلا کے موافق منشا کام کرے گا۔ سینا نے بالا حصار کے اوپر چڑھ کر حلف لیا اور ایک پتھر ہاتھ میں اُٹھا کر یہ سراپ دیا کہ "اگر میں سیلا کی دوستی سے انحراف کروں تو جس طرح یہ پتھر میرے ہاتھ سے نکلا، میں شہر سے نکال باہر کیا جاؤں"۔ اور یہ کہہ کر بہت سے لوگوں کے سامنے وہ پتھر اپنے ہاتھ سے گرا دیا۔ بہ ایں ہمہ عہدے کا کام سنبھالتے ہی اُس نے یہ تصفیہ بالائے طاق

رکھ دیا اور عوام کے وکیلوں میں سے ایک شخص ورجی نیوس نامی کو سیلّا کے خلاف مقدمہ چلانے پر آمادہ کیا لیکن سیلّا اسے اور اس کی قانونی عدالت کو چھوڑ کر خود میت ری داتس سے لڑنے روانہ ہوگیا۔

اس کی اطالیہ سے فوج کشی کے وقت میت ری داتس نے بہت سے شگون دیکھے۔ مثلاً ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ فتح کی دیوی کے ہاتھ سے ایک کل کے ذریعے اسے تاج پہنایا جا رہا تھا کہ سر کے قریب پہنچتے پہنچتے وہ زمین پر گرا اور لڑھکتا ہوا وسط ایوان میں پہنچ کر ٹوٹ گیا۔ جس سے یہ بادشاہ اور شہر پرگاموس کے لوگ (جہاں یہ رسم ادا کی جا رہی تھی) بہت خوف زدہ ہوئے حالاں کہ اس وقت میت ری داتس کی قوت بڑے عروج پر تھی اور ایشیائے کوچک کا پورا علاقہ اس نے رومیوں سے اور بتھی نیہ اور کپادوسیہ ان کے بادشاہوں سے چھین لیے تھے وہ خود پرگاموس کو پائے تخت بنا کر دولت و ریاست اپنے دوستوں میں تقسیم کر رہا تھا اور اس کا ایک فرزند اگر پونتوس و بوس پورس میں متمکن تھا تو دوسرا تھریس و مقدونیہ میں مصروف کشور کشائی تھا۔ اس کے سپہ سالار بھی دوسرے ممالک میں فتح و نصرت کے ڈنکے بجا رہے تھے خصوصاً امیر البحر ارکلوس نے جزائر یونان کو لوٹ کر خاص ایتھنز میں اپنا مستقر بنایا اور یوبیہ اور تھسالیہ تک برابر بڑھتا چلا گیا۔ یونانی ریاستوں کو روما کے اثر سے آزاد کرایا اور ان اقدامات میں سوائے خیرونیہ

کے ہر جگہ کام یابی پائی۔ البتہ اس ریاست میں بروتیوس سُورا نے تین بار اسے شکست دی اور ساحل کی طرف پسپا کر دیا۔ یہ بروتیوس، مقدونیہ کے رومی والی کا نائب تھا اور اس کی بہادری کی بہ دولت یونان ایک نئے انقلاب کی طرف مائل ہوگیا تھا کیوں کہ اس کی کام یابیاں توقع سے کہیں بڑھ گئی تھیں مگر اس زمانے میں اسے حکم ملا کہ اپنا کام سیلاؔ کے حوالے کر دے جسے جنگ کا تمام انتظام تفویض ہوگیا تھا۔ بہ ہر حال بروتیوس بڑے شان دار کارنامے دکھا گیا۔

سیلاؔ کے یونان پہنچتے ہی تمام شہروں نے وفود بھیج کر اس کی اطاعت کا اقرار کیا، بہ جز ایتھنز کے، جہاں جابر ارس تیون مسلط تھا اور اُسی کے جبر سے شہر والے میت ری داتس کی اطاعت کا دم بھرتے رہے۔ سیلاؔ نے بڑھ کر شہر اور بندرگاہ پی رِئیوس کو گھیر لیا اور حملہ کر کے لینے کی تدبیریں شروع کیں۔ بہ حالے کہ وہ اگر صبر سے کام لیتا تو شہر بغیر کسی کش مکش کے ہاتھ آجاتا کیوں کہ وہاں مایحتاج زندگی کا قحط پڑ گیا تھا اور اہلِ شہر پر فاقے کی نوبت آچکی تھی۔ لیکن سیلاؔ کو رومہ جانے کی پڑی تھی کہ وہاں کوئی نیا فساد نہ کھڑا ہو جائے لہذا ہر قسم کا جوکھوں لے کر، مسلسل جنگ اور صرفِ کثیر کے ساتھ لڑتا رہا۔ علاوہ اور ساز و سامان کے دس ہزار جوڑیاں خچر کی تھیں جو سنگ باری کے واسطے روزانہ فوج کے کام میں لگی رہتی تھیں۔ جب شہتیروں کی کمی پڑی کہ بہت سی منجنیقیں بیکار ہوگئیں، بعض

اپنے بوجھ سے گر کے ٹوٹ گئیں ، اور بعض دشمن کے برابر آگ (نفط) برسانے سے جل اُٹھیں تو سیلّا نے مذہبی مقامات سے چوبی سامان حاصل کیا۔ اور اکادمی اور لی سیوم کے درختوں تک کو کٹوا دیا۔ ایتھنز کی نواح میں اکادمی سب سے سایہ دار محلہ تھا۔ اسی طرح جنگی مصارف کے لیے اس نے یونان کے مشہور مندر اپی دوروس اور اولم پیہ کے بیش بہا تبرکات لینے میں بھی باک نہ کیا۔ ڈلفی کی مذہبی مجلس کو خط لکھا کہ دیوتا کا جو خزانہ اُن اُن کی تحویل میں ہے، وہ میرے حوالے کر دیا جائے تاکہ زیادہ محفوظ رہے اور اگر میں اسے کام میں لاؤں گا تو بعد میں پوری طرح ادا بھی کر دوں گا۔ یہ پیغام کافلیس نامی سیلّا کا یونانی ندیم ڈلفی لے گیا تھا۔ سیلّا کا حکم تھا کہ زر و سیم تول کر لیا جائے۔ مگر کافلیس اہلِ مجلس کے سامنے آ کے رونے لگا کہ ایسی نوبت آئی اور خزانے کو ہاتھ لگانے سے گھبراتا تھا۔ اتنے میں کسی نے کہا کہ مندر کے اندر سے رباب کے بجنے کی آواز آئی، تو کافلیس کو یا تو واقعی یقین آگیا اور یا محض سیلّا پر اثر ڈالنے کی غرض سے اس نے فوراً ایک ہرکارا دوڑایا۔ مگر جواب میں اُس نے ازرہِ تمسخر کہا کہ تعجب ہے کافلیس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ موسیقی خوشی کی علامت ہے نہ کہ ناراضی کی۔ لہذا وہ بے کھٹکے خزانے میں جائے اور ایسا بے غل و غش دینے والا فیّاض دیوتا جو کچھ عطا فرمائے، اُسے ہاتھوں ہاتھ وصول کرے۔

اور بہت سے تبرکات بھی یونانیوں کی طرف سے سیلّا کو

پہنچائے گئے جن کی عام طور پر کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ لیکن چاندی کا ایک بڑا سبو جو شاہی عطیات میں باقی رہ گیا تھا، اس قدر بڑا اور وزنی تھا کہ کسی گاڑی میں نہ سمایا اور توڑ کر بھیجنا پڑا۔ اس وقت مجلسِ دلفی کے ارکان کو یہ بات بھی یاد آئی کہ سابقہ رومی سپہ سالاروں کا طرزِ عمل کس قدر مختلف رہا تھا۔ ان میں سے بعض نے تو ان تیوکوس کو یونان سے نکالا اور بعض نے مقدونی بادشاہوں کو مغلوب کیا لیکن کسی نے یونانی مندروں پر دست درازی نہیں کی بلکہ اپنی طرف سے نذرانے پیش کیے اور ان کے اعزاز واکرام اور عوام کی عقیدت مندی میں اضافے کا باعث ہوئے۔ وہ قوم کے باقاعدہ انتخاب کیے ہوئے سردار تھے اور ان کے ماتحت سپاہی بھی اطاعت گزار و معتدل مزاج تھے۔ وہ سادگی سے زندگی بسر کرتے اور مقررہ معمولی مصارف سے آگے قدم نہیں بڑھاتے تھے۔ ان کے نزدیک دشمن سے ڈرنا بھی اس قدر شرم ناک بات نہ تھی جس قدر عوام کی خوشنودی حاصل کرنا۔ لیکن اب جو دَور آیا اس میں سپہ سالاری، اوصاف کی وجہ سے نہیں، بلکہ زور زبردستی سے حاصل کی جاتی تھی اور قومی دشمنوں کی بجائے اپنے ہم قوموں ہی سے لڑنے کے لیے فوج کی ضرورت ہوتی تھی۔ ایسی فوج مہیا کرنے اور لڑانے میں قانون اور ضابطے کی خلاف ورزی بھی جائز رکھنی پڑتی تھی اور سپاہیوں کی اُجرت اتنی بڑھا چڑھا کر دینی پڑتی تھی کہ خود قومی حکومت کے کوڑے ہونے کی نوبت آگئی اگرچہ ان حُکّام کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ اسی طرح اپنے سے بہتر اشخاص

پر غلبہ حاصل کرنے کی خاطر، ایسے لوگوں کی غلامی اختیار کرنی پڑی جو نہایت رذیل تھے۔ اسی قسم کی حرکتیں تھیں جن کی بہ دولت ماریوس کو جلا وطنی نصیب ہوئی اور جن سے وہ دوبارہ سیلا کے خلاف چڑھ کر آیا۔ انھی حرکتوں نے سینا کو اکتاویوس کا اور فم بریا کو فلاکوس کا قاتل بنایا۔ ان میں سیلا کا حصہ کسی سے کم نہ تھا۔ کیوں کہ دوسرے سپہ سالاروں کے آدمی توڑنے کی غرض سے وہ خواہی نہ خواہی اپنے سپاہیوں کے ساتھ مسرفانہ فیاضی برتتا تھا۔ اس طرح دوسروں کو غداری کی طمع دلاتا اور اپنے ماتحتوں کو عیاشی سکھاتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ خود ہر وقت زر کثیر کا ضرورت مند رہتا۔ اس محاصرے کے موقع پر تو یہ ضرورت بہت ہی بڑھ گئی تھی۔

اسے ایتھنز فتح کرنے کی دھن لگ گئی تھی۔ جس کا سبب یا تو یہ تھا کہ اس قدیم شہر کی شہرت (حال آں کہ اب اس میں کچھ باقی نہ رہا تھا) سیلا کے دل میں رشک و حسد کو بھڑکاتی تھی اور یا محض طیش کی وجہ سے وہ اسے تسخیر کرنے پر تل گیا تھا کیوں کہ شہر کا حاکم جابر ارس تیون روزانہ شہر پناہ پر آتا اور روزانہ تمسخر کی حرکتوں اور فحش الفاظ اور گالیوں سے اسے اور اس کی بیوی میتی لا کو مشتعل کرتا رہتا تھا۔ یہ ارس تیون ظلم و شرارت کا پتلا تھا۔ شاہ میت ری دانتس کی تمام بدترین مریضانہ عادتیں اس میں جمع ہو گئی تھیں۔ وہ حقیقت میں ایک وبال یا سخت قسم کا مرض تھا اور اسی سے شہر ایتھنز کی موت بدی تھی جس نے فتنہ و فساد، جنگ و جدال اور جبر و جور کے پہلے بھی بہت سے جھٹکے جھیلے تھے۔ ایسے وقت میں جب کہ چند سیر گیہوں کی قیمت

ہزار درہم پہنچ گئی تھی، لوگ قلعے کے آس پاس کی جڑی بوٹیاں کھا کھا کر گزارہ کر رہے تھے اور جوتے اور تیل کے مشکیزے پانی میں اُبال اُبال کر پیٹ بھرتے تھے، یہ ظالم امیر دن دہاڑے عیش و نشاط میں مصروف تھا۔ ہتھیار سجاکر ناچ ناچتا اور دشمن کا خوب مذاق اُڑاتا تھا۔ شہر کی دیوی کا مقدس چراغ تیل کے نہ ہونے سے خاموش ہوگیا اور بڑی پجارن نے چند مُٹھی گیہوں طلب کیے تو اس نے اتنی مقدار مرچوں کی بھجوادی۔ بڑے بڑے عمائد اور مذہبی پیشوا اس کے پاس التجا لائے کہ وہ شہر والوں پر رحم کرے اور سیلاؔ سے صلح کی گفتگو کرے تو اس نے ان پر تیر باری کرا کے منتشر کرادیا۔ پھر جب بہت شور و غوغا کے بعد اس پر راضی بھی ہوا تو اپنی بزمِ عیش کے چند رفیقوں کو گفتگو کے لیے روانہ کیا جنھوں نے صلح کی معقول شرطیں پیش کرنے کی بجائے شہر کے بزرگانِ سلف کی مدح و ثنا میں تقریریں کیں۔ سیلاؔ نے جواب میں کہا کہ "دوستو! اپنی تقریریں رہنے دو اور یہاں سے تشریف لے جاؤ۔ مجھے دومیو) نے ایتھنز بھیجا ہی، درس لینے کی غرض سے نہیں بلکہ باغیوں کو مغلوب کرنے کے واسطے۔"

اسی زمانے میں اسے خبر ملی کہ شہر کے بعض بڑے بوڑھے ارستیون کی مذمت کر رہے تھے کہ اس نے ہپتاکاں کوم کے راستوں کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام نہیں کیا ہی۔ سیلاؔ نے اس خبر سے فائدہ اٹھایا اور رات کے وقت خود جاکر وہ مقام دیکھا۔ واقعی اُدھر سے حملہ ہوسکتا تھا۔ چناں چہ اُس نے فوری تدابیر اختیار کیں۔

اور اپنی سوانح میں لکھتا ہے کہ پہلا شخص جو فصیل پر چڑھا، مارکوس تی اُس تھا۔ اُس نے پہرے دار کے سر پر سنگین ماری مگر وہ خود سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی۔ تاہم تی اُوس نے اُسے پکڑے رکھا اور اس میں شک نہیں کہ شہر اسی جانب سے تسخیر ہوا جیسا کہ ایتھنز کے بڑے بوڑھوں میں روایت چلی آتی ہے۔

جس وقت رومیوں نے پائی ری اور مذہبی دروازوں کے درمیان کی فصیل توڑ کر زمین کے برابر کر دی تو آدھی رات کے وقت سیلّا، قرنا اور نرسنگھوں کے خوف ناک شور اور فوج کے فاتحانہ نعروں کے ساتھ یہیں سے شہر کے اندر داخل ہوا اور سپاہیوں کو قتل و غارت گری کے لیے چھوڑ دیا جو ننگی تلواریں لیے گلی کوچوں میں گھس گئے۔ مقتولوں کا کوئی شمار نہ ہو سکا۔ آج تک ان کا تخمینہ میدان کی وسعت سے (جس میں خون بہا تھا) کیا جاتا ہے کیوں کہ دوسرے محلوں کو چھوڑ کر خود چوک کے آس پاس جو خون بہا وہ سارے بازار کرامی کوس میں سے گزر کر دُہرے دروازے سے شہر کے باہر مضافات تک پہنچ گیا تھا۔ پھر جو ہزاروں لوگ اس طرح مارے گئے ان سے بھی زیادہ تعداد ایسے مقتولوں کی تھی جنھوں نے یہ سمجھ کر کہ اب ان کے وطن کا خاتمہ ہو، اس کی محبت یا غم کے باعث خود کشی کر لی۔ ان میں بہترین اشخاص وہ تھے جنھیں آزادئ وطن کی طرف سے مایوسی تھی اور چوں کہ سیلّا سے کسی انسانیت اور نرمی کی توقع نہ رکھتے تھے لہٰذا اس ڈر سے کہ کہیں ایتھنز کے بعد زندہ نہ پکڑے جائیں، انھوں نے خود کو ہلاک کر لیا۔ آخر کار کچھ تو جلا وطن میدیاس اور کالی فون کے کہنے سے

جو سیلا کے پانوں پر گر گر ملتجی ہوئے اور کچھ اُن رومی عمائد کی شفاعت سے جو لشکر کے ساتھ تھے۔ اُس نے کافی انتقام لینے کے بعد ہاتھ روکا۔ قدیم اہلِ ایتھنز کی تعریف میں چند کلمے کہے اور کہا کہ "ان چند نفوس کی خاطر ان بہت سوں کو اور مُردوں کے صدقے میں زندوں کو معاف کرتا ہوں"۔ ایتھنز کی تسخیر خود سیلا کی تحریر کے مطابق ماہ مارچ کے پہلے ہفتے میں ہوئی اور یہ یونانیوں کے قمری مہینے ان تس تریون کی پہلی تاریخ کے قریب کی تاریخ تھی جب روز اہلِ ایتھنز قدیم سے طوفانِ کبیر کی تباہی اور بربادی کی یادگار منایا کرتے تھے کیوں کہ ان کے خیال میں یہ طوفان اسی تاریخ آیا تھا۔

شہر کی تسخیر کے وقت ارس تیون بھاگ کر بالاحصار میں پناہ گزیں ہوا اور ایک رومی سردار کیوریو مقرر کیا گیا کہ اس کا محاصرہ کرے۔ ایک عرصے تک محصور رہنے کے بعد آخر میں جب پانی بالکل نہ رہا تو ارس تیون نے مجبور ہو کر اپنے آپ کو کیوریو کے حوالے کر دیا اور اسی کے ساتھ غیبی قوت نے ظاہر کر دیا کہ اس گرفتاری میں خدائی امداد شامل تھی۔ اس لیے کہ عین اسی ساعت جب کیوریو اسے نیچے لے جا رہا تھا بادل گھر کر آئے اور خوب مینہ برسا اور بالاحصار میں پانی ہی پانی بھر گیا۔

اس کے کچھ روز بعد ہی سیلا نے پی ریوس فتح کر کے اس کے بڑے حصے کو آگ لگا دی۔ اسی آتش زنی میں فیلو کا سلاح خانہ جلا جو بڑی خوش نما عمارت مانی جاتی تھی۔ پھر سیلا یہ سُن کر کہ ٹیسارہی دانش کا سپہ سالار تاشی لس ایک بڑا لشکر لیے ہوئے مقدونیہ سے آ رہا ہے جس میں ایک لاکھ پیادہ ، دس ہزار سوار ا

نوے جنگی رتھ ہیں اور اُن کے پہیوں میں درانتیاں بندھی ہیں، انی کا چھوڑ کر بیوشیا کے علاقے میں چلا آیا جہاں سامانِ رسد آسانی سے مل سکتا تھا اور اسے تھسالیہ سے اپنے ایک بہادر اور مستعد سردار ہورتن سیوس کے آملنے کا بھی انتظار تھا۔ ہمارے ایک ہم وطن کافیس نے ایک ایسے راستے سے جس کی عجمی حملہ آوروں کو خبر نہ تھی، ہورتن سیوس کو تی تھورا تک پہنچا دیا۔ یہ اس وقت کوئی بڑی بستی نہ تھی محض ایک قلعہ تھا اور زرکسیز ایرانی کی یلغار کے وقت بھی اہلِ فوکیس نے اسی میں پناہ لی اور اپنا مال اسباب اور جانیں بچائی تھیں۔ ہورتن سیوس نے رات یہیں گزاری اور دن کو بہت دشوار گزار راستوں سے اُتر کے سیلاؔ سے جا ملا جو خود اس کی پیشوائی کے لیے آیا۔ جب یہ دونوں فوجیں یک جا ہوگئیں تو اُنھوں نے الاتیہ کے میدان کے وسط میں ایک سرسبز پہاڑی پر خیمے ڈالے جس کے دامن میں سیرابی اور سایہ دار درخت تھے۔ اس جگہ کا نام فی لوبیوتوس ہے اور اس کے محلِ وقوع اور قدرتی خوبیوں کی سیلاؔ نے بڑی تعریف لکھی ہے۔

یہاں انھوں نے پڑاؤ ڈالا تو غنیم کو وہ بہت کم تعداد نظر آئے اور حقیقت میں ان کے پیادے پندرہ ہزار سے بھی کم تھے اور سوار ڈیڑھ ہزار سے زیادہ نہ تھے۔ اِدھر تاشی لس سے اب میت ری داتس کا مشہور حلیف ارکلوس بھی فوج کثیر لے کر آملا تھا۔ اور ان کی سوار و پیادہ فوج اور جنگی رتھوں نے سارے میدان کو اپنی صفوں سے بھر دیا تھا۔ مختلف قوموں کے جنگی نعرے زمین آسمان کو سر پر

اٹھاتے لیتے تھے اور ان کے شان دار لباس و اسلحہ رعب ڈالنے کا کام ضرور کرتے تھے ۔ زرہ بکتروں کی چمک جن پر سونے چاندی کی قلعی کی گئی تھی ، اور سیڈیں اور میڈیہ کے رنگ بہ رنگ کے چُغے چمکیلے فولاد و برنج سے مل کر صفوں کے اِدھر سے اُدھر چلنے میں عجب طرح کا آتشیں اور خوف انگیز سماں پیدا کرتے تھے جنہیں دیکھ کر رومی اپنی خندقوں میں سہمے جاتے تھے ۔ حتیٰ کہ جب سیلا کسی تقریر و دلیل سے ان کا خوف نہ دور کر سکا تو مجبور ہو کر خود بھی لشکر گاہ میں بیٹھ رہا اور عجمیوں کے گستاخانہ تمسخر کا نشانہ بن جانے پر دل ہی دل میں کڑھتا رہا کیوں کہ اپنی فوج کو اس کی مرضی کے خلاف وہ میدان میں جبراً لے جانا نہ چاہتا تھا ۔ لیکن اس کا ایک یہ بڑا فائدہ ہوا کہ دشمن کی فوجیں اس کو حقیر سمجھ کر بے پروا ہو گئیں اور چوں کہ اُن کے متعدد سپہ سالار تھے اور پہلے سے کسی ایک نظام کے ماتحت نہ تھیں ، اب اُن میں اور بھی انتشار پیدا ہو گیا ۔ ان کے تھوڑے سے آدمی لشکر گاہ میں رہے ورنہ زیادہ تر لوٹ مار کے لالچ میں اِدھر اُدھر دُور تک پھیل گئے اور بعض دستوں نے کئی دن کے راستے پر آگے جا کر پانوپ اور لبادیہ کی بستیوں کو لوٹ لیا اور اپنے سرداروں کے حکم کے بغیر وہاں کے کہانت خانے کا مال اسباب چھین لیا ۔

سیلا گرد و پیش کی بستیوں کے لُٹنے کی خبر سن سن کر کفِ افسوس ملتا تھا مگر سوائے اس کے کوئی تدبیر اسے نہ سوجھی کہ اپنے سپاہیوں کو کام میں لگائے رکھنے کی غرض سے خندقیں کھدواتا اور کفی سوس ندی کا پہلا راستہ بدلنے میں دن رات اُن سے محنت لیتا ۔

رہے ۔ اس بیچ وہ ان پر بڑا تشدد کرتا تھا اور ذرا سی غفلت پر سخت سزا دیتا تھا کہ شاید یہ مشقت و تکلیف ہی ان کو جنگ کا خطرہ مول لینے پر آمادہ کرے ۔ چناں چہ واقع میں تیسرے ہی دن وہ اس سے التجا کرنے لگے کہ دشمن کے خلاف انھیں میدان میں لے چلے ۔ سیلا نے کہا کہ تم محض مشقت سے گھبرا کر ایسا کہہ رہے ہو ۔ لیکن اگر حقیقت میں جنگ کرنے کا جذبہ غالب ہے تو پہلے مسلح ہو کر بڑھو اور سامنے کی پہاڑی گڑھی پاراپوتامیان پر قبضہ کر لو۔ یہ بستی اب ویران ہو گئی ہے لیکن وہ پہاڑی ٹیکرا موجود ہے جسے کوہ ھدی لیوم سے اِسوس ندی نے بیچ میں آ کر جدا کیا ہے اور یہ ندی آگے جا کر بڑی تیزی سے کفی سوس کے پانی میں آ ملتی ہے ۔ پہاڑی کے چاروں طرف چٹانوں کے پھیلے ہونے سے یہ بلند مقام اور بھی مضبوط قلعہ بن گیا ہے اور سیلا نے دیکھ لیا تھا کہ دشمن اپنا ایک دستہ جسے برنجی سپر موسوم کرتے تھے ، آگے بڑھا کر اس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس نے پہلے خود پہنچنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہو گیا۔ سپہ سالار ارکلوس کو یہاں سے ہٹنا پڑا تو وہ اپنی فوج شیرونیہ کی طرف لے چلا ۔ شیرونیہ کے باشندے جو رومی فوج میں شامل تھے ، سیلا کے پاس گئے اور التجا کی کہ اُن کے وطن کو غارت نہ ہونے دے ۔ چناں چہ اس نے گابی نیوس کو (اور یا جیوبا کے بہ قول اری کیوس کو) ایک دستہ دے کر شہر کی حفاظت کے لیے روانہ کیا اور شیرونیہ کے سپاہیوں کو بھی بھیج دیا ۔ اگرچہ وہ کوشش کے باوجود گابی نیوس سے پہلے وہاں نہ پہنچ سکے ۔ وہ ایسا مستعد سردار تھا۔

غرض اس طرح ہمارا شہر[1] دشمن کی غارت گری سے بال بال بچ گیا۔

لبادیہ وغیرہ سے رومیوں کی فتح کی پیش گوئیاں اور بشارتیں زبان زد ہوئیں۔ سیلا نے اپنی سوانح کے دسویں باب میں خود بھی لکھا ہے کہ پہلے ایک رومی تی تیوس نے جو خاصا ممتاز آدمی تھا، اور پھر ایک سپاہی نے اسے یہ بشارتیں دیں کہ شرونیہ کے بعد بھی رومیوں کو ایک اور فتح نصیب ہوگی۔ بہ ہر حال اسوس ندی کو اُتر کر وہ ھدی لیوم پہاڑ کے دامن میں ارکلوس کے قریب ہی خیمہ زن ہوا جس نے دو پہاڑیوں کے درمیان خندقیں کھود کر مضبوط مورچے بنا رکھے تھے۔ اس جگہ کو اسیا کہتے تھے مگر وہ مورچہ بند پڑاؤ ابھی تک ارکلوس ہی موسوم ہے۔ سیلا نے ایک جیش اور دو دستے مورینا کی قیادت میں پیچھے چھوڑ دیے کہ دشمن کو ڈراتے اور بہلاتے رہیں اور خود کفی سوس ندی پہ قربانیوں کی رسم ادا کر کے شرونیہ کی جانب بڑھا کہ وہاں کی جمعیت کو بھی ساتھ لے کر کوہ تھوریوم کو نظر میں رکھتے جس پر دشمن کا قبضہ تھا۔ اس پہاڑ کے نیچے موریوس نالا بہتا ہے اور "اپالو تھیوریوس" کا مندر ہے یہ عُرفی نام بشرون دیوتا کی ماں تھیورو سے اُسے ملا اور شرون کو شہر شرونیہ کا بانی بتایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ تھور (= ثور) فنیقی (یا کنعانی) زبان میں گائے کو کہتے ہیں۔ اور اپالو نے کادموس کو رہنمائی کے لیے یہاں گائے دی تھی جس پہ یہ مقام اس طرح موسوم ہوا۔

---

[1] مصنف کتاب پلوٹارک اسی یونانی بستی شرونیہ (یا شیرونیہ) کا باشندہ تھا۔ مترجم

شہر ونیہ کے قریب رومی سردار نے سیلا کا استقبال کیا اس کے لیے پھولوں کا ہار لایا جسے سیلاؔ نے قبول کیا اور ساتھ ہی سپاہیوں کو سلامی دے کر جنگ پر اُبھارا۔ اس موقع پر شہر ونیہ کے دو باشندے، ہومولوی کوس اور اناسی داموس سامنے آئے اور کہا کہ ایک چھوٹی سی جمعیت کے ساتھ ہم کوہ تھوریوم پر ایک ایسے راستے سے جس کی دشمن کو خبر نہیں، چڑھ جائیں گے اور اوپر کی چوٹی سے حملہ کر کے یا پتھر برسا کر اُسے وہاں سے ہٹا دیں گے۔ سیلاؔ کو ان کے اخلاص اور بہادری کا گابی نیوس نے یقین دلایا تو اس نے اُنھیں یہ کام کرنے کی اجازت دی اور ادھر اپنے لشکر کی صفیں اس طرح جمائیں کہ بیچ میں پیادے اور دونوں بازوؤں پر سوار تھے۔ میمنہ کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی۔ میسرہ پر مورِنا کو مقرر کیا اور عقب میں اپنے نائب گالبا اور ہورتن سیوس بلند زمین پر محفوظ دستوں کے ساتھ چھوڑے کہ دشمن کی نقل و حرکت کی نگرانی کریں جس نے اپنے تیز پا پیادے اور سوار اس طرح قائم کیے تھے کہ جدھر چاہیں مُڑ جائیں اور اندیشہ تھا کہ وہ رومیوں کو ہر طرف سے گھیرنے کی کوشش کریں گے۔

اس عرصے میں شہر ونیہ کے رضا کار جس کا سردار سیلاؔ نے اری کیوس کو مقرر کیا تھا، چھپ کر کوہ تھوریوم پر چڑھ گئے اور یکایک نکل کر جو حملہ کیا تو وحشی عجمیوں میں کھلبلی مچ گئی اور وہ اس بُری طرح بھاگے کہ بہت سے اپنے آدمیوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے۔ سیکڑوں بے ترتیب ہو کر چٹانوں سے اُترتے ہوئے گرے

اور جو بچ کر نیچے پہنچے اُنھیں مورنا نے سنگوایا۔ اور بہت سے بھاگ بھاگ کر اپنے لشکر میں پہنچے تو وہاں بھی سخت گڑ بڑ اور پریشانی پھیلادی کہ خود اُن کے سپہ سالار تردد میں پڑ گئے۔ عین جنگ کے وقت یہ صورت بھی کچھ کم مُضر نہ تھی۔ پہاڑ کی اس لڑائی میں عجمیوں کے تین ہزار سپاہی کام آئے اور اِدھر اسی ابتری میں سیلّا نے پوری قوت سے یورش کی اور اتنی جلد دشمنوں پر آ پڑا کہ وہ اپنے جنگی رتھوں سے کام نہ لے سکے جن کے چلنے پھرنے کے لیے کافی میدان کی ضرورت ہوتی ہے کہ اُنھیں دوڑایا جائے ورنہ وہ بے اثر ہوجاتے ہیں جیسے فلاخن کے پتھر جن کو پوری طرح گھما کر پھینکنے کا موقع نہ ملا ہو۔ غرض رتھوں کے کام دینے سے قبل ہی دونو لشکر ایک دوسرے سے بھڑ گئے اور حملہ آور رومیوں نے سانگ پھینک پھینک کر تلواریں کھینچ لیں اور عجمیوں کے لمبے برچھوں سے بچ بچ کر وار کرنے شروع کیے۔ وہ اپنی ڈھالوں کو ایک دوسرے میں اڑائے ہوئے برچھوں سے لڑ رہے تھے کہ تا امکان صف ٹوٹنے نہ پائے اور اس میں سب سے آگے وہ پندرہ ہزار غلام تھے جن کی آزادی کا شاہی سپہ سالاروں نے اعلان کرا دیا تھا۔ یہ اپنی مضبوط صف بندی اور دلیری کے باعث دیر تک ڈٹے رہے۔ رومیوں کو رہ رہ کے طیش آتا تھا کہ غلام ان کے مقابل ہیں۔ حتّٰی کہ منجنیقوں اور تیر باری سے جو ان کی صفوں کے عقب میں کی گئی، وہ پیچھے ہٹے اور منتشر ہوگئے۔

ارکلوس اپنے میمنے کو پھیلا رہا تھا کہ رومیوں کو ہر طرف

سے گھیرے۔ اس پر حملہ کرنے کی غرض سے ہورتن سیوس نیچے اُترا لیکن ارکلوس نے یکایک پلٹ کر اس پر حملہ کیا اور اسے دوبارہ بلندی کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ دشمن کی تعداد زیادہ تھی اور ہورتن سیوس کے گھر جانے کا اندیشہ تھا، لہذا سیلاؔ خود اس کی مدد کو چلا۔ اس عرصے میں غنیم کے دوسرے سپہ سالار تاشی لس نے اپنے برنجی سپر والوں سے موزنا پر حملہ کیا اور سیلاؔ کو تھوڑی دیر تک تردد رہا کہ اپنے نائبوں میں سے کسی کی مدد کو جائے۔ آخر وہ ہورتن سیوس کے ماتحت چار دستوں کو موزنا کی امداد کے لیے بھیج کر خود اپنی جگہ ہٹ آیا اور میمنہ کی فوج جو قدم جمائے ارکلوس کا مقابلہ کر رہی تھی اُسے دیکھ کر ایسے جوش میں آئی کہ پوری قوت سے غنیم کو دھکیل کر پسپا کر دیا۔ پھر سیلاؔ فوراً موزنا کی طرف چلا مگر وہ کامیاب ہوگیا تھا اور سیلاؔ بھی بھاگتے دشمن کے تعاقب میں اس کا شریک ہوگیا۔ اس میدان میں عجمیوں کی تعداد کثیر کھیت رہی اور اس لشکرِ عظیم میں سے صرف دس ہزار آدمی بچ کر کال کیس پہنچ سکے۔ سیلاؔ لکھتا ہی کہ اس کے صرف چودہ سپاہی مفقود الخبر تھے مگر ان میں سے بھی دو شام ہوتے لشکر میں آگئے لہذا اس فتح کی یادگار پہ اُس نے مریخ، فتح، اور زہرہ کے نام کندہ کرائے جس کا مطلب یہ تھا کہ جنگ نہ صرف ہتھیاروں کے زور اور حُسنِ انتظام، بلکہ تقدیر کی یاوری سے حاصل ہوئی۔ اس کی یہ یادگار مولوس کے چشمے کے قریب موجود ہی اور ایک اور مینار فتح تھوریوم پہاڑ کی چوٹی پر بنا ہوا ہی جہاں وحشی عجمیوں کا مورچہ تھا۔ یہاں یونانی

کتابے میں لکھا ہی اس فتح کا سہرا ہومولوی کوس اور انکساداموس کے سر رہا۔ سیلاؔ نے فتح کا جشن تھبس میں منایا جہاں تماشے دکھانے کی غرض سے ایک بڑا چبوترہ تیار کیا گیا تھا۔ مگر تماشے میں انعام کا فیصلہ کرنے والے اور شہروں کے یونانی مقرّر کیے کیوں کہ تھبس والوں سے اس کی نفرت میں کوئی کمی نہ آئی تھی اور ان کی آدھی اراضی بھی اپالو اور عطارد دیوتاؤں کے نام وقف کر دی کہ ان کی مال گزاری سے اُس رُپے کی تلافی کی جائے جو خود اُس نے جنگ کے واسطے ان کے مندروں سے لیا تھا۔

پھر یہ سُن کر کہ رومہ سے مخالف گروہ کا ایک نیا قنصل فلاکوس نامی فوج لے کر سمندر کے راستے آ رہا ہی اور گو میت ری داتس سے لڑنے کا ارادہ ظاہر کرتا ہی لیکن حقیقت میں اس کا رُخ سیلاؔ کی طرف ہی، وہ پہلے اس سے لڑنے تھسالیہ چلا تھا لیکن راستے میں خبر ملی کہ میت ری داتس کا سردار ڈوری لوس ایک اور بیڑا لے کر کال کیس آ پہنچا ہی جس میں اسّی ہزار چیدہ اور بہترین تربیت یافتہ سپاہی ہیں۔ ارکلوس نے اُسے روکنا چاہا تو بھی وہ نہ رُکا بلکہ پچھلے معرکے کی نسبت شبہ ظاہر کیا دشمن سے ساز باز اور غدّاری کے بغیر اتنے ہزار آدمی ضائع نہ ہو سکتے تھے اور بلا تاخیر بیوشیہ میں گھُس آیا کہ وہیں دوبارہ سیلاؔ کو لڑائی پر لگائے گا۔ مگر چند ہی روز کی آویزشوں میں پتا چل گیا کہ ارکلوس کی دیانت و شجاعت کی نسبت اُس کے شُبہات غلط تھے اور وہ خود بڑی لڑائی لڑنے سے جھجکنے لگا۔ آخر ارکلوس ہی نے وادئ اُرکومنیوس

کو جہاں وہ خیمہ زن تھا، لڑائی کے لیے مناسب سمجھا کیوں کہ بیوشیہ کے خوب صورت میدانوں میں یہی ایسا مسطح میدان ہے کہ اُرکومنوس ندّی سے لے کر ڈلیوں تک جہاں ملاس ندی جاگری ہے، درختوں وغیرہ سے بالکل صاف ہے۔ خود ارکومنوس یونان میں اکیلی ایسی گہری ندّی ہے جس میں آخری سرے تک کشتیاں چل سکتی ہیں۔ دریائے نیل کی طرح اعتدال ربیعی کے زمانے میں اس میں طُغیانی بھی آتی ہے اور اس کے کناروں پر وہیں جیسے پودے ہوتے ہیں اگرچہ ذرا چھوٹے اور غیر مثمر۔ اسی کی ایک شاخ کفی سوس میں جا ملتی ہے جہاں جھیل کے کنارے سب سے اچھی قسم کا نرسل پیدا ہوتا ہے۔

اس میدان میں جب فوجیں ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن تھیں، تو سیلا نے خالی وقت میں بھی دونوں طرف خندقیں کھدوانی شروع کیں تاکہ ممکن ہو تو دشمن کو مسطح اور سخت زمین سے ہٹا کر دلدلی حصّے میں لے جائے۔ عجمی اس کو برداشت نہ کر سکے اور اپنے سرداروں کا حکم ہوتے ہی غصّے میں جوق در جوق نکلے اور نہ صرف خندق کھودنے والوں کو منتشر کر دیا، بلکہ اُن کے مسلّح محافظین کو بھی مار بھگایا۔ یہ دیکھ کر سیلّا اپنے گھوڑے سے کودا اور ایک پرچم اپنے ہاتھ میں لے کر بھاگنے والوں کے درمیان دوڑا اور پکارا کہ ”رومیو! میرے لیے اس سے زیادہ آبرو کی بات نہ ہوگی کہ اسی جگہ مارا جاؤں۔ مگر تم سے جب پوچھا جائے کہ اپنے سپہ سالار سے کس جگہ بے وفائی کی تو یاد رکھنا اور کہنا کہ اُرکومنوس پر!“ یہ سُن کر بھاگنے والے تھم گئے اور دو دستے مدد کے لیے آ پہنچے جن نے

لڑائی کی صورت بدل دی ۔ پھر اپنے آدمیوں کو پیچھے ہٹا کر، تازہ دم ہونے کے بعد دوبارہ خندقوں پر پہنچ گیا کہ دشمن کے لشکرگاہ کو محصور کرنے کا کام جاری رکھے ۔ وہ دوبارہ بہتر ترتیب کے ساتھ مقابلے میں آئے تو بھی بہت نقصان اُٹھایا ۔ ارکلوس کا ربیب ڈیوجنیس بھی بہادری سے لڑتا ہوا یہیں مارا گیا اور جب انھیں پیچھے ہٹنے کو جگہ نہ ملی تو ترکش میں سے مٹھیاں بھر بھر کر تیر نکالے اور تلواروں کی طرح اُن سے رومیوں کو مار مار کر پیچھے ہٹایا ۔ مگر آخر میں پسپا ہو کر اپنے مورچوں میں آنا پڑا اور تمام رات مقتولوں اور مجروحوں کے غم میں گزاری ۔ صبح سیلا پھر اپنے سپاہی لے کر اُن کی حدوں میں پہنچا اور جب وہ زیادہ تعداد میں مقابل ہوئے تو ان پر حملہ کر کے بُری طرح بھگایا کہ پھر وہ اپنے لشکرگاہ میں بھی نہ ٹھیر سکے اور سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلے ۔ ان کا پڑاؤ رومیوں کے ہاتھ آیا اور دل دل خون سے اور جھیل ان کی لاشوں سے بھر گئی ۔ حتّٰی کہ آج تک اس علاقے میں سے کمانیں، خود، زرہ بکتر تلوار وغیرہ یا ان کے ٹکڑے مٹی سے دبے ہوئے نکل آتے ہیں جو عجمی ساخت کے اور دو سو سال پہلے کی اسی جنگ کی یادگار ہوتے ہیں ۔ شرونیہ اور ارکومنوس کے معرکوں کی نسبت اسی قدر لکھنا کافی ہوگا ۔

اس عرصے میں رومہ کے اندر سینا اور کاربو بڑے بڑے آدمیوں پر وہ جور و تعدی کر رہے تھے کہ بہت سے عمائد ان کے مظالم سے بچ کر سیلا کی پناہ میں آگئے ۔ حتّٰی کہ رفتہ رفتہ اس کی لشکرگاہ میں خاصی طرح مجلس عمائد کا نقشہ جم گیا ۔ اس کی بیوی میتی لا بھی بہ وقت تمام بچوں کو لیے ہوئے چھپ کر نکلی اور اُسے آکر خبر دی

مخالفوں نے ہمارے شہر اور دیہات کے مکانوں کو آگ لگا دی۔ اور التجا کی کہ وہ وطن کو چلے۔ سیلا اسی تردد میں تھا کہ میت ری داتس کی جنگ جاری رکھے یا رومہ واپس جائے کہ دِلوس کے ایک سوداگر کے ذریعے شاہی سپہ سالار ارکلوس نے اس سے گفتگو شروع کرنی چاہی اور سیلا پیام سلام کی بجائے جلد سے جلد ملاقات کے لیے دلیوم کے قریب جہاں اپالو کا مندر ہے، خود گیا اور ارکلوس سے ملا جس نے ابتدا میں اُسے ایشیا سے دست بردار ہوکر واپس اطالیہ جانے کی صلاح دی اور کہا کہ شاہ میت ری داتس اس غرض کے لیے تم کو رُوپیہ، بار برداری کے جہاز بلکہ ضرورت ہو تو فوجی مدد بھی دے گا۔ سیلا نے اس کی بات کاٹ کر کہا کہ تم میت ری داتس کو تو اس وقت بھول جاؤ۔ ہم چاہتے ہیں کہ اُس سے آزاد ہوکر خود تاج شاہی سر پر رکھو اور رومیوں کے حلیف بن جاؤ! جب ارکلوس نے ایسی غداری سے نفرت ظاہر کی تو کہنے لگا "تم کپادوسیہ کے رہنے والے جو ایک عجمی بادشاہ کے غلام بن گئے ہو، جی چاہے تو اپنے کو اس کا دوست کہہ لو، لیکن میرے سامنے اس کی جاں نثاری کا دم کس مُنہ سے بھرتے ہو جب کہ شرونیہ میں ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی ہونے کے باوجود تم بھاگ کھڑے ہوئے اور پھر ارکومنوس کی دلدل میں دو دن تک پڑے رہنے کے بعد فرار ہوئے تو سارے بیوشیہ میں لاشوں کی کثرت سے چلنے کا راستہ نہیں رہا تھا۔"

اب ارکلوس کا لب و لہجہ بدل گیا اور اس نے مودّبانہ التجا کی کہ جنگ کا خیال چھوڑ کر میت ری داتس کے ساتھ مناسب شرطوں پر صلح کر لی جائے۔ سیلا نے یہ درخواست قبول کی اور پھر ان شرائط پر تصفیہ ہوگیا کہ میت ری داتس صوبہ ایشیا اور پافلاگونیہ سے دست بردار ہو جائے۔ بتھی نیہ، نی کومیدس کو اور کپادوسیہ، ادیوبارزن کو واگزاشت کرے اور رومیوں کو دو ہزار ٹیلنٹ سونا اور ستّر آراستہ جنگی جہاز حوالے کرے۔ دوسری طرف سیلّا باقی علاقوں میں اس کی حکومت کو تسلیم کر کے اسے دولتِ روما کا حلیف مان لے۔

اس فیصلے کے بعد وہ تھسالیہ اور مقدونیہ ہوتا ہوا ہیلیس پونت آیا۔ ارکلوس ساتھ تھا اور اس کی وہ ہر طرح خاطر داشت ملحوظ رکھتا تھا چناں چہ لاریسا میں وہ سخت بیمار ہوگیا تو سیلّا نے سفر ملتوی کر دیا اور اپنے خاص رفیقوں کی مثل اس کی دوا دارو کی۔ اسی طرح جب اُس نے میت ری داتس کے تمام ساتھیوں کو جو لڑائی میں پکڑے گئے تھے، رہائی دی لیکن ارس تیون جابر کو جو ارکلوس کا دشمن تھا، زہر دے کر مروا دیا، نیز یوبیہ کی دس ہزار ایکڑ اراضی کپادوسیوں کو عطا کی تو انھی سب وجوہ سے یہ شبہ قوی ہوا کہ شیرونیہ کی جنگ میں ارکلوس رومیوں سے مل گیا تھا۔ مگر سیلّا اپنی سوانح میں ان جملہ شبہات کی تردید کرتا ہے۔

اب میت ری داتس کے سفیر اُس کے پاس پہنچے اور شرائطِ صلح میں پافلاگونیہ اور ستّر جہازوں کے دینے میں حجّت کی، سیلّا

نے بگڑ کر کہا "اچھا! کیا میت ری داتس، پاف لاگونیہ اور جہازوں کو دینے سے انکار کرتا ہے؟ میں سمجھتا تھا کہ جو کچھ میں نے اس کے پاس رہنے دیا، وہ اس کا زمین پر گر کر، وہی دہنا ہاتھ اٹھا کر شکریہ ادا کرے گا جس ہاتھ سے اُس نے عمداً رومیوں کو قتل کیا ہے۔ خیر اب میں ایشیا میں پہنچوں گا تو یقین ہے کہ وہ دوسری بِی بوے گا۔ بالفعل تم جاؤ اور کہہ دو کہ وہ آرام سے پرگاموس میں بیٹھ کر جنگ کا جس کی کبھی اس نے شکل نہیں دیکھی، انتظام کرے۔" یہ غصے کے کلمات سُن کر سفیر تو ڈر سے کانپنے لگے لیکن ارکلوس نے بڑھ کر اس کا سیدھا ہاتھ پکڑا اور رو رو کر اس کا غصہ فرو کیا۔ اس نے خود میت ری داتس کے پاس جانے اور شرائط صلح منوانے کی اجازت لی اور یہ بھی کہا کہ یا تو وہ ان شرائط کو منوائے گا ورنہ اپنی جان دے دے گا۔ سیلا نے یہ درخواست مان لی اور ارکلوس نے جا کر بادشاہ کو ان شرائط پہ رضامند کر لیا۔ جس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ رومہ سے ایک دوسرا سپہ سالار فیمبریا اُس کے علاقوں میں آ پہنچا تھا اور میت ری داتس کی فوجوں کو اس نے شکست دی تھی۔ لہذا اس بادشاہ نے سیلا کو دوست بنانا غنیمت سمجھا اور اس سے ملاقات کی درخواست کی۔

ان کی ملاقات ترواد کے علاقے میں بہ مقام دردانوس ہوئی۔ شاہ میت ری داتس بیس ہزار سپاہی اور دو سو جہازوں کے ساتھ آیا اور سیلا کے جلو میں صرف چند دستے پیادہ اور دو سوار تھے لیکن جب میت ری داتس نے قریب پہنچ کر مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ

ہاتھ بڑھایا تو سیلا نے سوال کیا کہ ارکلوس نے جو شرطیں طے کی تھیں، آیا وہ اسے منظور ہیں؟ بادشاہ نے قدرے سکوت کیا تو وہ کہنے لگا "ہائیں! کیا قاعدہ یہ نہیں ہے کہ غرض گزار پہلے بولتا اور فاتح خاموشی کے ساتھ سنا کرتا ہے؟"

میت ری دانش نے جواب میں تقریر شروع کی۔ جنگ کا الزام دیوتاؤں پر اور کچھ رومیوں کو دیا۔ تب سیلا نے اس کو روک کر کہا میں نے پہلے سنا تھا اور اب خود دیکھ لیا کہ واقعی میت ری دانش اعلا درجے کا مقرر ہے جو بدترین افعال کی تاویل میں اچھے سے اچھے عذر تراش سکتا ہے۔ پھر اس نے جو زیادتیاں کی تھیں ان پر سخت ملامت کر کے کہنے لگا "یہ بتاؤ کہ تمہیں ارکلوس کا صلح نامہ قبول ہے یا نہیں؟ میت ری دانش نے اقرار کیا کہ وہ سب شرطیں منظور ہیں۔ اس وقت سیلا نے اسے گلے لگا کر بوسہ دیا اور نکومیدیس و اریوبارزن کو بلا کر اس سے صفائی کرا دی پھر میت ری دانش نے ستر جہاز اور پانسو تیر انداز سیلا کو دیے اور خود جہاز میں بیٹھ کر بحر اسود کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ صلح بھی رومی سپاہیوں کو پسند نہ تھی اور حق یہ ہے کہ رومہ کے شدید ترین دشمن سے سیلا کو بغل گیر ہوتے دیکھنا، ان کو بہت ہی ناگوار گزرا۔ میت ری دانش نے ایک دن میں ڈیڑھ لاکھ رومیوں کو صوبہ ایشیا میں قتل کرایا تھا اور اس علاقے کو دل بھر کر لوٹا تھا۔ اب بھی یہاں کی ساری دولت اسی کے پاس رہی، اور وہ چار سال تک غارت گری کرنے کے بعد بے غل و غش رخصت کر دیا

گیا۔ لیکن سیلا ان الزامات کے جواب میں لکھتا ہے کہ وہ وقت واحد میں میت ری دانش اور اپنے رومی حریف فیم بریا سے جنگ نہ کر سکتا تھا۔ حال آں کہ جب وہ پلٹ کر فیم بریا کے مقابلے میں پہنچا تو اس کے سپاہی از خود لشکر سے نکل نکل کر آئے اور سیلا کی سلامی اتاری۔ فیم بریا کو یہ اطلاع ہوئی تو اُس نے اپنے خیمے میں خود کُشی کر لی۔

سیلا نے صوبہ ایشیا پر بڑا بھاری جُرمانہ کیا اور وہاں کے شہروں میں اپنے سپاہی جبراً لوگوں کے گھروں میں ٹھیرائے اور اُنھوں نے وہاں ہفتوں رہ کر بڑی عیاشیاں کیں۔ ان کا سارا خرچ گھر والوں کو ادا کرنا پڑتا تھا اور یک صدی سرداروں کو پچاس پچاس درہم روزانہ کے علاوہ گھر میں اور باہر پہننے کے لیے دو جوڑے کپڑے مہیا کرنے کا حکم تھا۔

ایشیا کی بندرگاہ افسوس سے چل کر وہ پھر ایتھنز آیا اور یہاں کے روحانی فرقے میں اُسے داخل کیا گیا۔ حکیم اپ لی کون (طیبئی) کے کتاب خانے پر بھی اس نے قبضہ کیا جس میں تھیوفراس طوس اور ارسطو کی وہ سب کتابیں تھیں جو اس وقت تک زیادہ شائع نہ ہوئی تھیں۔ یہاں سے یہ کتابیں روملہ پہنچیں تو اس ذخیرے کا بڑا حصہ تی رے نیون نحوی کے ہاتھوں سے گزرا اور اسی کی وساطت سے ان درنی کوس (رودسی) نے ان کی بہت سی نقلیں حاصل کر کے انھیں عام کر دیا اور وہ فہرستیں مرتب کیں جو آج کل رائج ہیں۔ قدیم مشائین کے ذی علم اور فاضل ہونے میں شک نہیں لیکن ارسطو اور

تھیوفراسطو کی تصانیف سے انھیں تفصیلی اور صحیح واقفیت نہ تھی کیوں کہ تھیوفراسطو اپنی کتابیں میرنل یوس کے ولی عہد کو دے مرا تھا اور وہ جاہل و بے پروا لوگوں کے ہاتھوں میں جا پڑی تھیں ۔

سیلا کے ایتھنز کے قریب قیام کے زمانے میں اُس کے پاؤں پر ایک سخت سُن کرنے والے درد کا حملہ ہوا جسے سترابو، مرض نقرس کی پہلی دبے پاؤں آمد سے موسوم کرتا ہے ۔ اسی کے علاج کی خاطر وہ ادباسوس گیا اور وہاں کے گرم چشموں سے علاج کرتا رہا ۔ ساتھ ہی تمام کاروبار چھوڑ دیا اور نقالوں کی صحبت میں وقت گزارا ۔ ایک دن ساحل کے کنارے چہل قدمی کر رہا تھا کہ چند ماہی گیر اس کے لیے اعلا درجے کی مچھلیاں لائے ۔ اس تحفے کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا اور جب دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ موضع ھالی کے باشندے ہیں تو جواب میں بولا " ارے؟ کیا ھالی کا کوئی باشندہ زندہ بھی بچ رہا تھا؟ " کیوں کہ اورکومنوس کی جنگ میں دشمن کا تعاقب کرتے وقت اس نے بیوشیہ کی جو تین بستیاں بالکل پامال کردیں ان میں ایک ھالی بھی تھا ۔ بچارے ماہی گیر ڈر کے مارے کچھ نہ بول سکے تو سیلا مسکرایا اور کہنے لگا " تم فکر نہ کرو ۔ آرام سے اپنے گھر جاؤ کیوں کہ تمھارے سفارشی (یعنی مچھلیاں) کچھ معمولی نہیں ہیں! " چناں چہ اہلِ ھالی کہتے ہیں کہ اسی واقعے کے بعد انھیں یہ ہمت ہوئی کہ وہ اپنے اُجڑے ہوئے گانو میں جاکر دوبارہ آباد ہوں ۔

جب سیلاؔ ، مقدونیہ سے چل کر دی راکیوم کی بندرگاہ

تک آیا اور بارہ سو جہازوں میں اطالیہ جانے کی تیاری کر رہا تھا، اسی زمانے میں کہتے ہیں یہ واقعہ پیش آیا کہ نمفیوم (جو اپالونیہ کے قریب ہے کی چراگاہوں کے اُن چشموں کے پاس جن سے برابر شعلے نکلتے رہتے ہیں، ایک ساٹیر[1] سوتا ہوا پکڑا گیا۔ اس کی صورت ویسی ہی تھی جیسی کہ نقاش و بُت تراش بناتے ہیں۔ وہ سیلا کے سامنے لایا گیا اور مختلف ترجمانوں کے ذریعے اس نے دریافت کرنا چاہا کہ وہ کون ہے۔ مگر بڑی مشکلوں سے وہ بولا تو کوئی قابل فہم بات نہ کی بلکہ ایسی سامعہ خراش آوازیں نکالیں جو گھوڑے کی ہن ہناہٹ اور بکری کی ممیاہٹ کے بین بین تھیں۔ سیلا کو یہ شگون اچھا نہ معلوم ہوا اور اس نے ناگواری کے ساتھ اسے اپنے سامنے سے دور کرا دیا۔

اطالیہ جاتے وقت سیلا کو بڑی پریشانی یہ تھی کہ وہاں پہنچتے ہی کہیں اس کے سپاہی اپنے اپنے شہروں میں نہ چلے جائیں اور ہتیار کھول دیں۔ فوج والوں نے یہ معلوم کر کے از خود اس کی رفاقت کا مکرر حلف اٹھایا اور اس کے پاس روپے کی کمی سُن کر خود ہی چندا کر کے معقول رقم بھی فراہم کر دی مگر اسے سیلا نے قبول نہ کیا۔ البتہ ان کی وفاداری کی بڑی تعریف کی اور اُنھیں بڑھاوے دے کر اطالیہ روانہ ہوا جہاں (خود اس کی تحریر کے مطابق) پندرہ سپہ سالار بڑے بڑے جیش لیے مقابلے کو تیار تھے۔ اگرچہ خدائی نصرت و امداد کے آثار و قرائن سے اس کا دل ضرور مضبوط ہو گیا تھا۔

---

[1] قدیم یونانی ایک ایسی مخلوق کو مانتے اور ساٹیر موسوم کرتے تھے جس کا گردن اور چہرہ انسان کا اور باقی جسم بکرے کا سا ہوتا تھا۔ مترجم

کیوں کہ جب وہ تادن تم پر لنگر انداز ہوا تو پہلی ہی قربانی کے جگر میں ایک تاج اور دو طرّوں کی علامت ظاہر ہوئی۔ پھر کپانیہ میں دو شان دار بکریاں انسانوں کی طرح لڑتی اور داؤ پیچ کرتی نظر آئیں اور اُوپر کی طرف اُٹھ کر ہوا میں غائب ہوگئیں۔ تھوڑے ہی دن بعد اس نواح میں نوجوان مارِیوس اور نوربانوس قنصل نے دو بڑے لشکروں سے اس پر حملہ کیا تو بغیر فوج کی باقاعدہ صف بندی کیے محض اپنے سپاہیوں کی مستعدی اور دلاوری کے زور پر وہ فتح یاب ہوا اور نوربانوس کے سات ہزار سپاہی کام آئے۔ یہی سبب تھا کہ وہ لکھتا ہے، میرے سپاہی لشکر کو چھوڑ کر اپنے گھروں کو جانا پسند نہ کرتے تھے اور حریفوں کو تعداد میں کہیں زیادہ ہونے کے باوجود بالکل خاطر میں نہ لاتے تھے۔

اس کا بیان ہے کہ شہر سیل ویوم میں اسے پون ٹیوس کا ایک خدمت گار ملا جس پر جذب کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس نے سیلا سے کہا کہ میں تیرے لیے جنگ کی دیوی بلونا کی طرف سے فتح کی تلوار اور شاہی اقتدار لایا ہوں اور اگر تو نے جلدی نہ کی تو قلعہ رومہ میں آگ لگ جائے گی۔ چناں چہ جس دن کی اس نے پیش گوئی کی تھی اسی روز یعنی ماہ کوان تی لیس کی (جسے اب جولائی کہتے ہیں) چھٹی تاریخ یہ واقعہ ہوا۔ فی دِن تیا کے معرکے میں سیلا کے ایک سپہ سالار لُوکیولُوس کو اپنی کامیابی پر اتنا بھروسا تھا کہ حریف کے پچاس دستوں کے مقابلے میں صرف سولہ دستے لے کر نکلا اور اس انتظار میں تھا کہ سپاہی پوری طرح ہتھیار لگالیں کہ اتنے میں ایک

آندھی چلی جس نے قریب کے خیابانوں سے پھول اُڑا کر اس کی فوج پر بکھیر دیے اور وہ از خود اس طرح مرتب ہو گئے کہ دشمن کو ایسا معلوم ہوا گویا اس کے سپاہی سر پر پھولوں کے مُکٹ لگائے ہوئے ہیں۔ اِدھر خود اس کے سپاہی یہ دیکھ کر ایسے جوش میں آئے کہ ایک ہی حملے میں آٹھ ہزار حریفوں کو مار کر ان کا خیمہ و خرگاہ تک چھین لیا۔ واضح ہو کہ یہ لوکیولوس اپنے اُس ہم نام سردار کا بھائی تھا جس نے آگے چل کر میت ری داتس اور تیگ رانس کو مغلوب کیا۔

لیکن سیلا ابھی تک بہت سے دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا تھا، لہذا اس نے فریب سے کام لیا اور حریف قُنصل سی پیو سے صلح کی گفتگو شروع کی۔ سی پیو نے خوشی سے یہ تجویز قبول کی اور ان میں کئی ملاقاتیں اور مختلف مسائل پر بحث ہوتی رہی۔ سیلا طرح طرح کی حجتیں نکال کر گفتگو کو طول دیے جاتا تھا اور اِدھر اپنے سپاہیوں کے ذریعے اُس کی فوج کو ملا رہا تھا۔ سیلا کے سپاہی بھی اپنے سالارِ فوج کی طرح پھانسنے کے فن میں ماہر تھے اور حریف کی لشکرگاہ میں جا کر بعض کو روپے کے لالچ سے بعض کو آیندہ کے وعدوں سے اور بعض کو محض سخن سازی سے انھوں نے اپنا بنا لیا حتّٰی کہ جب صلح کی گفتگو ناکام رہی اور فوجیں ایک دوسرے کے مقابل نکلیں تو سیلا کے آدمیوں نے سی پیو کے آدمیوں کی سلامی دی اور وہ جواب میں اسی طرح سلامی دے کر سیلا کی طرف چلے آئے۔ سی پیو خیمے میں اکیلا پایا گیا اسے عہدے سے بر طرف کر دیا گیا۔ ادھر اپنے بیس دستوں سے اس کے چالیس دستوں کو پھسلا کر سیلا اس پورے لشکر کو اپنے پڑاؤ پر لے آیا۔

اسی موقع پر دوسرا حریف قنصل کاربو یہ کہتا ہوا سُنا گیا تھا کہ سیلاؔ کے سینے میں ایک لومڑی اور ایک شیر دونوں چھپے ہیں اور مجھے زیادہ تشویش اُس لومڑی سے ہے۔

کچھ روز بعد سیگ نا کے مقام پر نوجوان ماریوس پچاسی دستہ فوج کے ساتھ مقابلے میں آیا اور سیلاؔ کی بھی عین یہی خواہش تھی کہ آج ہی جنگ کا فیصلہ ہو کیوں کہ گزشتہ رات اُس نے خواب دیکھا تھا کہ بوڑھا ماریوس (جس کو مرے ہوئے کچھ مدت گزر چکی تھی) اپنے بیٹے کو سمجھا رہا ہے کہ کل کے دن سے ہوشیار رہنا ورنہ اُس کا نتیجہ تمھارے حق میں مُہلک ہوگا۔ اسی لیے سیلاؔ لڑائی کے لیے بے قرار تھا اور اپنے سردار دولابیلا کو جو کچھ فاصلے پر خیمہ زن تھا، اُس نے بُلوایا تھا۔ لیکن حریف نے راستے کے درے روک کر اس قدر پریشان کیا کہ جگہ جگہ لڑنے سے فوجیں تھک گئیں اور ادھر طوفان باد و باراں نے بھی ان کی مشکلات میں اتنا اضافہ کر دیا کہ وہ سراسیمہ ہونے لگے۔ بڑے سرداروں نے آکر سیلاؔ سے کہا کہ آج لڑائی کو ملتوی کر دیا جایا جائے۔ اور دکھایا کہ سپاہی تھک کر زمین پر پڑ گئے ہیں اور ڈھالوں کا تکیہ بنا لیا ہے کہ ذرا کمر سیدھی کر لیں۔ اُس نے بادلِ ناخواستہ پڑاؤ ڈالنے کی اجازت بھی دی لیکن عین اس وقت جب کہ وہ خندقیں کھود کر دُھس بنانے لگے، ماریوس اپنا لشکر لے کر بڑی تندی سے اُن پر آ چڑھا کہ اس بے ترتیبی کی حالت میں انھیں مار بھگائے۔ تب دیوتاؤں نے سیلاؔ کا خواب سچا کر دکھایا کہ اس کے سپاہی طیش میں آکر جھپٹے اور خندق وغیرہ کا کام چھوڑ کر، اپنی برچھیاں پُشتے پر گاڑ دیں اور تلواریں کھینچ کر ایک بہادرانہ نعرے کے ساتھ

دشمن سے بھڑ گئے۔ مگر حریف نے کوئی استقلال نہ دکھایا بلکہ بہت جلد بھاگ نکلا اور فراری میں سخت نقصان اٹھایا۔ ماریوس بھاگ کر شہر پری نستہ پہنچا اور اس کے دروازے بند پائے تو ایک رسّی شہر پناہ سے لٹکوا کر کمر میں باندھی اور اس میں لٹک کر اوپر کھینچا گیا۔ اگرچہ بعض راویوں کا (جن میں فلس تلا بھی شامل ہے) بیان یہ ہے کہ اسے جنگ کی خبر تک نہ ہوئی تھی بلکہ دن بھر کی محنت اور نگرانی سے تھک کر وہ کہیں سایے میں دراز لیٹ رہا تھا کہ لڑائی ہو گئی اور سپاہیوں کی فراری کے وقت اسے بہ مشکل سوتے سے جگایا گیا۔ سیلا کے اپنے بیان کے بہ موجب اس معرکے میں اُس کے صرف تئیس آدمی ضائع ہوئے اور دشمن کے بیس ہزار سپاہی قتل اور آٹھ ہزار قید کیے گئے۔ اسی طرح کی فتوحات اُس کے نائبوں، پوم پی، کراسوس، میتی لوس اور سروی لیوس کے نصیب میں آئیں کہ بہت خفیف نقصان اٹھا کر انھوں نے حریف کے ہزاروں جوان کاٹ دیے۔ تاآں کہ کاربو جو مخالفین کا سب سے بڑا حامی تھا، فوج کی قیادت چھوڑ کر رات کے وقت فرار ہوا اور جہاز میں بیٹھ کر لی بیہ چلا گیا۔

لیکن اس محاربے کے آخری مرحلے میں ایک تازہ دم حریف میدان میں اُترا اور ممکن تھا کہ تھکے ماندے فتح مندوں کو عین شہر روما کے دروازوں پر مار گرائے۔ یہ سامنی قوم کا سردار تلی سی نوس تھا۔ لوکانی قوم کا سردار لام پونیوس بھی اس کا شریک کار ہو گیا تھا اور ایک بڑا لاؤ لشکر جمع کر کے یہ پہلے ماریوس کو محاصرے سے نجات دینے پری نستہ چلے تھے لیکن سیلا اور پوم پی کو دو طرف سے بڑھتے دیکھ کر یکا یک

پلٹے اور شبا شب کوچ کر کے خاص رومہ پر آ چڑھے۔ شہر کے دروازے سے دس فرلانگ پر انھوں نے پڑاؤ ڈالا اور اپنے آزمودہ کار حریفوں کو چکمہ دے کر یہاں آ پہنچنے پر خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ صبح کو شہر کے نوجوان شرفا کی ایک جمعیت نے ان پر حملہ کیا مگر بہت سے مارے گئے جن میں بعض بڑے عالی خاندان امیرزادے تھے۔ اس خبر سے، جیسا کہ قیاس ہوتا ہی، شہر میں کھلبلی مچ گئی۔ عورتیں چیختی اور ادھر سے اُدھر دوڑی دوڑی پھرتی تھیں، گویا واقعی دشمن جبراً اندر داخل ہو گیا ہی۔ بارے بال بوس جسے سیلّا نے آگے دوڑا دیا تھا سات سو سواروں کے ساتھ سرپٹ آتا ہوا نظر آیا اور اتنی دیر دم لے کر کہ گھوڑوں کا پسینہ خشک ہو جائے، وہ بہ عجلت پھر سوار ہوئے اور دشمن پر حملہ کیا۔ تھوڑی دیر میں خود سیلا کی فوج نمودار ہوئی اور اس نے اگلی صفوں کو کچھ کھا پی کر تازہ دم ہونے کا اور باقی لشکر کی صف بندی کا حکم دیا۔ اس کے سرداروں نے ہر چند مشورہ دیا کہ تھوڑی دیر توقف کیا جائے اور تھکی ہاری فوج سے آخری فیصلے کی لڑائی نہ لڑی جائے کیوں کہ مقابلہ رومی سرداروں سے نہ تھا بلکہ اطالیہ کی دو جنگ جو قوموں سے تھا، جو اہلِ رومہ سے شدید عداوت رکھتی تھیں۔ لیکن سیلّا نے سماعت نہ کی اور اُس وقت کہ تیسرا پہر ہو چکا تھا، حملے کی قرنا پھنکوا کر دشمن پر جا پڑا۔ اس جنگ میں اُس کی میمنہ کی فوج کو کراسوس کی سپہ سالاری میں نمایاں غلبہ ہوا لیکن میسرہ پر بُری گزری اور خود سیلّا اس کی مدد کے لیے بڑھا۔ اس وقت وہ ایک جان دار و برق رفتار سفید گھوڑے

آتے ہی حربہ کریں۔ خود سیلا کو خبر نہ تھی کہ لیکن اس کے ساتھ کے سوار نے یہ دیکھ کر ایک ٹھوکا دیا کہ وہ جھپٹ کر آگے نکل گیا اور حملے کرنے والوں کے برچھے دُم کے پاس سے گُزر کر زمین پر جا گڑے۔

ایک یہ حکایت بھی بیان کرتے ہیں کہ سیلا دِلفی سے اپالو کی طلائی مورت لایا تھا اور ہمیشہ سینے سے لگائے رہتا تھا۔ اس معرکے میں اُسے نکال کر اس نے بوسہ دیا اور یہ دُعا مانگی کہ "اے اپالو دیوتا، تُو نے سیلا کو بہت سے معرکوں میں جتایا اور عزت و بزرگی عطا کی، کیا اب تو چاہتا ہے کہ عین وطن کے دروازے پر اُسے شکست ہو اور وہ ذلت کے ساتھ مارا جائے؟" یہ دُعا مانگ کر وہ اپنے سپاہیوں کو اُبھارنے لگا۔ بعض کو پکڑ پکڑ کر لڑاتا تھا اور بعض کو دھمکیاں دیتا تھا۔ بایں ہمہ اس کا میسرہ بالکل شکستہ ہو گیا اور عام فراری میں وہ بھی مجبور ہو کر لشکرگاہ کو واپس ہوا اس موقع پر اُس کے بہت سے دوست آشنا کھیت رہے اور بہت سے شہری بھی جو تماشا دیکھنے آ گئے تھے، قتل یا روندن میں آ کے ہلاک ہوئے۔ شہر میں ہر طرف مشہور ہو گیا کہ جنگ ہر گئی اور ھری نستہ کا محاصرہ بھی قریب تھا کہ اُٹھا لیا جائے جہاں سیلا کے سردار اوفلا کے پاس بہت سے فراری پہنچے اور اُس سے کہا کہ سیلا مارا گیا اور شہر دومہ پہ دشمن کا قبضہ ہو گیا۔

لیکن آدھی رات کو کراسوس کے قاصد سیلا کے پاس آئے اور سامان خوراک طلب کیا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ وہ دشمن کی تعداد کثیر کو مار کر ان تمنا کے قلعے تک پہنچ چکا ہے۔ پھر تو سیلا

دن نکلتے نکلتے خود وہاں پہنچ گیا اور معلوم کیا کہ دشمن کی بڑی تعداد قلعے میں پناہ گزیں ہے اور اس کے تین ہزار سپاہی امان کے بھی طالب ہیں۔ سیلا نے اُن کے قاصدوں سے کہا کہ انھیں امان دی جائے گی بہ شرطے کہ وہ آتے آتے اپنے ساتھ والوں کو کچھ نقصان پہنچا کر آئیں۔ چناں چہ سیلاّ کی بات پر اعتبار کر کے ان امان کے طالبوں نے اپنے ہی ساتھیوں پر حملہ کر دیا اور ایک دوسرے کو خوب نقصان پہنچایا۔ اس کے باوجود اُنھیں اور بقیۃ السیف کو سیلاّ نے شہر کے بڑے دنگل میں جمع کرا کے عین اُس وقت قتل عام کرا دیا جب کہ خود وہ بلونا کے مندر میں مجلس عمائد کے سامنے تقریر کر رہا تھا۔ اتنے بڑے مجمعے کے تھوڑی سی جگہ میں قتل کیے جانے سے لامحالہ بڑا شور برپا ہوا۔ ارکانِ مجلس ان کی چیخیں سُن کر چونک پڑے مگر خود سیلاّ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اُس نے تقریر جاری رکھی اور کہا کہ ”جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، آپ لوگ اُسے سُنیں۔ اور دروازے کے باہر جو کچھ ہو رہا ہے، اُدھر توجہ نہ کریں۔ یہ میرے حکم سے بعض مجرموں کو سزا دی جا رہی ہے“۔ اس واقعے سے احمق ترین رومی کو بھی معلوم ہوگیا کہ ان کے جابر حاکموں میں صرف تبادلہ ہوا ہے، اس آفت سے اُنھیں نجات نہیں مل سکی ہے۔ فرق اتنا تھا کہ ماریوس طبعاً سخت مزاج آدمی تھا اور حکومت حاصل کر کے بھی ویسا ہی رہا، اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ بہ خلاف اس کے سیلاّ نے اپنی کام یابی سے اوّل اوّل اعتدال و انکسار کے ساتھ کام لیا اور امیدیں دلائیں کہ وہ سچا محبِ وطن ثابت ہوگا

اور اُمرا و عوام کے حقوق کی پوری حفاظت کرے گا۔ دوسرے جوانی میں وہ نہایت خوش مزاج اور زندہ دل تھا اور آسانی سے لوگوں کی ہم دردی میں آنسو بہانے لگتا تھا۔ اسی لیے یہ سخت گیری شاید واجبی طور پہ جاہ و منصب کی بدنامی کا باعث ہوئی کہ گویا یہ چیزیں انسان کی عادت اور مزاج کو بگاڑ کر اُس میں غرور و تشدّد اور سخت بے رحمی پیدا کر دیتی ہیں۔ یہ بحث کہ انسان کی فطرت میں دولت و کامرانی سے واقعی ایسا انقلاب اور تغیّر واقع ہو جاتا ہو یا یہ کہ انسانی سرشت میں بدی چھپی ہوئی ہوتی ہو جو حکومت و اقتدار سے بے نقاب ہو جاتی ہو، اس کا فیصلہ کرنے کا یہ موقع نہیں ہو۔

معلوم ہوتا تھا کہ سیلّا لوگوں کو قتل کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھا ہو۔ کیوں کہ شہر بھر میں خوں ریزی کا بازار گرم تھا، بے حد و حساب آدمی مارے گئے جن میں بعض بالکل لاتعلق تھے جو ذاتی عداوت کا شکار ہوئے۔ اس لیے کہ سیلّا دوستوں کی خاطر ایسی زیادتی کرنے کی اجازت دے دیتا تھا۔

آخر ایک نوجوان رکنِ مجلس، کایوس متی لوس نے اجلاس میں یہ سوال کرنے کی جرأت کی کہ ان تشدّدوں کا کوئی اختتام بھی ہو اور یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟ اس نے کہا "ہم آپ سے یہ بالکل نہیں کہتے کہ جن کو آپ ختم کرنا چاہتے ہیں، ان کو معافی دی جائے لیکن جن کو آپ چھوڑنا چاہتے ہیں، ان کو تو تشویش سے نجات دلا دیجیے۔" بعض مصنف لکھتے ہیں کہ یہ

آخری کلمات متی لوس نے نہیں کہے بلکہ سیلا کے ایک خوشامدی مصاحب نے کہے تھے۔ بہ ہر حال اُس نے اقرار کیا کہ اس قسم کا اعلان کر دوں گا مگر دوسرے ہی دن عدالتی حُکّام کو خبر بھی نہ کی اور اسّی واجب القتل اشخاص کی فہرست شائع کی۔ پھر عام ناراضی کے باوجود ایک دن بعد دو سو بیس آدمیوں کے ناموں کا پھر تیسرے دن اسی قدر اور ناموں کا اعلان کیا۔ اس موقع پر ایک تقریر میں اس نے لوگوں سے یہ بھی کہا کہ جتنے نام میرے ذہن میں تھے وہ لکھ دیے ہیں مگر جو بعد میں یاد آئیں گے، ان کا آیندہ اعلان کر دوں گا۔ پھر ایک یہ حکم نافذ کیا کہ سزائے موت عین انسانیت ہے اور جو شخص اشتہاری مجرموں کو پناہ دے گا، بھائی ہو، بیٹا ہو یا والدین، وہ بھی واجب القتل سمجھا جائے گا۔ قاتل کے واسطے دو سونے کی اینٹ کا انعام بھی مقرّر کیا خواہ مارنے والا مقتول کا غلام یا باپ یا بیٹا کیوں نہ ہو۔ ان سب سے بڑھ کر جو بات ظالمانہ سمجھی گئی وہ مقتولوں کے مال و اسباب کی ضبطی کا حکم تھا جو ان کی نرینہ اولاد اور اولاد کی اولاد تک کے اموال پر نافذ کیا گیا۔ پھر یہ مظالم شہر رومہ تک محدود نہ تھے بلکہ اطالیہ کے تمام شہروں میں اتنی خوں ریزی ہوئی کہ دیوتاؤں کے معبد اور میزبانوں کے یا باپ دادا کے گھر کسی کا پاس و لحاظ نہ کیا گیا۔ شوہر، بیویوں کی آغوش میں اور بچے ماؤں کی گودوں میں ذبح کیے گئے۔ طرّہ یہ کہ سرکاری یا ذاتی عداوت کا جو لوگ شکار ہوئے، وہ تعداد اُن کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھی جو شخص اپنی دولت مندی کی بنا پر

مارے گئے۔ خونی تک کہتے تھے کہ فلاں شخص اپنے شان دار مکان کی وجہ سے مارا گیا اور فلاں اپنے باغ یا گرم حماموں کے باعث موت کا لقمہ بنا۔ ایک ایسی مثال کوان توس اوریلیوس کی ہے جو خاموش مرنجان مرنج آدمی تھا اور سمجھتا تھا کہ اس قیامتِ صغرا میں اُس کا کام اسی قدر ہے کہ مصیبت زدوں کی ہم دردی کرتا رہے گا مگر ایک روز چوک میں جدید فہرست پڑھنے آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ خود اس کا نام بھی اشتہاریوں میں درج ہے۔ بے اختیار چلّایا: ارے کم بختی میرے مزرعے نے میری چغلی کھائی! پھر تھوڑی دور جانے پایا تھا کہ ایک بدمعاش نے جو اس غرض سے بھیجا گیا تھا، اُسے ہلاک کر دیا۔

اس عرصے میں محصور ماریوس نے گرفتاری سے مفر نہ دیکھا تو خودکشی کر لی اور سیلا خود شہر پری نستہ آیا اور اوّل اوّل ہر شخص کا الگ الگ حال سن کر مناسب فیصلے کرتا رہا لیکن جب دیکھا کہ اس میں بہت دیر لگے گی تو سب شہر والوں کو ایک جگہ ٹھونس کر قتلِ عام کا حکم دیا۔ صرف اپنے میزبان کو اُس نے مستثنیٰ کر دیا تھا لیکن اس نے کمالِ دلیری سے کہا کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے، جس نے وطن کو تباہ کیا، جاں بخشی کا احسان لینا نہیں چاہتا۔ اور مارے جانے والوں میں جا کر خوشی سے جلّاد کے آگے گردن جھکا دی۔ ایک سب سے عجیب حرکت لوسیوس کاتی لینا نے کی کہ قتل کی نوبت آنے سے پہلے خود اپنے بھائی کو مار ڈالا اور پھر سیلا

سے جا کر اُس مقتول کا نام بھی فہرست میں لکھوایا گویا وہ زندہ تھا۔ اور اس عنایت کے عوض میں سیلاؔ کے مخالف اشخاص میں سے ایک اور شخص مارکوس کو مار کر اُس کا سر سیلاؔ کے حضور میں لایا جو چوک کی کچہری میں بیٹھا تھا۔ اس کے بعد اپالو دیوتا کے مقدس کنڈ پر (جو قریب ہی تھا) جا کر اپنے ہاتھ دھو لیے۔

اس خوں ریزی کے علاوہ اور باتیں بھی لوگوں کی تکلیف کا باعث ہوئیں۔ مثلاً سیلاؔ نے اپنے مختار مطلق یا آمر ہونے کا اعلان کرایا حال آں کہ یہ منصب ایک سو بیس سال کی مدت سے معطل رہا تھا۔ پھر ایک اور قانون مرتب کرایا جس کی رُو سے اس کے تمام گزشتہ افعال نظر انداز کیے گئے اور آئندہ کے واسطے مرگ و زیست، ضبطیٔ اموال، تقسیم اراضی، شہروں کو بنانے یا برباد کرنے اور بادشاہوں کو حسب منشا جسے چاہے دینے کے کامل اختیارات دیے گئے تھے۔ ضبط شدہ اموال کی فروخت بھی وہ کچہری میں بیٹھ کر ایسی خود داری اور شان سے کراتا تھا کہ یہ فیاضیاں، ضبطیوں سے زیادہ موجب شکایت ہوئیں۔ ڈومنیوں اور گویوں اور بہت ہی ادنا درجے کے موالی کو بڑے بڑے علاقے اور شہر کے شہر معافی میں مل جاتے تھے۔ عالی خاندان عورتیں اپنی مرضی کے خلاف ان کمینوں سے زبردستی بیاہ دی جاتی تھیں۔ پومپی کی رفاقت کو خاندانی رشتے سے استوار بنانے کے لیے اُس نے اپنی ربیبہ لڑکی اِمی لیا کو مجبور کیا کہ شوہر گلاب ریو کو چھوڑ دے۔ اور حاملہ ہونے کے باوجود پومپی سے بیاہ دیا اور اسی زچگی میں وہ پومپی کے گھر جا کر فوت ہوئی۔

اس کا سردار اوفلا قنصلی کا عہدہ چاہتا تھا۔ سیلّا نے پہلے تو اسے منع کیا لیکن دیکھا کہ وہ نہ مانے گا تو عین چوک میں جب وہ بہت سے ساتھیوں کے ہمراہ آیا، کسی یک صدی سردار کو بھیج کر، اسے قتل کرا دیا اور خود کاستور کے مندر میں ممبر پر چڑھا یہ تماشا دیکھتا رہا۔ شہریوں نے قاتل کو پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوئے اس کے سامنے لائے تو سیلّا نے کہا شور مت کرو، اسے چھوڑ دو۔ قتل کا حکم میں نے دیا تھا۔ حال آں کہ اوفلا نے سیلّا کے بڑے حریف (نوجوان) ماریوس کو محصور و مغلوب کیا تھا۔

اس کا جلوس فتح بہت شان دار نکالا گیا۔ اس میں نہ صرف نہایت بیش قیمت اور نادر غنائم کی نمائش تھی بلکہ جلا وطنوں کا جنھیں سیلّا واپس لایا تھا، جلو میں چلنا سب سے بڑی شان اور امتیاز کی بات تھی۔ ان میں معزز و ممتاز ترین شہری ہار پہنے شامل تھے اور سیلّا کو پکار پکار کر باپ اور ناجی کے القاب سے یاد کر رہے تھے کہ اس کی بہ دولت ہمیں اپنے وطن کی صورت دیکھنی نصیب ہوئی اور دوبارہ بیوی بچّوں سے ملنے کی خوشی میسّر آئی۔ یہ رسم ادا ہو چکی اور تمام حالات کی کیفیت بیان کرنے کا وقت آیا تو عام اجلاس میں اس نے اپنے کارنامے جس تفصیل سے سُنائے، اُسی شرح و بسط کے ساتھ اُن کامیابیوں کا تذکرہ کیا جو محض تقدیر کی یاوری سے حاصل ہوئی تھیں۔ چناں چہ آخر میں اسی بنا پر "خوش نصیب" کا خطاب دیے جانے کی استدعا کی۔ یونانیوں کے ساتھ رسل و رسائل میں بھی اپنے نام کے ساتھ وہ "اپافرودی تس" کے عرف کا اضافہ کر لیتا تھا اور اس کی بیوی کے ہاں توام بچّے ہوئے تو لڑکے کا نام فاوس تس اور لڑکی کا

فاوستنا رکھا جو دو حصہ میں نیک فال اور بھاگوان کے معنی میں بولے جاتے ہیں۔ سیلاؔ کو اپنی ذاتی قابلیت کی بجائے اقبال مندی پر جو بھروسا تھا، اسی کی بنا پر اس نے اپنے غیر معمولی اختیارات سے از خود دست برداری دے دی اور قنصلوں کا انتخاب دوبارہ عوام کی رائے پر چھوڑ دیا۔ حال آں کہ وہ اتنا کچھ کشت و خون اور ملک میں طرح طرح کے انقلابات کا باعث بنا تھا۔ پھر خود نہ قنصلی کے عہدے کا امیدوار بننا منظور کیا نہ معمولی آدمی کی طرح چوک میں آنے جانے اور عوام کے مجمعوں میں بے تکلف نکلنے سے کوئی پرہیز کیا۔ حتیٰ کہ خود اس کا ایک مخالف لیپی دوس قنصلی کے لیے کھڑا ہوا اور زیادہ تر ہر دل عزیز پومپی کی تائید سے کامیابی پائی، تو اس وقت بھی سیلاؔ نے ناگواری کے باوجود کوئی رکاوٹ نہ ڈالی البتہ پومپی سے اتنا کہا کہ "بھیا، یہ بھی خوش اخلاقی کی انتہا ہے کہ تم نے کاتولس جیسے بہتر آدمی کو چھوڑ کر لیپی دوس جیسے نالائق ترین شخص کا انتخاب کیا! مگر اب ذرا ہوشیار رہنا کہ تم نے اپنے دشمن کو خود طاقت ور بنا دیا ہے۔" اس کا یہ قول گویا وجدانی پیش بینی پر مبنی تھا کہ واقعی چند ہی روز بعد لیپی دوس نے سرکشی اختیار کی اور پومپی اور اس کے دوستوں سے علانیہ لڑ پڑا۔

سیلاؔ نے اپنے اموال کا دسواں حصہ ہرقل سورما کے نام پر خرچ کیا اور عام و خاص کی شاہانہ پیمانے پر ضیافت کی۔ ان میں کھانے پینے کے سامان کی وہ افراط تھی کہ روزانہ ڈھیروں گوشت

پُرانی شرابوں کے دَور چلتے تھے۔ انھی جلسوں کے درمیان سیلاؔ کی بیوی میتی لا مرض الموت میں مبتلا ہوئی اور چوں کہ پجاریوں نے سیلاؔ کو عیادت کرنے سے منع کیا اور اپنا گھر سوگ کی نحوست سے محفوظ رکھنے کی ہدایت کی تھی، لہٰذا اُس نے طلاق نامہ لکھ کر اسے اپنے مکان سے دوسری جگہ منتقل کرادیا۔ اس حد تک مذہبی اوہام کی وجہ سے ان کے سخت احکام کی لفظ بہ لفظ تعمیل کی لیکن جب وہ فوت ہوگئی تو تجہیز و تکفین میں دل کھول کے خرچ کیا بلکہ ایسے اخراجات کی حد بندی کا جو قانون خود بنایا تھا، اس کی بھی خلاف ورزی کی۔ اسی طرح ضیافتوں کے خرچ کے متعلق جو قانون نافذ کیے تھے، اُن سے تجاوز کیا اور غم غلط کرنے کی یہی تدبیر سوچی کہ بڑے پیمانے پر شراب کباب کی دعوتیں اور بھانڈ بھنڈیلوں کے ساتھ خوب رنگ رلیاں کیں۔ اسی کے چند ماہ بعد ایک روز وہ تماشا گاہ میں سب کے ساتھ بیٹھا تھا کیوں کہ اس وقت تک نشستوں میں کوئی تخصیص نہیں کی جاتی تھی، کہ ایک حسین و عالی خاندان عورت نے جس کی نشست اس کے قریب تھی، عقب سے گزرتے ہوئے ہاتھ ٹکا کر، اور اس پر ذرا جھک کر چغے کا تھوڑا سا اُون نوچ لیا اور اپنی جگہ جا بیٹھی۔ سیلاؔ نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا تو بولی "اے طاقت ور سردار، آپ کی خوش نصیبی میں سے ذرا سا حصہ میں نے لے لیا تو کیا ہرج ہے!" صاف معلوم ہوتا تھا کہ سیلاؔ یہ سُن کر ناخوش نہ ہوا بلکہ اُسے ٹوہ سی لگ گئی اور عورت کا نام وغیرہ دریافت کرایا۔ وہ مسالا کی بیٹی والریا تھی اور انھی دنوں اسے اپنے شوہر سے طلاق ملی تھی۔ اس تعارف کے بعد وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر اکثر

مسکرا دیتے اور آخر پیام سلام کے بعد اُن کی شادی ہوگئی ۔ اگرچہ یہ خاتون کچھ بہت باحیا اور پارسا قسم کی عورت نہ تھی لیکن اس کی سلسلہ جنبانی بہت ممکن ہو بغیر کسی بد ارادے کے ہو البتہ سیلاؔ نے جو اس عمر میں شادی رچائی اور لڑکوں کی طرح صورت دیکھتے ہی اُس کے جذبات بھڑک اُٹھے، یہ اعتدال اور اس کی شان کے مناسب نہ تھا ۔ ایسی ادائیں اکثر بے حیا اوباشوں ہی کے جذبات کو مشتعل کیا کرتی ہیں ۔

اس شادی کے باوجود وہ نقّال عورتوں ، رنڈیوں وغیرہ کی صحبت سے دست بردار نہیں ہوا بلکہ دن رات کوچوں پر پڑا اُن کے ساتھ شراب خواری کرتا رہتا تھا ۔ روس کیو مسخرا ، سوریش مہاکتھک اور مت روبیوس سانگی اُس کے سب سے بڑے منظورِ نظر تھے اور اتنی عمر آجانے پر بھی وہ ان پر فریفتہ تھا ۔ ان بے اعتدالیوں سے وہ ایک مرض کی پرورش کرتا رہا مگر بہت دن تک نہ سمجھا کہ اُس کی آنتوں میں دانے ہوگئے ہیں حتّٰی کہ گوشت نے بگڑ کی کیڑم کی شکل اختیار کرلی اور اس کثرت سے یہ جوئیں پیدا ہوئیں کہ کئی کئی آدمی مقرّر تھے کہ انھیں دن رات مارتے رہیں پھر بھی وہ اُن کے ہاتھوں سے نکل نکل جاتی تھیں اور سیلاؔ کے نہ صرف کپڑوں اور غسل خانے اور سیلاب چی وغیرہ میں بلکہ کھانے تک میں فوج در فوج چلی آتی تھیں ۔ وہ بار بار حمام میں جاتا بعد بدن صاف کرتا کہ اس بلا سے نجات ملے مگر وہ کسی طرح کم نہ ہوتی تھیں

جس سے قدیم زمانے میں اکاس تُوس (خلف پل یاس) نے وفات پائی اور قریب زمانے میں الکمان شاعر، فری کی ڈس فاضل الٰہیات، اور قید کے ایّام میں کالس تِن اور قانون داں موکیوس مرے۔ اور اگر ہم کمینہ لوگوں کو بھی شمار کریں تو یونوس مغرور جس نے صقلیہ میں غلاموں کو اپنے مالکوں کے خلاف بھڑکایا، جب گرفتار کر کے روما لایا گیا تو اسی کرم کے مرض کا شکار ہوا۔

سیلّا کو اپنی موت نظر آگئی تھی بلکہ اُس نے خود تحریر کردی تھی۔ چناں چہ اپنی سوانح کی بائیسویں جلد میں، جو مرنے سے دو روز قبل ختم کی، لکھتا ہے کہ کالدیہ کے رمّالوں نے مجھ سے پیش گوئی کی تھی کہ عزت کی زندگی گزار کر عین اقبال مندی کے دَور میں میرا خاتمہ ہوگا۔ نیز لکھتا ہے کہ میں نے اپنے مرے ہوے بیٹے کو خواب میں دیکھا کہ ماتمی لباس میں کھڑا مجھے بُلاتا اور التجا کرتا ہے کہ اس تکلیف کی زندگی کو خیرباد کہو اور یہاں آکر میتی لا کے ساتھ عیش و آرام سے بسر کرو۔ بہ ایں ہمہ اس حال میں بھی وہ لوگوں کے معاملات میں دخل دینے سے باز نہ رہ سکا۔ مرنے سے دس دن پہلے اُس نے ڈی کیارکیا کے لوگوں کا قضیہ چُکایا اور اُن کی بہتر حکومت کے لیے قواعد و ضوابط نافذ کیے۔ پھر عین مرنے کے دن یہ سُن کر کہ ایک عدالتی حاکم (گرانیوس) نے کسی سرکاری قرضے کی ادائی سیلّا کی موت کے انتظار میں ملتوی کردی ہے، اسے گھر سے بُلوایا اور اپنے آدمیوں کے نرغے میں لے کر گلا گھونٹ کر مروا دیا۔ لیکن بولنے اور جسم سے کام لینے میں جو زور پڑا، اُسی سے پھوڑا پھوٹ گیا اور بہت سا خون بہا جس نے اُسے بہت ناتواں کر دیا

اور رات تکلیف سے بسر کر کے صبح ہوتے وہ مر گیا۔ مِتی لا سے اُس نے دو بچّے چھوڑے اور والیریا سے سیلّا کی وفات کے بعد ایک بیٹی ہوئی جس کا نام پوسٹ ہیوما رکھا گیا کیوں کہ باپ کے مرنے کے بعد جو اولاد ہو اس کا رومی یہی نام رکھ دیتے ہیں۔

بہت سے لوگ دوڑے اور لیپی دوس کے ساتھ مل کر چاہتے تھے کہ اس کی لاش پر مقررہ مراسم تجہیز و تکفین ادا نہ ہونے پائیں مگر پومپی ایک جماعت کو کہہ سُن کر اور بعض کو ڈرا دھمکا کر ساتھ لایا اور عزت آبرو کے ساتھ اس کی لاش شہر میں دفن کرائی۔ اگرچہ سیلّا نے اپنی وصیت میں دوسرے سب احباب کا نام لکھا اور پومپی کو نظر انداز کر دیا تھا جس سے وہ ناراض ہو گیا تھا۔

کہتے ہیں رومی خواتین نے اس کثرت سے جنازے پر بخورات وغیرہ بھیجے کہ دو سو دس پالکیوں میں لائے جانے کے علاوہ ایک ڈھیر بچ گیا کہ ایک سیلّا کا بڑا سا پُتلا اور دوسرا ایک تبردار کا پُتلا عود اور جزو سے تیار تیار ہو گیا۔ پھر بارش کے آثار دیکھ کر وہ تیسرے پہر تک ٹھیر گئے تھے کہ تیز ہوا نے از خود چتا کی آگ بھڑکا دی اور لاش مقررہ وقت پر ہی جل گئی اس کے بعد ہی زور کا مینہ آیا اور رات تک برستا رہا۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ اُس کی خوش نصیبی آخر تک اس کے شاملِ حال رہی اور تقدیر ہی نے اس کے جلانے کا کام انجام دیا۔ اس کی یادگار مارتیوس کے میدان میں قائم ہے اور خود اس کا لکھا ہوا کتبہ لوح پر کندہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بھلائی کرنے میں کسی دوست سے کم نہیں رہا۔ نہ بُرائی کرنے میں اپنے کسی دشمن سے ہیٹا رہا۔

موازنہ لی ساندر و سیلا

اس سیرت کو ختم کر کے اب ہم موازنے پر آتے ہیں۔ ان دونوں میں یہ بات مشترک تھی کہ وہ خود اپنی عظمت کے بانی ہوئے۔ مگر فرق یہ ہے کہ لی ساندر نے جو اقتدار و مرتبہ حاصل کیا، وہ اپنے اہلِ وطن کی رضامندی سے اور ایسے زمانے میں جب کہ وہ اطمینان سے فیصلہ کر سکتے تھے، اسے ملا تھا۔ اُس نے کوئی چیز اُن سے جبراً حاصل نہیں کی نہ قانون کے خلاف حکومت پر قابض ہوا ورنہ بہ قولِ شاعر ع:

خانہ جنگی میں تو ہو جاتے ہیں اشرار بھی شیر!

چناں چہ رومہ کا اُن دنوں یہی حال تھا کہ حکومت کی کل اور لوگوں کے مزاج بگڑ گئے تھے اور ایک نہ ایک شخص مطلق العنان حاکم بنا لیا جاتا تھا۔ لہٰذا جب نوبت یہ ہو کہ مُفسد اور شورہ پُشت لوگ بہترین اشخاص کو جلاوطن کرا دیں۔ قنصلوں کے فرزند عین مجلس میں قتل کر دیے جائیں، سونے چاندی سے سلحہ اور آدمی خریدے جا سکیں اور آگ اور تلوار نئے نئے قانون بنا کے جائز اختلاف کا سر کچل دیں، تو کیا تعجب ہے کہ سیلا ملک پر فرماں روائی کرے۔ مگر میں اس کو قابلِ الزام نہیں سمجھتا کہ ایسے حالات میں اقتدار اعلا تک پہنچا البتہ میں سلطنت کی اس قدر افسوس ناک ابتری میں، اس کا حاکم ہو جانا کسی بڑی خوبی کی بات نہیں تسلیم کرتا۔ لی ساندر کو اپنی وطنی حکومت کی سبب سے بڑی قیادت ایک ایسے شہر کی طرف

سے دی گئی جس کا نظم نہایت عمدہ تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک بہت اچھی اور صالح ریاست میں وہ سب سے اچھا اور صالح آدمی مانا جاتا تھا۔ اور چوں کہ کئی بار اُس نے تمام اختیارات اہلِ شہر کو واپس دے دیے اور پھر جب ضرورت پیش آئی تو انھوں نے پھر حکومت و سرداری اس کے تفویض کی تو یہ ثبوت ہے کہ یہ فضیلت اسے اپنے اعلا اوصاف اور سب سے بہتر شخص ہونے کی وجہ سے ملتی تھی۔ بہ خلاف اس کے سیلا کو جب ایک لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا گیا تو پھر وہ دس برس تک اس عہدے سے دست کش نہ ہوا بلکہ خود ہی کبھی اپنے کو قنصل بنا لیتا، کبھی نائب قنصل اور کبھی مختار مطلق، مگر ہر حال میں حاکم جابر یا مطلق العنان ہی رہا۔

یہ سچ ہے کہ لی سان در کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بھی حکومت کی نئی تشکیل کرنی چاہتا تھا لیکن اس کا منصوبہ یہ تھا کہ نرمی سے اور اور قانون کے مطابق کام کرے۔ سیلا کی طرح تلوار کے زور سے یا ساری حکومت کو ایک دم اُلٹ پلٹ کر کے نہیں، بلکہ لوگوں کو سمجھا بجھا کر صرف بادشاہوں کی وراثت کے قاعدے میں ترمیم کرائے۔ پھر یہ ترمیم بھی عین فطرت کے مطابق معلوم ہوتی ہے کہ وہ ریاست جو سارے یونان پر شرافتِ نسب کی بجائے محض اپنے عمدہ اوصاف کی بنا پر اقتدار رکھتی تھی، خود وہاں کی بادشاہی سب سے مستحق شہری کو دی جایا کرے۔ شکاری پلّے کو دیکھتا ہے اور تاجر اسپ بچھیرے کو نہ کہ اس کی جنائی ماں کو۔ اب اگر حاکم اعلا کا انتخاب کرتے وقت لوگ اس کے ذاتی اوصاف کی بجائے محض اُس کے نسب

کو دیکھیں تو یہ کون سی عقل کی بات ہوگی؟ اگلی اسپارٹہ والوں نے اپنے کئی بادشاہوں کو معزول کیا کہ وہ ناکارہ اور اوصافِ شاہی سے عاری تھے۔ غرض یہ ثابت ہے کہ بُری سرشت خواہ آدمی کیسے ہی قدیم خاندان کا ہو، باعثِ عار ہے۔ اسی طرح نکوئی، بہ ذاتِ خود، نہ بہ سبب نسب کے، لائق اعزاز ہے۔

دوستوں کے باب میں لی سانڈر نے تو اُن کی خاطر بے انصافیاں اور قتلِ عام کرا کے بہتوں کو ناراض کیا مگر سیلّا نے حسد سے پومپی اور دولابیلا کی سپہ سالاریاں چھین لیں جو خود عنایت کی تھیں اور اوفلا کو جو بہت سی نمایاں خدمات انجام دے کر صلے میں قنصلی کا امیدوار تھا، اپنی آنکھوں کے سامنے قتل کرا دیا۔ کہ لوگوں کے دل میں عزیز ترین دوستوں کے ساتھ اس کی یہ بے رحمی دیکھ کر خوف و دہشت طاری ہوگئی۔

دولت و عیش کے شوق میں بھی، ہم ایک کو شاہانہ اور دوسرے کو ظالمانہ میلان کا حامل دیکھتے ہیں۔ لی سانڈر نے اسباب و وسائل پر پورا تصرّف ہونے کے باوجود کبھی بے اعتدالی اور شہوت پرستی نہیں کی بلکہ ایسی پاک صاف زندگی بسر کی جتنی کوئی شخص بسر کر سکتا ہے اور ایک سچے اسپارٹی کی طرح اس کا چلن ہمیشہ نہایت معتدل اور باضابطہ رہا۔ مگر سیلّا اپنی بے روک عاشق مزاجی میں کبھی اعتدال پر نہیں رہا نہ جوانی میں مفلسی کی وجہ سے، نہ بڑھاپے میں سن و سال کے لحاظ سے۔ وہ دوسروں کے لیے پاک بازی اور ضبطِ نفس کے قانون پر قانون نافذ کرتا تھا مگر

خود آخر دم تک، جیسا کہ سالوسٹ نے وثوق سے لکھا ہے، عیاشی اور زنا کاری کرتا رہا۔ اسی کی بہ دولت اُس کا خرچ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ بڑے بڑے مال دار سے مال دار خاندانوں کی املاک کی ضبطیاں اور قرقیاں بھی اُس کے واسطے کفایت نہ کرتی تھیں۔ شہر رومہ کے خزانے خالی ہوئے جاتے تھے اور وہ رُپے کی خاطر دوسرے شہروں کے ہاتھ حقوق و مُراعات بیچنے پہ مجبور ہو جاتا تھا۔ خوشامد خوروں کے لیے اس کی مسرفانہ اور فضول داد و دہش کی کوئی انتہا نہ تھی۔ خلوت میں شراب نوشی کے وقت وہ شخص کفایت شعاری یا عواقب کی کیا پروا کرسکتا تھا جس نے بھرے مجمع کے سامنے ایک بڑی جائے داد کا نیلام کرتے وقت اپنے کسی دوست کو برائے نام قیمت پر دے دیا اور جب ایک شخص نے بڑھ کر بولی لگائی تو طیش میں آکر چلّایا کہ لوگو یہ کیسی عجیب اور ظلم کی بات ہے کہ میں اپنی لوٹ کو بھی جس طرح چاہوں، کام میں نہیں لاسکتا؟ مگر اس کے بالکل برعکس، لی سان در نے مالِ غنیمت کے ساتھ وہ تحائف بھی جو خود اُسے دیے گئے تھے، سب کے کام آنے کے واسطے وطن بھیج دیے۔ اگرچہ میں اسے قابلِ تعریف نہیں سمجھتا کہ اُس نے اپنی فیاضی سے اسپارٹہ کو اُس سے بھی زیادہ نقصان پہنچایا جتنا سیلا نے غارت گری سے رومہ کو پہنچایا تھا، بلکہ یہاں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ لی سان در دولت و مال سے کتنا بے نیاز تھا۔ ورنہ حقیقت میں یہ عجیب بات ہے کہ اپنے اپنے

شہروں پر ان دونوں کا اثر کس قدر خلاف توقع ہوا۔ سیلّا اول درجے کا اوباش تھا مگر برابر کوشش کرتا رہا کہ اہلِ وطن پرہیزگاری کی زندگی بسر کریں اور لی سان در نے نہایت معتدل مزاج ہونے کے باوصف اسپارٹا کو سامانِ عیش و عشرت سے جسے خود پسند نہ کرتا تھا، معمور کر دیا۔ پس یہ دونوں قابلِ الزام ٹھہرتے ہیں۔ ایک تو اس لیے کہ خود اپنے قوانین سے تجاوز کرتا رہا اور دوسرا اس بنا پر کہ اہلِ وطن کو اپنی مثال سے فروتر بنا دینے کا باعث ہوا۔ اس نے اسپارٹا کو اُن چیزوں کی طلب گاری کا سبق دیا جس سے خود بے نیاز رہنے کا سبق پڑھا تھا۔ مگر شہری حکومت کے باب میں ان کی نسبت اسی قدر لکھنا کافی ہوگا۔

رہے جنگی کارنامے، تو جنگ کے عاقلانہ انتظام، بے شمار فتوحات اور خطرناک دلیریوں میں سیلّا کا کوئی جواب نہیں نظر آتا۔ بے شک لی سان در دو بحری معرکوں میں فتح یاب ہوا اور اتھینز کے محاصرے کو بھی میں اضافہ کیے دیتا ہوں جو حقیقت میں اتنا مشکل کام نہ تھا جتنا باعثِ شہرت ہوا اور بیوشیہ میں اس کی ناکامی کو بھی ہم بدنصیبی پر محمول کر سکتے ہیں اگرچہ یہ سراسر کم اندیشی کی بات معلوم ہوتی ہے کہ شاہی فوج کا انتظار کیے بغیر جو بالکل قریب پہنچ چکی تھی، محض خود نمائی اور شوقِ جنگ کے باعث وہ بے موقع شہر پناہ پر حملہ آور ہوا اور مٹھی بھر آدمیوں کے حملہ کرنے سے شکست کھائی اور مارا گیا۔ پھر اس نے جو مہلک زخم کھایا وہ بہادروں کی طرح لڑتے ہوئے نہیں، جیسا کہ بڑے بڑے سپہ سالاروں کے شایانِ شان ہے، بلکہ محض ایک معمولی آویزش میں، گھٹیا

کی طرح اپنے کو ہلاکت میں ڈالا اور اسپارٹہ والوں کے اس قدیم قول کی گویا تصدیق کردی کہ فصیل والے شہروں پر حملہ کرنے سے پرہیز کیا جائے، جس میں امکان ہے کہ مضبوط سے مضبوط جنگ آزما بہت ہی ادنا درجے کے حریف بلکہ کسی لڑکے یا عورت کے ہاتھ سے مارا جائے جیسا کہ اکی لس سورما کی نسبت کہا جاتا ہے کہ شہر پناہ کے دروازے پر پاریس کے ہاتھوں مارا گیا۔ سیلاؔ کی نسبت یہ بتانا مشکل ہے کہ کتنے معرکے جم کر لڑا اور کتنے ہزار حریفوں کو اس نے قتل کیا۔ خود رومہ کو اس نے دو دفعہ فتح کیا اور ایتھنز کو کئی معرکوں کے بعد مسخر کیا۔ حال آں کہ لی سان در نے یہ کامیابی محض محصوروں میں قحط پڑ جانے سے پائی تھی۔ دوسرے بڑا فرق حریف سپہ سالاروں میں تھا۔ کیوں کہ انٹیوکوس کو شکست دینا یا فی لوکلس کو جو ایتھنز کا بازاری مقرر تھا اور بہ قولِ شاعر اس کی "ساری تیزی زبان کی ذلیل نوک میں تھی" چکّر دے دینا، میرے نزدیک کچھ بڑی بات نہ تھی۔ ایسے سرداروں کو تو میت ری داتس اپنے سائیس کے برابر سمجھنے میں اور ماریوس اپنے چپراسی کے مقابل لانے میں بھی شاید شرم کرتا۔ مگر اور سب امیروں، سپہ سالاروں اور تقریربازوں کو چھوڑ کر، ایک ماریوس ہی کو لیجیے کہ رومیوں میں ایسا زبردست سپہ سالار ؟ نیز میت ری داتس سے بڑھ کر طاقت ور بادشاہ یا اطالیہ والوں میں تلی سی نوس سے زیادہ جنگ جو حریف کون ہو سکتا تھا۔ مگر سیلاؔ نے

ایک کو ملک سے نکال باہر کیا، دوسرے کو دبا کر صلح کرائی اور تیسرے کو تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ پھر ایک اور سب سے اہم بات، میرے خیال میں یہ ہے کہ لی سان ڈر کو اپنے سب کاموں میں حکومت کی امداد حاصل تھی۔ مگر سیلا تو سمجھتا تھا کہ وہ خارج البلد شخص ہے۔ فریقِ مخالف غالب آچکا ہے۔ بیوی تک گھر سے نکال دی گئی اور حامیوں کا قلع قمع کر دیا گیا ہے۔ اس حال میں بھی بے شمار وطنی دشمنوں کا وہ یونان میں مقابلہ کرتا اور وطن کے لیے جان کی بازی لگاتا اور آخر میں فتح کے نقارے بجاتا ہے۔ وہ میت ری داتس کی مدد کی پیش کش سُن کر بھی ذرا نہیں جھکتا اور بادشاہ سے ہاتھ تک نہیں ملاتا جب تک کہ وہ صوبہ ایشیا کو خالی کرنے، بیڑا دے دینے اور بتھی نیہ و کپادوسیہ کو وہاں کے رومی باج گزاروں کے حوالے کر دینے کا اپنے مُنہ سے اقرار نہیں کر لیتا۔ اس سے زیادہ شرافت و شجاعت کا کام سیلا سے کبھی دوسرا نہیں بن پڑا کہ اس نازک موقع پر شخصی فوائد پر قومی مصالح کو اس نے ترجیح دی اور اعلا درجے کے شکاری کتوں کی طرح، جب ایک دفعہ شکار پر مُنہ ڈال دیا تو پھر دشمن کے ہار مان جانے تک گرفت ڈھیلی نہ کی اور صرف اس کے بعد وہ اپنے شخصی جھگڑے تلوار کے زور سے چُکانے پر متوجہ ہوا۔

ایتھنز کے ساتھ ان دونوں فاتحوں نے جو سلوک

کیا، شاید وہ بھی موازنے میں ہماری راے پر اثر انداز ہو - سیلاؔ نے جب یہ شہر لیا تو اس وقت ایتھنز اُس کے مقابلے میں میت ری داتس کی حکومت کی حمایت کر رہا تھا - پھر بھی فاتح سیلاؔ نے اس کی آزادی بحال کر دی اور اپنے قوانین کے مطابق کام کرنے کی اسے اجازت دی - اس کے برخلاف ، لی سان در نے اُسے تسخیر کیا تو یہ شہر اس وقت انتہائی عروج و اقتدار کی بلندی سے گرا تھا - مگر فاتح نے مطلق رعایت نہ کی بلکہ اس کی جمہوری حکومت توڑ کر وہاں ظالم ترین قانون شکن جابروں کو مسلط کر دیا - اتنا کچھ لکھ کر اب ہم یہ فیصلہ کرنے کے قابل ہیں کہ اگر ہم یہ کہیں کہ سیلاؔ نے تو بہت سے نشان دار کام کیے اور لی سان در نے کم خطائیں کیں - اور اسی طرح ایک کو تو اعتدال و ضبط نفس میں فضیلت دیں اور دوسرے کو عمل اور شجاعت میں ، تو ہم صداقت سے دُور تو نہ ہو جائیں گے

حیاتِ جاوید

مولانا حالی مرحوم نے اپنی اس قابلِ قدر تصنیف میں سر سیّد احمد خاں مرحوم کے حالات نہایت شرح و بسط سے لکھے ہیں، زبان اور مضمون کے لحاظ سے یہ کتاب اُردو زبان کی بے نظیر تصنیف ہے، قیمت مجلد پانچ روپے چھ آنے (چہ) بلا جلد پانچ روپے (صہ؍)

تذکرۂ شعرائے اُردو

یعنی میر حسن مصنف مثنوی "بدرِ منیر" کا قابلِ قدر تذکرہ، یہ تذکرہ اس سے پہلے بھی انجمن کی طرف سے شائع ہو چکا ہے، لیکن اب مختلف نسخوں سے مقابلہ کر کے خاص اہتمام کے ساتھ شائع کیا گیا ہے، قیمت مجلد ایک روپیہ چودہ آنے (عہ؍) بلا جلد ایک روپیہ چھ آنے (عہ)

انجمن ترقی اُردو (ہند)

نمبر ۱ دریا گنج دہلی

UNIVERSITY LIBRARY
SRINAGAR
33553
26-5-60

Allama Iqbal Library
33553

ہماری زبان

انجمن ترقی اُردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار
ہر مہینے کی پہلی اور سولھویں تاریخ کو شائع ہوتا ہو
چندہ سالانہ ایک رُپیہ۔ فی پرچہ ایک آنہ

اُردو

انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ،
جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہو

اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہو تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اُردو میں جو کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ اُن پر تبصرہ اس رسالے کی ایک خصوصیت ہو۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحے یا اس سے زیادہ ہوتا ہے قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملا کر سات رُپے سکۂ انگریزی (آٹھ رُپے سکۂ عثمانیہ) نمونے کی قیمت ایک رُپیہ بارہ آنے (دو رُپے سکۂ عثمانیہ)۔

رسالہ سائنس

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) کا ماہانہ رسالہ
(ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے شائع ہوتا ہی

اس کا مقصد یہ ہو کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اُردو دانوں میں مقبول کیا جائے۔ دُنیا میں سائنس کے متعلق جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں یا بحثیں یا ایجادیں ہو رہی ہیں ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہو اس سے اُردو زبان کی ترقی اور اہلِ وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہو۔ رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع ہوتے ہیں۔ قیمت سالانہ صرف پانچ رُپے سکۂ انگریزی (چھ رُپے سکۂ عثمانیہ)

خط و کتابت کا پتا: معتمد مجلس ادارت رسالۂ سائنس۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد۔ دکن

৯৫-২৪০
৩৩২২

ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN